پیلی راجپوتاں کی ملکہ
از
نمرہ احمد
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

نمرہ احمد

بیلی راجپوتاں کی ملکہ

رات کا دوسرا پہر دم توڑنے کو تھا، سیاہ آسمان پہ ہر سو تارے بکھرے تھے۔ پورے چاند کی روشنی درختوں کے پتوں کو چمکا رہی تھی۔ وہ بیلی کے جنگل کے درخت تھے، اونچے، مضبوط تناور اور اتنے گھنے کہ چاندنی گھاس کو نہیں چھو پاتی تھی۔

ان اونچے درختوں کے سائے جنگل کے بیچ بنی شاہراہ پر لمبے گر رہے تھے۔ ایسے میں جب جانور بھی خاموش ہو گئے تھے، گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سناٹے کو توڑ رہی تھی۔

دونوں اطراف سے جنگل کے بیچ گھری پکی پکی سڑک پر ایک بگھی دوڑتی آ رہی تھی۔

بگھی ساگوان کی تھی۔ اس پہ دو رویہ ایک مشالی روشن تھی۔ اور اس میں دو عربی گھوڑے جتے ہوئے تھے، چکنے چکنے سفید سے گھوڑے۔ ان کے منہ پہ ریشمی پونیاں اور بدن پہ چھم چھم کرتی جھالر کی دھجیاں تھیں۔

باہری نشست پہ کوچ بان بیٹھا تھا، اس کے ایک ہاتھ میں چابک اور دوسرے میں مرصع لگام تھی۔ وہ لگام تھامے چابک مارتا فکرمندی سے بار بار اوپر آسمان کو دیکھتا تھا۔ جہاں صبح کا ستارہ اسے منزل بتا رہا تھا۔

کوچ بان کے پیچھے بگھی کے اونچے دروازے سختی سے بند تھے۔ جنگل کے درخت اسے دیکھ رہے تھے مگر کچھ اندازہ نہ ہوتا تھا کہ کوچ بان کی سواری کون ہے یا کوئی ہے بھی کہ نہیں۔

بگھی برق رفتاری سے جنگل کے بیچوں بیچ سڑک پہ بھاگتی جا رہی تھی۔ کوچ بان پریشانی سے گردن اٹھا کر وقفے وقفے سے صبح کے ستارے کو دیکھتا تھا اور ذرا کی ذرا پیچھے بند بگھی پہ نظر ڈالتا، اس کے ہاتھوں میں

مکمل ناول

اضطراب تھا اور انداز میں عجلت۔

"رام ناتھ!" دفعتاً بند بگھی میں سے نسوانی آواز گونجی، ٹھہری ہوئی مطمئن سی مگر تمکنت و بے نیازی سے بھرپور۔

کوچ بان کی لگام پہ گرفت پل بھر کو ڈھیلی پڑ گئی، بگھی کے پہیے قدرے سست ہوئے۔

"جی مالکن؟"

"حویلی کتنا دور ہے ابھی؟"

"بس چند کوس رہ گئے ہیں مالک، بھگوان نے چاہا تو صبح ہونے سے قبل ہم حویلی میں ہوں گے۔" کہہ کر اس نے چابک زور سے گھوڑے کو رسید کی۔ پہیے پھر سے تیز ہوئے۔

"جلدی کرو رام ناتھ۔" نزاکت اور تھکان بھری خوب صورت آواز پھر سے اس کے کانوں میں پڑی

وہ "جی مالکن" کہہ کر رفتار بڑھانے لگا۔ بند بگھی میں خاموشی چھا گئی تھی۔ اب وہ نہیں بولے گی، کوچ بان کو علم تھا۔ یہ چند فقرے بھی پورے سفر میں پہلی بار اس کے لبوں سے نکلے تھے۔

کوچ بان رام ناتھ ابھی صبح کے ستارے کو دیکھ کر سمت کا حساب ہی لگا رہا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے جنگل سے چند گھڑ سوار نکل کر سامنے سڑک پر آ گئے، ایسے کہ بگھی کا راستہ ایک دم سے رک گیا۔ گھوڑے زور سے ہنہنائے، رام ناتھ نے تیزی سے لگام کھینچ لی۔

اسے لگام کھینچنا ہی تھی، کیونکہ اب وہ ہو چکا تھا، جس کے باعث وہ رات کے وقت جنگل کے سفر سے ڈرتا تھا۔ بیلی کا جنگل رات کے اس پہر ہنڈاروں کی آماجگاہ ہوتا تھا، اسے علم تھا۔ اس نے بے اختیار ماتھے پہ آیا پسینہ صاف کیا۔

بگھی رکی کھڑی تھی۔ سامنے چار گھوڑے تھے۔ ان میں سے تین کے سوار گھوڑوں سے اتر کر بگھی کے قریب آ رہے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں بندوق تھی، دوسرا برچھیت تھا جبکہ تیسرے کے پاس بڑا سا راجپوتی بلم تھا۔

چوتھا گھوڑا قدرے پیچھے کھڑا تھا، اس کا سوار گھوڑے کی پشت پہ بیٹھا تھا۔ وہ نیچے نہیں اترا تھا۔ اس کے منہ پہ سیاہ ڈھاٹا بندھا تھا، بس آنکھیں واضح تھیں، باقی چہرہ ڈھاٹے کے پیچھے گم تھا۔ اس کے پاس ایک بڑا سا نیزہ تھا جو اس نے گھوڑے کی کنوتیوں کے درمیان رکھا ہوا تھا۔

تینوں سوار بگھی کے قریب آئے، ان کے چہرے بھی نقاب میں ڈھکے ہوئے تھے۔ برچھیت کے دوسرے ہاتھ میں دستی تھی۔ یہ چھوٹی سی لکڑی تھی جس کے اوپر دھات کا برا سا پیالہ جڑا تھا، اس کے اندر شعلہ جل رہا تھا۔

برچھیت نے دستی کوچ بان کے چہرے کے سامنے لہرائی، ایک دم روشنی سے گھبرا کر کوچ بان نے چہرہ پیچھے کیا۔

بندوق بردار آگے بڑھا۔

"نیچے آؤ۔" اس کی بندوق کوچ بان پہ تنی تھی، وہ خاموشی سے نیچے اتر آیا۔

"کہاں سے آ رہے ہو؟"

"امرتسر سے مہاراج!" رام ناتھ نے ہاتھ عاجزانہ انداز میں جوڑے۔

"کہاں جانا ہے؟"

"گاؤں جا رہے ہیں مہاراج۔"

"کون سے گاؤں؟"

"بیلی راجپوتاں مہاراج۔"

"بیلی میں کیا کام ہے؟" بندوق بردار غرایا۔

"اپنا گھر ہے مہاراج، پریوار ہے۔"

"ہوں۔" بندوق بردار نے بگھی پہ نگاہ ڈالی۔ "ساتھ کون ہے؟" رام ناتھ نے تھوک نگلا۔

"میری پتنی ہے مہاراج!"

"امرتسر کیوں گئے تھے؟" وہ سوال در سوال کیے جا رہا تھا۔

"میری پتنی بیمار ہے، اسے بڑے ہسپتال دکھانے گیا تھا۔"

برچھیت دستی اونچی کیے بگھی کو بغور دیکھ رہا تھا، یکدم چونک اٹھا۔ "یہ بگھی تو راجپوتوں کی ہے۔" پھر اس نے شعلے کا رخ رام ناتھ کی جانب کیا۔ "تم ٹھاکر رگوناتھ کے ملازم ہو؟"

اضطراب تھا اور انداز میں عجلت۔

"رام ناتھ!" دفعتاً بند بگھی میں سے نسوانی آواز گونجی، ٹھہری ہوئی مطمئن سی مگر تمکنت و بے نیازی سے بھرپور۔

کوچ بان کی لگام پہ گرفت پل بھر کو ڈھیلی پڑ گئی، بگھی کے پہیے قدرے سست ہوئے۔

"جی مالکن؟"

"حویلی کتنا دور ہے ابھی؟"

"بس چند کوس رہ گئے ہیں مالک بھگوان نے چاہا تو صبح ہونے سے قبل ہم حویلی میں ہوں گے۔" کہہ کر اس نے چابک زور سے گھوڑے کو رسید کی۔ پہیے پھر سے تیز ہو گئے۔

"جلدی کرو رام ناتھ۔" نزاکت اور تھکان بھری خوب صورت آواز پھر سے اس کے کانوں میں پڑی وہ "جی مالکن" کہہ کر رفتار بڑھانے لگا۔ بند بگھی میں خاموشی چھا گئی تھی۔ اب وہ نہیں بولے گی، کوچ بان کو علم تھا۔ یہ چند فقرے بھی پورے سفر میں پہلی بار اس کے لبوں سے نکلے تھے۔

کوچ بان رام ناتھ ابھی صبح کے ستارے کو دیکھ کر سمت کا حساب ہی لگا رہا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے جنگل سے چند گھڑ سوار نکل کر سامنے سڑک پر آ گئے ایسے کہ بگھی کا راستہ ایک دم سے رک گیا۔ گھوڑے زور سے ہنہنائے، رام ناتھ نے تیزی سے لگام کھینچ لی۔

اسے لگام کھینچنا ہی تھی کیونکہ اب وہ ہو چکا تھا، جس کے باعث وہ رات کے وقت جنگل کے سفر سے ڈرتا تھا۔ بیلی کا جنگل رات کے اس پہر ہنڈاروں کی آماجگاہ ہوتا تھا، اسے علم تھا۔ اس نے بے اختیار ماتھے پہ آیا پسینہ صاف کیا۔

بگھی رکی کھڑی تھی۔ سامنے چار گھوڑے تھے۔ ان میں سے تین کے سوار گھوڑوں سے اتر کر بگھی کے قریب آ رہے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں بندوق تھی، دوسرا برچھیت تھا جبکہ تیسرے کے پاس بڑا سا راجپوتی بلم تھا۔

چوتھا گھوڑا قدرے پیچھے کھڑا تھا، اس کا سوار گھوڑے کی پشت پہ بیٹھا تھا۔ وہ نیچے نہیں اترا تھا۔ اس کے منہ پہ سیاہ ڈھاٹا بندھا تھا آنکھیں واضح تھیں، باقی چہرہ ڈھاٹے کے پیچھے چھپا تھا۔ اس کے پاس ایک بڑا سا نیزہ تھا جو اس نے گھوڑے کی کنوتیوں کے درمیان رکھا ہوا تھا۔

تینوں سوار بگھی کے قریب آئے، ان کے چہرے بھی نقاب میں ڈھکے ہوئے تھے۔ برچھیت کے دوسرے ہاتھ میں دستی تھی۔ یہ چھوٹی سی لکڑی تھی جس کے اوپر دھات کا بڑا سا پیالہ جڑا تھا اس کے اندر شعلہ جل رہا تھا۔

برچھیت نے دستی کوچ بان کے چہرے کے سامنے لہرائی ایک دم روشنی سے گھبرا کر کوچ بان نے چہرہ پیچھے کیا۔

بندوق بردار آگے بڑھا۔

"نیچے آؤ۔" اس کی بندوق کوچ بان پہ تنی تھی، وہ خاموشی سے نیچے اتر آیا۔

"کہاں سے آ رہے ہو؟"

"امرتسر سے، مہاراج!" رام ناتھ نے ہاتھ عاجزانہ انداز میں جوڑے۔

"کہاں جانا ہے؟"

"گاؤں جا رہے ہیں مہاراج۔"

"کون سے گاؤں؟"

"بیلی راجپوتاں مہاراج۔"

"بیلی میں کیا کام ہے؟" بندوق بردار غرایا۔

"اپنا گھر ہے مہاراج، پریوار ہے۔"

"ہوں۔" بندوق بردار نے بگھی پہ نگاہ ڈالی۔ "ساتھ کون ہے؟" رام ناتھ نے تھوک نگلا۔

"میری پتنی ہے مہاراج!"

"امرتسر کیوں گئے تھے؟" وہ سوال در سوال کیے جا رہا تھا۔

"میری پتنی بیمار ہے اسے بڑے ہسپتال دکھانے گیا تھا۔"

برچھیت دستی اونچی کیے بگھی کو بغور دیکھ رہا تھا، یکدم چونک اٹھا۔ "یہ بگھی تو راجپوتوں کی ہے۔" پھر اس نے شعلے کا رخ رام ناتھ کی جانب کیا۔ "تم ٹھاکر رگوناتھ کے ملازم ہو؟"

سمجھا تھا کہ گلو خلاصی ہو گئی۔ گڑبڑا کر رہ گیا۔ "جی ... جی مہاراج۔" وہ بولا۔

"اس کا مطلب ہے یہ گاؤں کا آدمی ہے" بھلم بردار نے آہستہ سے دونوں سے کہا جیسے مطمئن ہو گیا ہو مگر برچھیت مطمئن نہیں تھا۔ "تم اپنی بیوی کو ٹھاکروں کی بگھی میں کیوں لے کر جا رہے ہو؟"

"وہ... مہاراج... دراصل..." رام ناتھ سے بات نہیں بن رہی تھی۔

"دیکھو سیدھی طرح بتاؤ، ساتھ کون ہے۔ تمہاری ٹھاکروں کا کوئی فرنگی مہمان؟"

چوتھا گھڑ سوار اسی طرح نیزہ رکھے سارا ماجرا خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔

"مہاراج... دراصل..." اور اس سے پہلے کہ وہ بگڑے بات سنوارنے کی سعی کرتا، بگھی کے اندر سے آواز ابھری۔

"رام ناتھ! ... جیسے گھنگرو سے بج اٹھے ہوں۔ کوچ بان نے تھک کر سر جھکا دیا۔ اب جھوٹ سے کام نہیں چلنا تھا۔

"جی مالکن!" اس کی آواز پست تھی۔ مالکن کے لفظ پہ تینوں نے ایک دوسرے کو معنی خیز انداز میں دیکھا۔ پھر بندوق بردار نے گردن موڑ کر گھڑ سوار کو اشارہ کیا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ بندوق بردار نے دوبارہ بندوق مزید تان لی۔

"کون لوگ ہیں رام ناتھ؟ راہ گیر رہیں یا کمپنی بہادر کے سپاہی؟" آواز اب بھی بے نیاز سی تھی مطمئن اور ٹھہری ہوئی بے فکر سی۔

"راہزن ہیں مالکن۔" وہ بگھی کے قریب ہو کر ہولے سے بولا پھر ان کی جانب مڑا۔ "بڑودے کی بی بی ہے مہاراج! ہمیں جانے دیجیے ہمارا بیلی پہنچنا بہت ضروری ہے۔"

"بڑودے کی بی بی رات کے اس پہر تمہارے ساتھ کیوں ہے گاڑی بان؟" بندوق بردار کے لہجے میں طنز در آیا تھا، برچھیت نے بھی قدرے چوکنا ہو کر برچھی کا رخ رام ناتھ کی طرف کر لیا۔

چوتھا سوار اسی طرح خاموشی سے گھوڑے کی لگام تھامے اس کی پیٹھ پہ بیٹھا تھا۔

"مہاراج، ہمارا بیلی پہنچنا..."

"یہ کیا پوچھ رہے ہیں رام ناتھ؟" بند دروازے کے پیچھے سے پھر سے آواز ابھری، جیسے ویرانے میں کسی قدیم مندر کی ساری گھنٹیاں بج اٹھی ہوں۔

"یہ پوچھتے ہیں کہ..." رام ناتھ بگھی کے قریب آیا۔ "کہ اندر فرنگی تو نہیں ہیں۔ آپ اطمینان رکھیں مالکن، یہ بیلی راجپوتاں کے ڈاکو ہیں۔ صرف فرنگیوں کو لوٹتے ہیں۔ میں ان سے نمٹ لوں گا۔" ڈھکے چھپے الفاظ میں نہایت ادب سے اپنی سواری کو خاموش رہنے کا کہہ کر وہ راہزنوں کی جانب متوجہ ہوا۔

"مائی باپ!" اس نے لکھنؤ کے باسیوں کی طرح عاجزانہ ہاتھ جوڑے۔ "بی بی صاحب کی بولی ہے۔" وہ جانے کون سا حیلہ بہانہ کرنے کو تھا کہ وہ آواز پھر سے گونجی۔

"رام ناتھ!" اب کے لہجہ سخت تھا، تحکم اور رعونت سے بھرپور۔ "انہیں بتاؤ کہ تمہاری سواری فرنگی ہی ہے۔"

اس سے پہلے کہ کوچ بان جو اپنے قدموں پہ کلہاڑی مارنے والے الفاظ پہ بھونچکا رہ گیا تھا یا وہ تینوں راہزن جن کے لیے یہ بہادری غیر متوقع تھی، سنبھلتے بگھی کا دروازہ اندر سے کھلا سب کی نگاہیں ادھر کو اٹھیں۔

دروازہ کھلتا چلا گیا، اس کے پیچھے کم خواب کا بھاری پردہ پڑا تھا، ایک سپید ہاتھ باہر نکلا اور پردہ ہٹا دیا۔ برچھیت کی دستی کا شعلہ ہوا سے دھواں سا جا رہا تھا مگر مدھم روشنی میں بھی اندر کا منظر قدرے واضح تھا۔ وہ اندر نشست پہ بیٹھی تھی یوں کہ رخ سامنے کو تھا اس نے سفید میکسی زیب تن کر رکھی تھی۔ جو پاؤں تک آتی تھی، پاؤں میں نازک سی کولہاپوری جوتی تھی جس کے اوپر سنہرے پکھراج جڑے تھے۔ میکسی کی چوڑی دار تنگ آستینیں کلائیوں تک آتی تھیں اس کے سپید ہاتھ گود میں دھرے تھے اور ان میں ہیرے کی انگوٹھیاں تھیں۔ ہاتھوں کے نیچے ایک بڑا سا سفید ہیٹ رکھا تھا۔

لباس کا گھاٹ کھلا تھا گردن راج ہنس کی سی لمبی تھی، جس سے ہیروں کا ایک نازک ہار چپکا ہوا تھا۔ راہزنوں کی نگاہیں بے اختیار اس کے پاؤں سے ہوتی ہوئی چہرے پہ اٹھتی چلی گئیں۔

اٹھی ہوئی ٹھوڑی مغرور سی ناک 'موم کی سی گوری جلد' بھرے بھرے ہونٹ جن پہ سرخی لگی تھی 'سنہری مائل بھورے بال اس نے اکٹھے کر کے بائیں کندھے پہ ڈال رکھے تھے 'جو ان کی نگاہ سے پوشیدہ تھا کہ ان کے سامنے اس کا داہنا رخ تھا' اور بڑی بڑی سنہری آنکھیں جن کے گرد بہت گہرے کاجل کا حاشیہ کھنچا تھا' آنکھوں کا رنگ بہت چمکیلا سنہری اور کاجل اتنا گہرا تھا' جیسے سیاہ پانی میں سورج جھلملا رہا ہو۔

رعب حسن تھا یا تمکنت جمال کہ اسلحے پہ ان تینوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ شاید ایک لمحے کو ان کو حقیقت پہ خواب کا گمان ہوا تھا' جیسے آسمانوں سے اتر کر کوئی اپسرا ان کے سامنے آگئی ہو۔

"رام ناتھ! ان سے پوچھو کہ رات کے اس پہر مسافروں کو اذیت دینے سے کیا حاصل؟" ہلکے سے گردن ان کی جانب موڑے وہ نخوت سے بولی۔

"گاڑی بان اپنی میم صاحب کو کہو' اپنا زیور اتار کر ہمارے حوالے کر دے۔" بندوق بردار سنبھل چکا تھا۔

رام ناتھ نے بے چارگی و بے بسی سے بگھی کے کھلے دروازے کو دیکھا۔

وہ اس اعتماد اور تحقیر سے ان کو دیکھ رہی تھی۔ بندوق بردار کو بات دہرانی پڑی۔

"میم صاحب' اپنا زیور اتار کر ہمارے حوالے کر دیں۔"

"تم مجھے مجبور نہیں کر سکتے۔" اس کے اعتماد میں رتی برابر فرق نہیں پڑا تھا۔ "نہ ہی میں بھیک دینے کی قائل ہوں۔"

"ہم بھکاری نہیں ہیں۔" بر چھیت غرایا۔

"بھکاری اور ڈاکو میں زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ رہی زیور کی بات تو وہ میں تمہارے حوالے نہیں کروں گی۔"

"مادام! آپ کا لہجہ ہمیں مجبور کر رہا ہے کہ ہم آپ کے ساتھ زبردستی کریں۔"

اس کی سنہری آنکھوں میں ناگواری در آئی' خوب صورت پیشانی پہ شکن ابھری۔

"مگر ملکہ عالیہ سے باغی ہوئے اہل ہند انگریز شریف کی عورتوں کا احترام بھول گئے ہیں تو رام ناتھ! انہیں بتاؤ کہ یہ یہاں محکوم ہیں اور ہم حاکم۔"

"نہ ہم محکوم ہیں اور نہ ہی آپ حاکم۔ آپ جابر' چور اور عہد شکن ہیں' آپ نے ہمارے ہند عظیم کو لوٹا ہے' ہمارا مال' ہماری عزتیں' ہمارا تخت و تاج لوٹا ہے۔ ہم صرف آپ سے اپنی دولت واپس لے رہے ہیں' عزت اور سلطنت کا حساب پھر کبھی لیں گے۔ زیور ہمارے حوالے کر دیں میم صاحب۔"

اس نے گردن پھر اونچی کی۔ منہ پہ بندھے ڈھاٹے سے محض اس کی آنکھیں واضح تھیں۔ چھوٹی چھوٹی اہل فرنگ کے لیے نفرت سے لبریز آنکھیں۔

چوتھا گھڑ سوار خاموشی سے سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔

"میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ مجھے بھیک دینے کی عادت ہے نہ لوٹے جانا پسند ہے۔" عادتاً وہ گردن سے چپکے ہار پہ انگلی پھیرنے لگی۔ "فراموش کرو کہ تم مجھ سے میرا زیور اتروا لو گے یا اس بگھی کے چند قدم قریب بھی پھٹک سکتے ہو۔" اب اس کے لہجے میں حقارت در آئی تھی۔

"ہم یہ دونوں کام کر سکتے ہیں' گولی بھی چلا سکتے ہیں۔"

"فضول۔" اس دیوی جیسا حسن و تمکنت رکھنے والی لڑکی نے تمسخرانہ سر جھٹکا۔ "خوش فہمیاں انسان کو بہت ذلیل کرواتی ہیں۔" کہتے کہتے اس نے یوں ہی ایک ہاتھ سے بال سمیٹ کر دائیں کاندھے پہ ڈال دیے جو ان کے سامنے تھا۔

اس عمل کے دوران جب وہ بھورے سنہری بالوں کو ہاتھ سے سمیٹے دوسرے شانے پہ لا رہی تھی' دستی شعلہ اور چاند کی روشنی باہم ہو کر خاص زاویے سے اس پہ پڑی کہ ایک لمحے کو اس کے بالوں میں کچھ ذور کا چمکا' اتنا کہ چمک سے دور گھوڑے پہ بیٹھے سوار کی آنکھیں چندھیا گئیں اور بے اختیار اس نے روشنی

سے بچنے کو سر پیچھے کیا۔

بس ایک لمحے کا کھیل تھا کہ روشنی ...
پھر اس نے دیکھا' اس کے لمبے سنہری بالوں ...
بھی 'موتیوں کی لڑی جیسے ایک موتی ...
سے سرے تک سفید موتی پروئے ...
کر رہے تھے مگر موتیوں کی لڑی ...
کے وسط میں ختم ہو جاتی تھی۔

"ہم خوش نہیں ہیں میم صاحب ...
ہمیں مجبور کر رہی ہیں کہ آپ کے ساتھ ...
جائے۔" بندوق بردار جیسے ضبط کھو کر ...
نے گھبرا کر سامنے آنا چاہا مگر بندوق ...
کے قدم روک دیے۔

اور اس سے پہلے کہ وہ راہزن بگھی ...
کے جنگل نے وہ بھاری آواز سنی۔

"نادر!" سب نے یہاں تک کہ را ...
میں بیٹھی لڑکی نے بھی چونک کر راہزنو ...
میں دیکھا جہاں وہ گھڑ سوار اپنے ساتھیو ...
تھا۔

"کیا؟" بندوق بردار جس کا نام غالباً ...
سے پلٹا۔

"نہیں جانے دو۔"

نادر کو جھٹکا لگا۔ "مگر۔"

"میں نے کہا نا' نہیں جانے دو۔" ...
دھیمی ہو گئی تھی مگر جنگل کے سناٹے ...
کہ اس میں دباؤ یا غصہ بھی تھا۔

"کیسے جانے دوں؟ زیور دیکھا ہے ...
تلملا کر بڑبڑایا۔ چند لمحے خاموشی چھا گئی ...
کے بعد ہم بولا۔

"ان کو جانے دو نادر! یہ بیلی رانچو ...
سے جانے دو۔"

پھر وہ رکا نہیں' گھوڑے کی لگام ...
بڑھ لگا دی۔ سفید گھوڑا اپنے سوار کو ...
دوڑتا ہوا جنگل کے بیچ درختوں میں گم ہو ...
ان تینوں نے ایک لمحے کو لیے ایک دو ...

بچنے کو سر چھپے کیا۔

بس ایک لمحے کا عمل تھا کہ روشنی غائب ہو گئی اور پھر اس نے دیکھا اس کے لمبے سنہری بالوں میں ایک لڑی تھی، موتیوں کی لڑی جیسے ایک موٹی سی لٹ میں سرے سے سرے تک سفید موتی پرو دیے ہوں اس کے بل کمر تک گرتے تھے مگر موتیوں کی لڑی کاندھے اور کمر کے وسط میں ختم ہو جاتی تھی۔

"ہم خوش فہم نہیں ہیں میم صاحب! اگر آپ ہمیں مجبور کر رہی ہیں کہ آپ کے ساتھ زبردستی کی جائے" بندوق بردار جیسے ضبط کھو کر آگے بڑھا رام ناتھ نے گھبرا کر سامنے آنا چاہا مگر بندوق کی نال نے اس کے قدم روک دیے

اور اس سے پہلے کہ وہ راہزن بگھی تک پہنچتے بیلی کے جنگل نے وہ بھاری آواز سنی۔

"نادر!" سب نے یہاں تک کہ رام ناتھ اور بگھی میں بیٹھی لڑکی نے بھی چونک کر راہزنوں کے عقب میں دیکھا جہاں وہ گھڑ سوار اپنے ساتھیوں سے مخاطب تھا۔

"کیا؟" بندوق بردار جس کا نام غالباً "نادر" تھا حیرت سے پلٹا۔

"انہیں جانے دو۔"

نادر کو جھٹکا لگا۔ "مگر۔۔۔"

"میں نے کہا نا! انہیں جانے دو۔" اس کی آواز اب دھیمی ہو گئی تھی مگر جنگل کے سناٹے نے محسوس کیا تھا کہ اس میں دبا ہوا غصہ بھی تھا۔

"کیسے جانے دوں؟ زیور دیکھا ہے تم نے؟" نادر تلملا کر بڑبڑایا۔ چند لمحے خاموشی چھائی، پھر گھڑ سوار اور بھی مدھم بولا۔

"اسے جانے دو نادر! یہ بیلی راجپوتاں کی ملکہ ہے اسے جانے دو۔"

پھر وہ رکا نہیں، گھوڑے کی لگام کھینچی اور اس کو ایڑ لگائی۔ سفید گھوڑا اپنے سوار کو پیٹھ پہ لادے دوڑتا ہوا جنگل کے بیچ درختوں میں گم ہو گیا۔

ان تینوں نے ایک لمحے کے لیے ایک دوسرے کو دیکھا

اور پھر اگلے ہی پل اپنے اپنے گھوڑوں پہ سوار ہو کر انہیں اس کے پیچھے دوڑاتے نگاہوں سے اوجھل ہو گئے، مگر جاتے سے وہ دیکھ چکی تھی کہ نادر کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں غصے اور ناگواری سے بھری تھیں۔

رام ناتھ نے گہرا سانس لیا اور اسے دیکھا، وہ جیسے کسی سوچ میں گم دھول کے غبار کو نیچے بیٹھتا دیکھ رہی تھی، جو گھوڑوں کے قدموں نے اڑایا تھا۔

"اگر انہیں علم نہ ہوتا کہ آپ فرنگی ہیں تو وہ ہمیں نہ روکتے مالکن!" نگاہیں جھکائے رام ناتھ نے ادب سے اسے اس کی "غلطی" کا احساس دلایا۔ وہ کچھ سوچتی دور جنگل میں دیکھتی رہی۔

"رام ناتھ!" وہ جو مڑ کر آگے نشست سنبھالنے جا رہا تھا، وہ پکارنے پہ واپس پلٹا۔

"جی مالکن!"

"یہ لوگ کون تھے؟"

"راہزن تھے، مالکن!" اس نے بے اختیار نگاہیں چرائیں۔

"بے شک، مگر تھے کون؟"

"میں کچھ نہیں جانوں مالکن!" کوچ بان نے ہاتھ جوڑے۔

"بے شک، مگر وہ جو گھوڑے پہ تھا اس کا نام کیا تھا؟" وہ اب بھی پرسکون تھی۔

"میں کچھ نہیں جانوں۔"

وہ نرمی سے مسکرائی۔ "جانے دو رام ناتھ جیسے تمہیں واقعی علم نہیں۔" اور سکون سے پیچھے ہو کر بیٹھ گئی۔

وہ سر جھکائے ہاتھ جوڑے واپس جانے لگا جب اسے اپنے عقب سے اس کی آواز سنائی دی۔

"میں جانتی ہوں، وہ کون تھا۔ رام ناتھ۔" وہ حیرت زدہ سا پلٹا۔ اندھیرے میں مدھم چاندنی میں بھی وہ اس کا چہرہ دیکھ سکتا تھا۔ جس پہ وہی تلخ مسکراہٹ تھی۔

"کون تھا مالکن؟"

"وہ بدر غازان تھا۔ میں جانتی ہوں۔ اس واقعہ کی خبر گاؤں میں کسی کو نہ ہو۔ اب گاڑی چلاؤ۔ میں صبح سے قبل حویلی پہنچنا چاہتی ہوں۔" پردہ آگے ڈال گیا، اور دروازہ اندر سے بند ہو گیا۔

رام ناتھ حیرت چھپاتا، سر ہلا کر حکم کی تعمیل کرتا آگے اپنی جگہ پر واپس آ گیا۔

بگھی ایک دفعہ پھر خستہ حال سڑک پر دوڑنے لگی اور پھر جب سڑک ختم ہو کر کچا راستہ شروع ہو گیا، اس لمحے پو پھٹنے لگی۔

صبح کی پہلی کرنیں بیلی راجپوتاں کے کھیتوں پہ گرنے لگیں تو بگھی میں جتے عربی گھوڑے بڑے پھاٹک کے سامنے رکے۔ وہاں مجمع سا لگا تھا۔

کوچ بان رام ناتھ پھرتی سے نیچے اترا، سرعت سے سیڑھی نکال کر دروازے سے لگائی اور دروازہ کھولا۔ پردہ اندر سے اس نے خود ہٹایا اور پاؤں باہر نکال کر سیڑھی پہ رکھا۔ اس کی جوتی کے سنہرے تاج روشنی میں چمکنے لگے۔ سفید ہیٹ اس نے سر پر رکھ لیا تھا۔

کوچ بان ادب سے پیچھے ہٹ گیا، وہ نزاکت سے زینے اترتی نیچے آئی جیسے پانی پہ چل رہی ہو اور سامنے کھڑے دونوں افراد کو اپنی جانب دیکھتے پایا۔

ان میں سے ایک وردی میں ملبوس گاؤں کا سب انسپکٹر تھا اور دوسرا سوٹڈ بوٹڈ ڈھلتی عمر کا فربہی مائل کمپنی بہادر کا کوئی افسر، فرنگی افسر نے اپنا ہیٹ اتار کر جھک کر "گڈ مارننگ" بولا۔ اس کی ــــــ تیوری چڑھ گئی۔ سب انسپکٹر نے بھانپ کر کچھ کہنے کو لب کھولے مگر صاحب بہادر شروع ہو چکا تھا۔

"آپ یقیناً" انگلستان سے آئی ہیں۔ پہلی دفعہ آپ کو ادھر دیکھا ہے۔ میرا نام جان کارلس ہے۔ میں ضلع کا نیا ڈپٹی کلکٹر ہوں۔ مجھے یہاں تعینات ہوئے آج تیسرا روز ہے۔"

"مایا راج، یہ لیڈی۔۔۔" سب انسپکٹر منمنایا مگر جان کارلس نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔ "مجھے بات کرنے دو تھانے دار۔"

"یہ مجمع کیوں لگا ہے ادھر؟" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنی میکسی پہلو سے اٹھائے بے زاری کھڑی تھی، اس کا اشارہ ارد گرد حویلی کے پھاٹک کے ساتھ کھڑے

ہجوم کی طرف تھا۔

"واؤ مائی لیڈی! آپ کی اردو کتنی صاف ہے۔"

"مجھے فارسی کی شد بد بھی ہے مسٹر کارلس! مگر یہ مجمع کیوں ادھر لگا ہے؟"

"کل راجپوتوں کی حویلی میں حادثہ ہو گیا تھا۔"

"حادثہ؟ کیسا حادثہ؟" وہ چونکی

"آگ لگ گئی تھی مہمان خانے میں۔"

"کوئی نقصان تو نہیں ہوا ڈی سی صاحب۔"

"اور تو نہیں بس ٹھاکروں کا لڑکا موقع پہ ہی جل کے مر گیا۔"

"کون؟ ٹھاکر رگوناتھ کا بیٹا گوپال؟"

"نہیں وہ دوسرا لڑکا جو رگوناتھ کا بھتیجا تھا۔"

"شیکھر۔" وہ بے اختیار ایک قدم پیچھے ہٹی۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ "شیکھر... شیکھر مر گیا؟"

"جی وہی ٹھاکر شیکھر راج۔" وہ مزید کچھ سنے بغیر تیزی سے پھاٹک پار کر کے اندر چلی گئی۔ جان کارلس گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

"یہ عورت کون ہے؟" اب کے اس نے بالآخر سب انسپکٹر کو زحمت دی جو مسلسل کچھ کہنے کے لیے لب کھول اور بند کر رہا تھا۔ کارلس کے سوال پر گہری سانس خارج کر کے بولا۔ "میں آپ کو یہ ہی بتانے والا تھا مایا راج۔ یہ لیڈی شیکھر ہے، ٹھاکر شیکھر راج کی بیوی۔"

کارلس چونکا۔ "یہ مایا فرینڈلی ہے؟"

سب انسپکٹر نے اثبات میں سر ہلایا۔ "جی مایا راج!" کارلس پھر سے گردن موڑے اسے دیکھنے لگا، جو تیزی سے دوڑتی حویلی کے اندر جا رہی تھی۔ اس کا ہیٹ راستے میں مٹی پہ گر گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

یہ 1939ء کی ایک تاریک رات تھی۔ ہند عظیم اس وقت تاج برطانیہ کے تحت تھا۔ وہ تاج برطانیہ جس پہ سورج غروب نہیں ہوتا تھا، مگر ہندوستان پہ تاریکی ہر رات اپنے پر پھیلا لیتی تھی۔ یہ ہی چاندنی میں ڈوبا اندھیرا "بیلی راجپوتاں" پہ بھی اتر آتا تھا۔

بیلی راجپوتاں، ہندوستان کا ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، انگریز سرکار نے کئی برس ہوئے اس کا نام بدل کر کچھ اور کر دیا تھا۔ مگر گاؤں والے آج بھی اسے اس کے برسوں پرانے نام سے ہی پکارتے تھے۔ جس میں یہاں کے سرکردہ خاندان کی عظمت کا ذکر تھا۔ ہندو راجپوتوں کے خاندان کا، جو کئی برس سے اس گاؤں کے بے تاج بادشاہ تھے۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ بیلی راجپوتاں دراصل اس ریاست کا حصہ تھا، جو کسی زمانے میں اس راجپوت خاندان کی ملکیت تھی اور وہ یہاں کے حقیقتاً "بادشاہ تھے"، پھر بعد میں ریاستیں ٹوٹ گئیں تو یہ محض ایک گاؤں رہ گیا، مگر راجپوت آج بھی یہاں کے مہاراجے تھے اور ان کی عورتیں خود کو مہارانیاں کہلوانا پسند کرتی تھیں۔

گاؤں کی آبادی میں ہندوؤں کا تناسب مسلمانوں سے چند شرح فیصد زیادہ تھا، اور سوائے ایک مسلم خاندان کے (جس کی مضبوط حیثیت کی وجہ دولت کی کثرت اور ملکی سیاست میں اثر و رسوخ کے سوا کوئی نہ تھی۔) ہندو راجپوت پورے گاؤں پہ چھائے ہوئے تھے۔ گاؤں کے وسط میں راجپوتوں کی عظیم الشان حویلی تھی، جس کے میناروں کے کنگرے دور سے دکھائی دیتے تھے، مگر ہماری اس برسوں پرانی داستان کا مرکز راجپوتوں کی حویلی نہیں جو اس وقت سوگ میں ڈوبی تھی۔ بلکہ اس سے کہیں دور وہ کچا راستہ ہے جو راجپوتوں کی زمینوں سے ہو کر مسلمانوں کے پرانے قبرستان کی جانب جاتا تھا۔

رات دوسرے پہر میں داخل ہو رہی تھی، گاؤں کے مکین جانے کب سے اپنے اپنے گھروں میں دبکے سو رہے تھے۔ سرما دم توڑ رہا تھا، بہار کی آمد تھی۔ فضا میں خنکی ابھی تک موجود تھی۔ اونچے بوڑھے درخت خاموشی سے شاخوں کا بوجھ لیے سو رہے تھے، کبھی کبھی ہوا کا کوئی جھونکا تیزی سے چلتے ہوئے پتوں کو جھنجھوڑ

دیتا اور ان کی سنسناہٹ سے اندھیرے میں ڈوبا گاؤں ہڑبڑا سا جاتا، مگر پھر چند لمحوں بعد وہی پرسکون خاموشی چھا جاتی اور آسمان پہ بکھرے تارے اس کے گواہ بن جاتے۔ ایسے میں جب پورا بیلی راجپوتاں سو رہا تھا، مسلمانوں کے پرانے قبرستان میں کوئی جاگ رہا تھا۔

یہ قبرستان آبادی سے ہٹ کر گاؤں کے آخری سرے پہ واقع تھا۔ یہ ایک دفعہ مکمل طور پہ آباد ہونے کے بعد کئی برس ہوئے اب تو کھنڈر بھی بن چکا تھا۔ اب اس قبرستان میں کوئی مردے نہیں دفناتا تھا، بلکہ اس کی جگہ ایک نئے قبرستان نے لے لی تھی، جو گاؤں کے دوسری طرف تھا۔

پرانے قبرستان کی چاردیواری کچی اور چھوٹی تھی، داخلے کے لیے نصب لکڑی کا خستہ حال، قدیم پھاٹک رات کے اس پہر کھلا پڑا تھا۔

چاردیواری کے ایک کونے میں برگد کا گھنا بوڑھا درخت جھکا جھکا سا کھڑا تھا۔ اس کی چھایا تلے کوئی سایہ سا نظر آ رہا تھا۔

اس کی درخت کی جانب کمر تھی، اندھیرے میں وہ کوئی ہیولا سا دکھتا تھا۔ جس نے پاؤں تک آتا سیاہ چغہ پہن رکھا تھا، سر پہ چغے کے ساتھ منسلک ٹوپی (hood) ایسے لے رکھی تھی کہ چہرہ واضح نہ تھا۔ وہ سایہ رکوع کے بل جھکا، مسلسل ایک ہی جگہ پہ ہاتھ میں پکڑی کدال مار رہا تھا۔ وہاں دو قبروں کے درمیان ایک گڑھا سا کھد گیا تھا اور چغہ پوش کی کدال اس گڑھے کو مزید گہرا کر رہی تھی۔

دفعتاً گھوڑے کے بھاگتے ٹاپوں کی آواز نے بیلی راجپوتاں کی خاموش فضا کو لرزا دیا۔ چغہ پوش نے چونک کر کمر سیدھی کی۔ آواز دور کھیتوں سے آ رہی تھی۔ اس نے جلدی سے کدال اپنے لبادے میں چھپائی اور بھاگ کر درخت کے تنے کی اوٹ لے لی۔ دوڑتے قدموں کی آواز قریب آتی جا رہی تھی، چغہ پوش نے سر اٹھا کر چھوٹی سی چاردیواری کے پار جھانکا۔ اسی لمحے دور کھیتوں سے دو گھوڑے برق رفتاری سے بھاگتے ہوئے آئے اور دیوار کے قریب سے گزر کر آگے بڑھ گئے۔ شاید کوئی مسافر تھے۔

چغہ پوش نے آہستہ سے کھڑے ہو کر زمین پہ رکھی کدال اٹھائی اور واپس آ کر گڑھے کے کنارے پڑے مٹی کے ڈھیر کو اندر ڈالنا شروع کیا۔ کچھ ہی دیر میں اس نے زمین برابر کر دی، پھر کدال کو اسی طرح لبادے میں چھپائے دھیرے دھیرے چلتے اس نے باہر کی راہ لی۔

پھاٹک پار کر کے اس نے آہستگی سے اسے بند کیا، چغے کی ہڈ درست کی اور ادھر ادھر محتاط طریقے سے دیکھتے اپنے قدم اس کچے دھول مٹی میں گم ہوتے راستے کی جانب بڑھا دیے۔

چند لمحے بعد اس کا سیاہ وجود بیلی راجپوتاں کے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

وہ اس قد آور آئینے کے سامنے کھڑی بے تاثر نگاہوں سے اپنا عکس دیکھ رہی تھی۔

دراز قد، شانوں پہ گرتے سنہری بال، ان کے بیچ جھلملاتی موتیوں کی لڑی اور آنکھوں میں گہرا کاجل، آج اس نے کوئی زیور نہیں پہن رکھا تھا۔ بس سادہ سی سفید ساڑھی میں ملبوس تھی، جس کا پلو فرش کو چھو رہا تھا۔

وہ آئینے سے ایک طرف ہٹ گئی۔ سامنے والی دیوار پہ ایک بڑی سی تصویر آویزاں تھی۔

وہ ساٹھ ستر کے سن کا بوڑھا، مگر بارعب چہرہ تھا۔ بڑی بڑی مونچھیں، تمکنت سے چمکتی آنکھیں، فہم و فراست سے لبریز نگاہیں، پگڑی میں موتیوں کی لڑیاں تھیں، ماتھے سے عین اوپر پگڑی میں چھوٹا سا مور پنکھ تھا، جس کے ساتھ ایک بڑا سا ہیرا جڑا تھا۔ اس ہیرے سے پھوٹتی شعاعیں اس چہرے کے رعب داب میں اضافہ کر رہی تھیں، نیچے ایک کونے میں لکھا تھا۔

"شبیہہ حقیقی مہاراجہ بلدیو سنگھ۔"

وہ اب دوسری دیوار پہ موجود بڑے سے رنگین پورٹریٹ کے سامنے آ گئی جو ایک سیاہ سفید تصویر کو سامنے رکھ کر کسی ماہر مصور نے بنایا تھا۔ یہ تصویر اس

کی اور شیکھر کی شادی پہ تین ماہ قبل لی گئی تھی۔
تصویر میں اس نے سرخ ساڑھی پہن رکھی تھی۔ آنکھوں میں گہرا کاجل تھا یا لبوں پہ نکھار کے نام پہ سرخ رنگ کی لپ اسٹک، دائیں کلائی میں سونے کی چوڑیاں اور بائیں میں ہیرے کے دو جڑاؤ کنگن تھے۔ اس کے پہلو میں سیاہ تھری پیس، سفید شرٹ اور سرخ bow میں ملبوس سینتیس سالہ شیکھر مسکرا رہا تھا۔ وہ سانولی رنگت اور معمولی نقوش کا حامل قبول صورت شخص تھا۔

اس کی بے تاثر نگاہیں شیکھر سے ہٹ کر اپنی سرخ ساڑھی پہ پھیلتی چلی گئیں۔ یہ ساڑھی اس نے شادی کے بعد پھر کب پہنی تھی؟ ہاں ڈھائی ماہ قبل اپنی سالگرہ کی شام میں۔

اس نے اپنی سنہری آنکھیں موند لیں، ذہن کے پردوں پہ ایک فلم سی چلنے لگی تھی۔

دہلی میں موجود شیکھر کی اس عالی شان کوٹھی پہ سالگرہ کی تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا۔ بڑے سے لان میں برقی قمقموں اور روشنیوں سے چراغاں کیا گیا تھا۔ مہمان گھاس پہ بچھی کرسیوں سے اٹھ کر لان کے وسط میں رکھی تکونی گول میز کے اردگرد جمع ہو چکے تھے۔

شیکھر ان کے ہمراہ تھا۔ اس کی منتظر نگاہیں بار بار برآمدے سے اس پار گھر کے داخلی دروازے کی سمت اٹھ رہی تھیں۔ کچھ مہمان کلائیوں پہ بندھی گھڑیاں دیکھنے لگے تھے۔ ان سب کو شیکھر کی بیوی کا انتظار تھا۔ جس کے اعزاز میں روساء و امراء کی یہ محفل سجائی گئی تھی۔

دفعتاً برآمدے کا دروازہ کھلا، سرخ ساڑھی کی جھلک نظر آئی۔ تمام مہمانوں کی نگاہیں اس طرف اٹھیں، پورے لان میں سناٹا چھا گیا۔

دروازے کا پٹ دھکیلتی سرخ ساڑھی میں ملبوس دراز قد سیدھے اور سنہرے بالوں والی لڑکی باہر آئی۔ وہ واقعی کسی قدیم مندر میں پوجا کرانے والی حسن کی دیوی تھی۔

وہ بہت نزاکت و تمکنت سے چلتی ہوئی برآمدے کے ستون تک آئی۔ شیکھر مسکرا کر آگے بڑھا۔ برآمدے کے آگے تین چھوٹے سے زینے تھے، اوپر وہ ان کے آغاز پہ کھڑی تھی۔ شیکھر نے مسکرا کر اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، اس نے جوابی مسکراہٹ کے ساتھ بڑھا ہوا ہاتھ تھاما اور اسی نزاکت سے ایک ایک قدم نیچے رکھتی زینہ اتر کر لان کی گھاس پہ آ گئی۔ سرخ ساڑھی کا بے حد لمبا پلو اس کے پیچھے زینوں پہ پھسلتا ہوا گھاس پہ آن گرا۔

شیکھر ایک ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھامے بایاں بازو اس کے شانوں کے گرد حمائل کیے اسے ساتھ لے کر چلتا میز تک آیا۔

"مائی وائف، مایا فرینڈز!" ایک کہنے کے بعد وہ مایا کا ہاتھ تھامے اپنے کسی قریبی عزیز سے اس کا تعارف کرا رہا تھا اور مایا مسکراتے ہوئے شستہ انگریزی اور پھر مقامی زبان میں رسمی کلمات ادا کر رہی تھی۔

پوری تقریب میں ایک فرد سے دوسرے فرد تک جاتے بہت سے لوگوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے بھانت بھانت کی سرگوشیاں اس کی سماعتوں سے ٹکرا رہی تھیں۔

"تو یہ ہے شیکھر کی انگریز بیوی جس سے اس نے انگلستان میں شادی کی تھی؟"

"ہاں، سنا ہے اس کا تعلق برطانیہ کے شاہی خاندان سے ہے۔" "کیا واقعی؟"

"ہوگا، تب ہی تو شیکھر نے اس سے شادی کی ہے۔"

"مگر اردو اور ہندی تو اچھی بول لیتی ہے، بہت جلدی سیکھ لی۔"

"نہیں، میں نے سنا ہے اس کی نینی ہندوستانی تھی۔ اسی نے سکھائی ہے اسے۔"

وہ بہت اعتماد سے مسکراتے ہوئے شیکھر کے پہلو میں مہمانوں سے تعارف حاصل کر رہی تھی جن میں زیادہ تعداد دہلی کے امراء و روساء کی تھی، چند برطانوی بھی الگ سے کھڑے تھے۔

مایا نے آنکھیں کھول دیں۔

دہلی کی روشنیوں میں ڈوبی تقریب غائب ہو گئی۔ وہ بیلی راجپوتاں میں راجپوتوں کی حویلی کی بالائی منزل کے کمرے میں اپنے پورٹریٹ کے سامنے کھڑی تھی۔

اس نے بے اختیار موتیوں کی لڑی پہ انگلی پھیری۔ وہاں موتی تصویر کی نسبت کم تھے اور آخر میں گرہ سی لگی تھی۔ مایا کی انگلی گرہ پہ آکر تھم گئی۔ ایک مبہم مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر گئی۔

"احمق۔۔۔ گدھا۔" اس نے مسکرا کر سر جھٹکا جیسے کچھ یاد آگیا ہو۔ اسی پل دروازہ بجا۔ اس نے ہاتھ سے لڑی چھوڑ دی۔

"کون؟"

"مایا دیوی! وکیل صاحب نیچے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ ٹھاکر صاحب نے آپ کو بلا بھیجا ہے۔"

"ہوں۔ ان کو بولو میں کچھ دیر میں آتی ہوں۔" بے تاثر لہجے میں کہہ کر وہ بالوں میں پھر سے کنگھا پھیرنے لگی۔ نگاہیں آئینے میں موجود اپنے دلکش چہرے پہ جمی تھیں۔ بت سپاٹ برف سا چہرہ تھا وہ۔

پھر بت سے لمحے سرک گئے تو اس نے ساڑھی کا پلو ہاتھ سے چھوڑا اور باہر نکل آئی۔

سیڑھیوں کے آغاز پہ کھڑے ہو کر اس نے نیچے جھانکا۔ نیچے ہال کمرے میں لکڑی کے قیمتی صوفوں پہ سیاہ کوٹ میں ملبوس وکیل صاحب اور تایا رگوناتھ بیٹھے تھے۔

آہٹ تھی یا اس کی موجودگی کا کوئی فسوں کہ ان دونوں نے چونک کر سر اٹھا کے اسے دیکھا اور پھر بے اختیار کھڑے ہو گئے۔

وہ ہاتھ ریلنگ پہ رکھے پلکیں جھکائے ایک ایک زینہ نیچے اترنے لگی۔ سفید ساڑھی کا پلو چند زینے اوپر سے اس کے پیچھے پھسلتا آرہا تھا۔ لمبی ایڑی کی ٹک ٹک ایک ردھم سے خاموش فضا میں گونج رہی تھی اور وکیل صاحب دم سادھے اسے سیڑھیوں سے نیچے اترتے دیکھ رہے تھے۔

اس کے ملکوتی حسن اور سحر انگیز شخصیت کے جتنے قصے انہوں نے سنے تھے' بیلی راجپوتاں کی وہ مہارانی اس سے کہیں بڑھ کر تھی۔

"گڈ مارننگ جنٹل مین۔" نہایت اعتماد سے گردن اٹھائے وہ ان کے مقابل مخملیں صوفے پہ بیٹھ گئی۔ وہ دیوان خانہ گاؤں کے ماحول کے برعکس فرنگی طرز سے آراستہ تھا۔

"بیٹھیے۔" ٹانگ پہ ٹانگ رکھے' کہنی صوفے کے بازو پہ ٹکائے وہ اسی پر تمکنت انداز میں بولی تو وکیل صاحب جیسے ہوش میں آکر بیٹھ گئے۔ تایا رگوناتھ پہلے ہی بیٹھ چکے تھے' وکیل صاحب کو "بیٹھیے" کہنا ان کا فرض تھا کہ یہ حویلی ان کی تھی' مگر شیکھر کی اس مہارانی کی موجودگی میں وہ ہمیشہ ایسے ہی کنفیوزڈ ہو جاتے تھے۔

"آپ کاغذات لے آئے وکیل صاحب؟" وہ سوالیہ ان کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

"جی۔۔۔ جی لیڈی شیکھر۔۔۔ میں۔"

"لیڈی فرنینڈس" سنہری بال کندھے سے پیچھے کرتے اس نے تصحیح کی۔

"جی لیڈی فرنینڈس" وکیل صاحب جلدی سے بولے' پھر ایک نظر تایا رگوناتھ پہ ڈالی اور دوبارہ مایا کو دیکھا۔ وہ منتظر نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کی سنہری آنکھوں میں اتنی مقناطیسیت اور کشش تھی کہ وکیل صاحب نگاہیں جھکا کر تیزی سے بریف کیس کھول کر کاغذات نکالنے لگے۔

"شروع کریں؟" ایک فائل کا مطلوبہ صفحہ کھول کر انہوں نے ایک سوالیہ نگاہ مایا پہ ڈالی' جس نے اپنے مخصوص انداز میں سر کو جنبش دی۔ وہ فوراً سر جھکائے دوبارہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے کی غلطی دہرائے بغیر پیشہ ورانہ انداز میں پڑھنے لگے۔

"یہ وصیت ٹھاکر شیکھر راج نے اپنی موت سے چند ہفتے قبل لکھوائی تھی۔ اس کے مطابق انہوں نے اپنی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد و اثاثوں کا نگراں اور وارث اپنی بیوی مایا لیڈی مایا فرنینڈس کو قرار دیا ہے۔"

تایا رگھوناتھ کے چہرے پہ ناپسندیدگی بکھر گئی۔

"جبکہ اس حویلی میں موجود اپنا پچاس فیصد حصہ بھی انہوں نے لیڈی مایا کے نام کر دیا ہے' باقی پچاس فیصد حصہ پہلے سے ہی ٹھاکر شیکھر کے تایا ٹھاکر رگھوناتھ کے نام ہے۔"

تایا رگھوناتھ نے اب کے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"ہوں' اور کچھ؟" وہ اسی طرح ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے بیٹھی عام سے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"جی نہیں۔" وکیل صاحب نے فائل میز پہ رکھ دی۔

پل بھر کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ مایا کے چہرے پہ بلا کا اطمینان و سکون تھا' جیسے اس نے تمام فیصلے کر لیے ہوں۔

"مجھے شیکھر کی جائیداد نہیں چاہیے۔" اسی بے تاثر لہجے میں چند لمحے بعد وہ بولی تو دونوں اشخاص بری طرح چونکے۔

"میں حویلی میں اپنے نصف حصے کو ٹھاکر رگھوناتھ کے نام کرنے پہ تیار ہوں' ٹھاکر صاحب آپ کاغذی کارروائی کرلیں' جبکہ باقی جائیداد..." وہ سانس لینے کو رکی' ٹھاکر رگھوناتھ دم سادھے اس کی بات کی تکمیل کے منتظر تھے۔ "باقی جائیداد میں کسی فلاحی ادارے کے نام کرنا چاہتی ہوں' شیکھر کی بہت خواہش تھی کہ ہم دونوں مل کر کوئی ٹرسٹ یا خیراتی ادارہ قائم کریں۔ شیکھر کو تو زندگی نے مہلت نہیں دی۔" اس کی آنکھوں میں پانی تیرنے لگا۔

"مگر میں اس کی یہ خواہش پوری کرنا چاہتی ہوں۔ ٹھاکر صاحب مجھے امید ہے کہ آپ یہ جائیداد بکوانے میں میری مدد کریں گے' شکریہ۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی' ایک آنسو ٹوٹ کر چہرے پہ پھسلتا گیا۔ "آپ بیٹھیے' میں چلتی ہوں۔"

ساڑھی کا پلو دائیں ہاتھ میں سنبھالتی وہ ان کے سامنے سے گزر کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی' ریلنگ پہ ہاتھ دھرے' پہلی سیڑھی پہ قدم رکھتے ایک ثانیے کو اس نے مڑ کر انہیں دیکھا۔

"میں امید کرتی ہوں یہ سب کچھ جلد ہو جائے گا۔ میں اس مہینے واپس انگلستان جانا چاہتی ہوں۔ اب اس ملک میں شیکھر کی یادوں کے ساتھ رہنا میرے لیے کٹھن ہو گیا ہے۔ امید ہے آپ میری ذہنی حالت سمجھ سکیں گے۔"

پھر وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی گئی۔ ان دونوں کی نگاہوں نے اس کا اوپر تک تعاقب کیا' یہاں تک کہ وہ اپنے کمرے کے دروازے کے پیچھے غائب ہو گئی۔

"شیکھر اور فلاحی ادارے۔" ٹھاکر رگھوناتھ نے گہرا سانس بھرا۔ "تھا تو میرا بھتیجا مگر اس سے یہ توقع ناممکن سی لگتی ہے۔ وہ عیاش سا شخص تھا۔ پتا نہیں..." انہوں نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی۔

وکیل صاحب خاموشی سے کاغذات سمیٹنے لگے' جیسے ٹھاکر کی بے زاری کی وجہ سمجھ رہے ہوں۔

"بے چاری مایا۔" فائلیں بریف کیس میں رکھتے ہوئے انہوں نے ترحم سے سوچا۔ "اتنی خوب صورت عورت' محبت کی شادی اور محبت بھی ایسی کہ برطانوی شہزادی نے محل چھوڑ دیے' اس قبول صورت ٹھاکر شیکھر کے پیچھے اور بھرپور بھری جوانی میں بیوہ اور دل ایسا خالص کہ اتنی بڑی جائیداد سے ایک ٹکے کا لالچ نہیں۔ اتنی آسانی سے سب چھوڑ دیا' مگر جانے یہ ٹھاکر اس کو اتنی ہی آسانی سے چھوڑیں گے یا نہیں' بے چاری انگریز لڑکی کدھر پھنس گئی ہے ان راجپوتوں میں۔"

ٹھاکر رگھوناتھ اور وکیل صاحب اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔

رات کی کالی چادر میں غبار کی تہہ لگی تھی۔ شام میں ہلکے ہلکے جھکڑ چلے تھے اور پھر ہوا ساکن ہو گئی تھی۔ مگر معمولی سا گرد اب بھی فضا میں ٹھہرا تھا۔

آج مسلمانوں کا کھنڈر ہوا پرانا قبرستان بھی معمول سے زیادہ گرد آلود تھا۔ برگد کا بوڑھا درخت دکھ سے سارے میں چھائی ویرانی دیکھ رہا تھا۔ اس کی عمر رسیدہ کمزور شاخیں زمین کی جانب جھکی جھکی سی تھیں

وہاں موجود ایک سیاہ لبادے میں ملبوس ذی نفس کی کدال کچی زمین کھود رہی تھی۔ مٹی اڑ اڑ کر اوپر آتی، چغہ پوش کا لباس مٹی سے اَٹ چکا تھا۔ مگر اس کے ہاتھ تیزی سے کام کر رہے تھے۔ ایک لمحے کو رک کر اس نے کمر سیدھی کی اور چہرے پر آیا پسینہ صاف کیا۔ اس کا تنفس تیز تیز چل رہا تھا، انداز میں تھکان سی تھی۔ برگد کا بوڑھا درخت گواہ تھا کہ اس کا جسم پچھلے کئی گھنٹوں سے یہ مشقت اٹھا رہا تھا۔ اب شاید اسے تھکاوٹ ہونے لگی تھی۔

چند لمحے ستا کر اس نے پھر سے جھک کر کھودنا شروع کر دیا۔ تین، چار دفعہ کدال ہی ماری تھی کہ دور کسی کے بولنے کی آواز سناٹے کو چیرنے لگی۔

چغہ پوش نے چونک کر سر اٹھایا۔ قبرستان کے کھلے پھاٹک سے اس پار دو اشخاص باتیں کرتے چلے آ رہے تھے۔ ان کے قدموں تلے کچے راستے کی دھول اٹھ رہی تھی۔ ایک ان میں کرم دین تھا اور دوسرا اس کا چچازاد حاجی بشیر۔

کرم دین نفی میں سر ہلاتے ہوئے کسی بات پر بحث کر رہا تھا کہ یکایک کھلا پھاٹک دیکھ کر ٹھٹکا۔

”حاجی! اتنی رات گئے پھاٹک کیوں کھلا ہے۔“

بات حیرت کی بھی تھی۔ قبرستان کا یہ پھاٹک عموماً بند ہی ہوتا تھا اور اس پر ایک موٹی زنجیر اور تالا چڑھا ہوتا تھا۔

”معلوم نہیں۔“ حاجی بشیر ہچکچایا۔ ”گاؤں والے کہتے ہیں کہ عرصہ ہوا یہاں سایہ ہو گیا ہے، رات کو ادھر سے آوازیں آتی ہیں۔ جانے کتنا سچ ہے، کتنا جھوٹ۔ تالا تو عرصہ ہوا ٹوٹ چکا ہے۔“

دونوں کھلے پھاٹک کے سامنے کھڑے تھے۔

”چل او حاجی! چل کر ایک دفعہ دیکھیں تو اندر ہے کیا؟“

”رہنے دو کرم دین!“ حاجی بشیر بے اختیار ایک قدم پیچھے ہٹا۔

”ڈرتے کیوں ہو؟ گاؤں والے تو پر کا پرندہ بنا ڈالتے ہیں، ایک دفعہ دیکھیے تو سہی کہ ہے کیا۔ آواز تو ابھی مجھے بھی آ رہی ہے۔“

کرم دین نے پہل کی اور پھاٹک پار کیا۔ حاجی بشیر ہچکچاتا ہوا چند قدم پیچھے تھا۔

سامنے چند قبروں کے ایک طرف بڑا سا گڑھا تھا اور ارد گرد مٹی کی ڈھیریاں تھیں۔

”اس گڑھے میں کیا ہو سکتا ہے بھلا؟“ کرم دین سوچتا ہوا بڑھتا قریب آیا، رات کی وحشت یا قبرستان کی ہیبت اسے تھوڑا تھوڑا خوف محسوس ہوا، جسم کے رونگٹے کھڑے ہونے لگے۔

وہ دونوں آگے پیچھے چلتے گڑھے کے قریب آئے۔ کرم دین نے آیت الکرسی پڑھتے ہوئے اندر جھانکا۔ گڑھا تاریک اور خاموش تھا، بہت گہرا نہیں تھا۔ اندر ایک سیاہ سی گٹھڑی پڑی تھی، جیسے کپڑے کی گٹھڑی ہو۔

اس سے پہلے کہ کوئی جھکتا، گٹھڑی آن کی آن میں کھڑی ہو گئی اور دھول کا ایک طوفان ان کی طرف آیا۔ گرد ان کی آنکھوں میں پڑی اور وہ بے اختیار آنکھیں ملتے چیختے چلاتے پیچھے ہٹے۔ چغہ پوش نے انہیں دھکیلا اور جست لگا کر پھاٹک پار کر گیا۔

کچھ دیر بعد ہر رات کی طرح چھائے اندھیرے نے اسے نگل لیا۔

☆ ☆ ☆

”مایا دیوی!“ روپا اسے تلاش کرتی زنان خانے کے دالان تک آئی تھی۔ حویلی کے پچھواڑے اونچے ستونوں کا برآمدہ تھا، برآمدے کے آگے تین سیڑھیاں بنی تھیں، وہ سب سے اونچی سیڑھی پہ بیٹھی سامنے فضا میں جانے کیا کھوج رہی تھی، روپا کی آواز پہ آہستہ سے سر اٹھایا۔

وہ بہت اطمینان اور تحمل سے ہر کام کرتی تھی، شاید ہی کبھی روپا نے اسے چونکتے دیکھا ہو۔

”مایا دیوی! بڑے ٹھاکر آپ کو ڈرائنگ روم میں بلا رہے ہیں، داروغہ صاحب آئے ہیں جی۔“

وہ ایک لفظ کہے بنا اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے آج بھی سادہ سفید ساڑھی پہن رکھی تھی، بال فرانسیسی

طرز کی چوٹی میں مقید تھے' چوٹی کے بلوں میں کہیں کہیں سے موتی جھلک رہے تھے۔ پاؤں میں پتلی اونچی ایڑی والی نازک سی جوتی تھی' جس پہ سفید نگینے جڑے تھے۔

دیوان خانے میں اس روز جہاں وکیل صاحب بیٹھے تھے' آج اُدھر وردی میں ملبوس تھانے دار تھا' اس کے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ مایا کو دیکھ کر وہ بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔

ٹھاکر رگھوناتھ سامنے اسی صوفے پہ بیٹھے تھے' حقے کی نے منہ سے لگا رکھی تھی اور مسلسل گڑگڑا رہے تھے۔

سامنے کرسیوں پہ تھانے دار کا عملہ بیٹھا تھا' ان کے پاس قلم اور کاغذ تھے' غالباً بیانات قلمبند کرانے کا انتظام کیا گیا تھا۔

وہ سب کو جیسے نظر انداز کرتی اسی اعتماد اور بے نیازی سے چلتی تھانے دار کے مقابل صوفے پہ بیٹھ گئی۔ ٹانگ پہ ٹانگ یوں چڑھائی کہ جوتی کی نوک اوپر تھی' شاید یہ مقابل کو بتانے کا اشارہ تھا کہ وہ اس کی جوتی کی نوک پہ ہے۔

کمرے کے ایک کونے میں ایک عمر رسیدہ سپاہی بیٹھا خاموشی سے سب کو دیکھ رہا تھا' چہرے مہرے سے وہ تھانے کے عملے کا حصہ ہرگز نہ لگتا تھا' جانے کون تھا۔

"میم صاحب! آپ کو زحمت اس لیے دی کہ جیسا کہ آپ جانتی ہیں۔" تھانے دار بیٹھ گیا تھا۔ "ٹھاکر شیکھر راج کی موت آگ لگنے سے ہوئی ہے۔ پولیس کو کچھ کارروائی مکمل کرنا ہوتی ہے سو آپ لوگوں کے بیانات درکار ہوں گے' کچھ سوال پوچھے جائیں۔"

"تمہید کو چھوڑ کر سوالات شروع کریں۔"

مایا کے لہجے کا سرد پن محسوس کرکے اس نے سر ہلایا اور ٹھاکر رگھوناتھ کی جانب متوجہ ہوا۔

"مرحوم سے آپ کا کیا رشتہ تھا؟"

ٹھاکر رگھوناتھ نے حقے کی نے منہ سے ہٹائی۔ "تم تو تم جانتے ہو انسپکٹر شاہ کہ وہ میرا بھتیجا تھا۔" انداز میں ہلکی سی ناگواری تھی۔

"ٹھاکر صاحب! میرے ساتھ تعاون کیجیے۔" وہ اثر لیے بغیر ٹھنڈے انداز میں بولا۔ "مرحوم شیکھر کے سرپرست کی ذمہ داری آپ نے کب سنبھالی تھی؟"

"یہ ہی کوئی پندرہ برس ہوئے جاتے ہیں کہ میرے چھوٹے بھائی کا طویل علالت کے بعد انتقال ہو گیا' اس کی پتنی پہلے ہی داغ مفارقت دے چکی تھی' شیکھر اس وقت غالباً بائیس برس کا تھا۔"

"یعنی موت کے وقت ٹھاکر شیکھر راج کی عمر لگ بھگ سینتیس برس ہو گی۔" انسپکٹر شاہ کا ایک اپنا انداز تھا۔ تیکھا سا' پے در پے سوالات کرنے کا' بات کاٹنے کا' جانے کیوں مایا کو لگا وہ پہلے اس سے مل چکی ہے۔

"درست۔ وہ اس وقت بچہ تو تھا نہیں کہ میں اس کی نگرانی کرتا' کچھ عرصے بعد تعلیم کے لیے انگلستان چلا گیا' پیچھے سے اس کی زمین' جائیداد میں سنبھالتا تھا' اس نے گویا مجھے اپنی زمینوں کا نگراں مقرر کر رکھا تھا۔"

"اگر اسے آپ پہ اتنا اعتماد تھا تو اس نے چند سال بیشتر زمین کا بٹوارہ کیوں کرایا تھا؟ اور کچھ لوگوں سے یہ بھی کہا تھا کہ شاید اس کے ساتھ بددیانتی ہوئی ہے؟"

ٹھاکر رگھوناتھ گڑبڑا سے گئے۔ "نہیں ایسی بات نہیں تھی' پہلے شیکھر اور ہماری زمینیں مشترکہ تھیں' پھر اس نے بٹوارہ کرا لیا۔ اس میں کوئی بڑی بات نہیں ہے۔"

مایا خاموشی سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"شیکھر انگلستان سے کب واپس آیا؟"

"وہ آتا جاتا رہتا تھا' اب آخری دفعہ شادی کرکے آیا تھا۔" ٹھاکر رگھوناتھ نے ذرا کی ذرا نظر مایا پہ ڈالی' وہ اسی طرح سپاٹ سا چہرہ لیے بیٹھی تھی۔

"یہاں میں آپ کو کچھ زحمت دوں گا میم صاحب!" انسپکٹر شاہ اس کی جانب متوجہ ہوا۔ "شیکھر سے آپ کی شادی کب ہوئی؟"

"تین ماہ قبل۔"

"انگلستان میں؟"

بابا نے سر کو معمولی سی جنبش دی۔

"آپ نے اس سے شادی کیوں کی؟ آپ کی عمروں میں تقریباً سترہ سال کا فرق تو ہوگا۔"

"تیرہ سال کا۔" اس نے تصحیح کی۔ "شیکھر ایک رئیس تھا مگر دیسی رئیس۔ جیسا کہ آپ کو علم ہوگا کہ ہمارا تعلق برطانیہ کے شاہی خاندان سے ہے۔" کہتے ہوئے گردن قدرے تفاخر سے بلند ہوئی۔

"سو ظاہری بات ہے میں ایک native cheiftain سے شادی دولت کی بنا پر تو کرنے سے رہی۔ ہم میں بس ایک قدر مشترک تھی اور وہ تھی محبت، سو ہم نے شادی کر لی۔"

"شادی انگلستان میں ہوئی؟"

"جی۔"

"آپ شادی کے کتنے عرصے بعد ہندوستان آئیں؟"

"تقریباً دو ماہ بعد میں دہلی پہنچی تھی، کچھ عرصہ ادھر رہی، پھر ڈلہوزی چلے گئے۔ تقریباً تین ماہ قبل شیکھر مجھے بیلی راجپوتاں لایا تھا۔"

"آپ کی اردو بہت صاف ہے۔" انسپکٹر شاہ مسکرایا۔

"میری فارسی بھی بہت صاف ہے۔" وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اعتماد سے بات کرتی تھی یہ انداز ایسا تھا کہ وہ کہے بغیر نہ رہ سکا۔

"سنا تھا اہل فرنگ بے باک ہوتے ہیں، آج یقین بھی آ گیا ورنہ۔"

"ہماری تنظیم میں نگاہیں ملانے کو بے ادبی تسلیم کیا جاتا ہے۔"

"اور ہمارے یہاں نگاہیں جھکانے یا چرانے کو بددیانتی کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ راست گو انسان میں اتنی ہمت ہونی چاہیے کہ وہ دو ٹوک بلا خوف و خطر کہہ سکے۔"

"بجا فرمایا۔ شیکھر سے آپ کے تعلقات کیسے تھے؟ میرا مطلب ہے خوش گوار یا درمیانے؟"

"ویسے جیسے ہر خوش و خرم میاں، بیوی کے ہوتے ہیں۔"

"مثلاً کیسے؟"

"جیسے ہفتے بھر میں ایک لڑائی، دو، چار بار تلخ کلامی۔ کیوں؟ کیا آپ نے کوئی ایسا جوڑا دیکھا ہے، جس کی آپس میں لڑائی نہ ہوتی ہو؟"

"آخری بار آپ کی تلخ کلامی کس بات پر ہوئی تھی؟"

"یہ ہی کوئی پانچ روز پہلے میں نے اس سے کہا تھا کہ ہندوستان میں خاصی گندگی ہے، یہاں کے لوگ صفائی کا خیال نہیں رکھتے۔" وہ آرام سے کہے جا رہی تھی۔

"تو اس نے آگے سے کیا کہا؟"

"اس نے کہا کہ کم از کم وہ فرنگیوں سے تو بہتر ہیں، جو مہینے میں بس ایک بار غسل کرتے ہیں اور یہ کہ وہ کمپنی بہادر کے جتنے افسروں کو جانتا تھا وہ ایسے ہی تھے۔"

"یہ تو معمولی بات ہے، کبھی کوئی غیر معمولی تلخ کلامی ہوئی؟"

"جو عورت ایک شخص کی محبت میں محل چھوڑ دے اور اس گاؤں میں آن کر بس جائے، وہ کیوں غیر معمولی تلخ کلامی کرے گی؟"

انسپکٹر شاہ لاجواب سا ہو کر خاموش ہو گیا، پھر ٹھاکر دکھو ناتھ کی جانب مڑا۔

"وقوعہ کے روز شیکھر کو آخری بار آپ نے کب دیکھا تھا؟"

"صبح ناشتے پہ۔ میں ناشتے کے بعد زمینوں پہ چلا گیا، تھوڑی دیر بعد ہی نوکر بھاگتا ہوا آیا کہ مہمان خانے میں آگ لگ گئی ہے، جب تک میں پہنچا سب کچھ جل چکا تھا۔ آگ کے بجھنے تک اس کی کوئلہ صورت لاش ملی۔ اس کے قدوقامت اور گھڑی اور دیگر چیزوں سے اس کی شناخت ہوئی۔ میں نے فوراً ایک ملازم کو امرتسر بابا دیوی کو لینے بھیجا۔"

"وہ بھی ایک ... رفتار بگھی پہ اور میرے پہنچے

سے قبل ہی شیکھر کی چتا جلا دی گئی۔" وہ اتنے سرد و چبھتے ہوئے انداز میں بولی کہ انسپکٹر بری طرح چونکا تو ٹھاکروں کے مابین اختلاف ابھی تک موجود تھے؟

"موسم خراب ہو گیا تھا۔ کوئی اور کوئی حل نہیں تھا، ہم نے رات تک آپ کا انتظار کیا، مگر لاش کی حالت اتنی خراب تھی کہ چتا جلانے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔"

"مگر مجھے رام ناتھ نے نہیں بتایا کہ شیکھر مر گیا ہے، مجھے صرف یہ ہی بتایا کہ شدید ایمرجنسی ہے، شیکھر نے بلوایا ہے۔ میں دو روز پہلے امرتسر کچھ کام سے گئی تھی، پیغام سن کر جلد از جلد پہنچ گئی، مگر تب تک شیکھر کی راکھ بھی بہائی جا چکی تھی۔"

"اس ساری بات سے آپ کا کیا مطلب ہے مایا دیوی؟" انسپکٹر نے سوچتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"مطلب صاف ہے، میرے پتی کو قتل کیا گیا ہے۔"

ٹھاکر رگھوناتھ بری طرح چونکے، حقہ ایک طرف ہٹا دیا گیا۔

"شک تو مجھے بھی یہ ہی ہے، بہرحال میم صاحب! آپ کو کسی پہ کوئی شک ہے؟"

انسپکٹر کی بات پہ وہ پل بھر کو خاموش ہو گئی، پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں، لیکن میں تفتیش کا مطالبہ کرتی ہوں۔"

ٹھاکر رگھوناتھ نے بے چین ہو کر پہلو بدلا۔ مایا نے چہرہ ان کی طرف موڑا۔

"آپ کو کوئی اعتراض بڑے ٹھاکر؟" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئے اور نفی میں گردن کو جنبش دی۔

"یہ آگ نہایت پراسرار طریقے سے لگی ہے، لاش کا پوسٹ مارٹم بھی نہیں ہو سکا، لیکن ان شاء اللہ کوئی نہ کوئی سراغ مل ہی جائے گا۔ اسی لیے میں فضل الٰہی کو ساتھ لایا ہوں۔"

اس نے کونے میں بیٹھے عمر رسیدہ دیہاتی کی جانب اشارہ کیا۔ مایا نے آنکھیں سکوڑ کر اسے دیکھا۔

"یہ کون ہے؟"

"یہ کھوجی ہے۔" انسپکٹر شاہ اٹھ کھڑا ہوا، مایا نے پیروی کی۔ "میں شیکھر اور کسی ایسے شخص کے کھرے تلاشنا چاہتا ہوں، جو پرسوں صبح مہمان خانے میں آیا ہو۔"

"اب تک تو کھرے تباہ ہو چکے ہوں گے۔"

"جی نہیں، بڑے ٹھاکر نے یہ عقل مندی کی کہ لوگوں کو جائے واردات سے دور رکھا۔ کسی نہ کسی حد تک کھرے تباہ ضرور ہوئے ہوں گے مگر مجھے امید بہرحال ہے۔"

مایا اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں یہ کارروائی آپ کے ہمراہ دیکھنا چاہوں گی۔"

چند لمحے بعد وہ انسپکٹر شاہ اور کھوجی کے ساتھ کوئلہ ہوئے مہمان خانے کے سامنے کھڑی تھی۔

مہمان خانہ حویلی سے ہٹ کر بنا تھا۔ اس کی چوکھٹ کے آگے باغیچے کی گھاس تھی، وہاں کھروں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

مہمان خانے کا پچھلا دروازہ کھلا تھا۔

"میرا قیاس ہے کہ اس روز شیکھر پچھلے دروازے سے مہمان خانے میں داخل ہوا تھا۔"

"یہ کمرہ دراصل شیکھر کی لائبریری تھا، یہاں اس کی ڈھیروں کتابیں رکھی تھیں اور وہ فرصت میں ادھر وقت گزارتا تھا۔" وہ سینے پہ ہاتھ باندھے کھڑی بتا رہی تھی۔ اس کا رویہ نسبتاً بہتر تھا۔

وہ جلے ہوئے کمرے کے اندر سے ہو کر پچھلے دروازے تک آئے۔

کھوجی دروازے کی چوکھٹ پہ جھک کر دیکھنے لگا۔

"کھرے موجود ہیں، آگے سارا کچا ہے، یقیناً کھرے مل جائیں گے۔" پھر وہ جھک کر دیکھتا آگے بڑھنے لگا۔

وہ دونوں پیروی کرتے باہر آئے۔ مایا کو بھی زمین پہ مدھم سے بجھے بجھے نشانات دکھائی دیے۔

"چھوٹے ٹھاکر کا کھرا میں پہچانتا ہوں، مگر اس کے دو کھرے ہیں، شیکھر پہلے دروازے تک آیا تھا، پھر پلٹ گیا تھا، پھر دوبارہ اندر آیا، مگر وہ پلٹ کر کدھر گیا؟ کھرے شروع سے دیکھتے ہیں۔" کھوجی آگے۔

وہ دونوں کھروں سے بچتے اس کے پیچھے آئے۔

"یہ دیکھیں یہ ٹھیک کھر ٹھا کر چلتا ہوا آرہا ہے، انداز میں سستی ہے، تھکاوٹ سے آہستہ آہستہ چل رہا ہے شاید کسی گہری سوچ میں ہے۔"

کھوجی زمین پہ بیٹھا مٹے مٹے نشان دیکھ کر بول رہا تھا اس کا انداز ایسا تھا کہ جیسے سامنے پوری فلم چل رہی ہو۔

مایا نے ان نشانوں کو دیکھا اسے کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔

"تیز دیکھئے اب چوکھٹ سے چند قدم دور ٹھا کر رکا ہے اور کچھ دیر جیسے سوچ کر اس طرف پیچھے کو مڑا ہے، پہلے وہ حویلی کے اندر کے راستے سے ادھر آیا تھا اب اس طرف باہر کو جارہا ہے، تیز تیز چل رہا ہے غصے میں ہے۔"

وہ بولتے ہوئے کھروں کا پیچھا کر رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کے اندر کوئی روح گھس گئی ہو اور وہ وقت میں پیچھے جا کر لمحے امر کر رہا ہو۔

"اب وہ حویلی کے پچھلے پھاٹک تک پہنچا ہے، یہاں رک کر اس نے اپنا جوتا جھاڑا ہے۔"

"مجھے تو کچھ نظر نہیں آرہا، آپ کو کیسے علم کہ اس نے ادھر رک کر جوتا جھاڑا ہے؟" مایا بے زاری سے بولی۔

کھوجی نے سر اٹھایا، اس کے خزاں رسیدہ چہرے پہ تجربے کی لکیریں تھیں۔

"عمر گزری ہے اس کام میں بٹیا رانی! بچپن میں جو کھرے اپنے باپ کے ساتھ دیکھتا تھا وہ آج تک ذہن میں نقش ہیں۔ تمہاری انگریز سرکار کھوجیوں کی نشاندہی کو بطور ثبوت نہیں مانتی، مگر گاؤں کے ہر داروغے کو ہمارے کام کا پتا ہے، تب ہی تو آج بھی تھانے وار صاحب ہمیں بلا لیتے ہیں۔"

پھر وہ جھک کر مٹی کو غور سے دیکھنے لگا۔

"یہ اپنے کام میں پُراسرار حد تک ماہر ہوتے ہیں میم صاحب!"

اس نے شانے اچکا دیے گویا ہتھیار ڈال دیے۔

"اب ادھر وہ جوتا جھاڑ کر پھر سے چل پڑا ہے۔ حویلی کے پھاٹک کے قریب اسے کوئی ملا ہے، غالباً ملازم ہے کہ یہ تو کیلی جوتی کا کھرا میں نے پچھلی طرف بھی دیکھا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر ملازم سے بات کی ہے، پھر شاید غصے میں اسے جھاڑا ہے، ملازم سہم کر پیچھے ہو گیا ہے۔ چھوٹا ٹھا کر اب پھاٹک پار کر کے باہر نکل آیا ہے۔"

وہ حویلی سے باہر نکل آئے تھے، کھوجی کمر پہ ہاتھ رکھے سوچتی نگاہوں سے سامنے کھیتوں کو دیکھنے لگا۔

"کھیتوں کے اندر سے تو شاید کھرا نہ ملے مگر نہیں، وہ پگڈنڈی سے ادھر جارہا ہے۔ یہاں بہت سے کھرے ایک دوسرے پہ چڑھے ہوئے ہیں۔ لوگ ادھر سے گزرتے رہتے ہیں مگر مجھے دیکھنے دیجئے۔"

وہ دونوں کھیتوں کے کنارے کھڑے ہو گئے، جبکہ کھوجی پنجوں کے بل زمین پہ بیٹھا مٹی کی زبان پڑھنے لگا۔

اور پھر جب وہ یہ ہی زبان پڑھتے پڑھتے کھیتوں کے اختتام تک پہنچ گیا تو اشارے سے انہیں اپنی طرف بلایا۔

"وہ پگڈنڈی سے گزر کر اس طرف آیا ہے۔ یہاں سے آگے کھرے واضح ہیں، مگر اس کے کھروں پہ اس کا اپنا ہی کھر چڑھا ہے، مطلب چھوٹا ٹھا کر بعد میں ان ہی قدموں واپس بھی آئے گا۔"

وہ انہیں اپنے پیچھے لیے جھک کر مٹی کو دیکھتا آگے بڑھتا رہا، پھر ایک دم رک گیا۔

"داروغہ صاحب! وہ کچے راستے کی طرف مڑ گیا ہے۔"

"گاؤں کے تو سارے راستے کچے ہیں۔" مایا حیرانی سے بولی۔

"نہیں بٹیا رانی! ہم اس راستے کو بولتے ہی کچا راستہ ہیں، یہ مسلمانوں کے پرانے قبرستان کی طرف سے جاتا ہے۔ آگے چلنا ہے داروغہ جی؟" کھوجی کشمکش میں مبتلا پوچھ رہا تھا۔

"ہاں چلنا ہے۔"

"ایسا کیا ہے کہ آپ کو سوچنا پڑ رہا ہے؟" مگر دونوں نے مایا کی بات کا جواب نہیں دیا۔

"وہ کچے راستے پہ چلتا پرانے قبرستان کی طرف جا رہا ہے۔ ادھر اس سے کوئی آکر ملا ہے۔" اب کھوجی بیٹھ کر بغور نشانات کو دیکھنے لگا۔ "آنے والا اونچے قد کا مرد ہے' ڈیل ڈول اچھا ہے' اس نے ٹھاکر شیکھر سے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہے' مگر ٹھاکر پلٹ گیا ہے' پھر چند قدم واپس جا کر پھر دوبارہ نووارد کی جانب آیا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے نووارد کافی دیر ہوئی' اس کے انتظار میں ٹہلتا رہا ہے۔ اب ٹھاکر نے اس سے ہاتھ ملا لیا ہے یا گلے ملا ہے یا نووارد نے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا ہے۔ اب وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ادھر تک آئے ہیں۔"

سامنے پرانے قبرستان کا لکڑی کا خستہ حال پھاٹک تھا۔ اس کا تالا ٹوٹا ہوا تھا۔

"وہ یہاں کھڑے کافی دیر باتیں کرتے رہے ہیں' پھر دونوں میں لڑائی ہو گئی ہے' شاید ہاتھاپائی بھی ہوئی ہے۔ اب شیکھر نے مقابل کو ادھر دھکا دیا ہے اور تیز تیز چلتا واپس آیا ہے۔ انداز میں غصہ ہے۔"

یہ کہہ کر کھوجی کھڑا ہو گیا اور کپڑوں سے مٹی جھاڑی۔ "اس کے بعد تو آپ کو علم ہے کہ ٹھاکر واپس مہمان خانے میں چلا گیا تھا۔"

"ایک آخری بات فضل الٰہی! کیا یہ شخص جو اس سے ملا ہے' اس کے پیچھے مہمان خانے تک آیا ہے؟"

"کچے راستے پہ کچھ ایسے نشان ہیں جیسے کسی نے کھرے مٹا ڈالے ہوں' ہو سکتا ہے وہ پیچھے آیا ہو' مگر راستہ بدل کر۔"

"شکریہ فضل الٰہی۔"

"دلچسپ کارروائی تھی انسپکٹر صاحب! آپ اس نووارد کے کھرے کا مولڈ تیار کروالیں' اور کسی بھی قسم کی پیش رفت سے مجھے ضرور آگاہ کیجیے گا۔ میں شیکھر کے قاتلوں کو سلاخوں کے پیچھے دیکھنا چاہتی ہوں۔" وہ کہہ کر جانے لگی۔

"میم صاحب! آپ کو کسی پہ شک ہے تو بتا دیجیے۔"

"نہیں ہے۔" پھر ٹھہر کر بولی۔ "ٹھاکر گھر کا کوئی گوپال آج کل گاؤں سے باہر شکار پر گیا ہوا ہے' واپس آئے تو اس کا بیان ضرور لیجیے گا۔" یہ کہہ کر وہ تیز تیز قدموں سے کھیتوں کی جانب بڑھ گئی۔

انسپکٹر شاہ اس کی پشت پہ گرتی ساڑھی کے پلو کو دیکھتا کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

☼ ☼ ☼

کرم دین نے صدمہ سہار لیا تھا' مگر حاجی بشیر اگلے کئی روز تک بخار میں پھنکتا رہا تھا۔ گاؤں والے اس کی عیادت کے لیے آتے تو اپنے ہمراہ کئی کہانیاں دوسرے کو سنانے کے لیے لے کر پلٹتے۔

"کوئی کہتا ان کے دیکھتے ہی دیکھتے قبر شق ہوئی اور اندر سے وہ بھوت نکلا۔"

"اس کا قد دس فٹ تھا' اس نے منتر پھونک کر حاجی بشیر کو بے بس کر دیا۔"

"انہیں چت کر کے وہ خوف ناک قہقہے لگاتا آسمان پہ اڑتا چلا گیا۔"

"اس کی آنکھوں اور منہ سے لہو بہہ رہا تھا۔"

بات اپنے حجم سے کئی گنا بڑھ کر بیلی راجپوتاں کے چپے چپے تک پھیل گئی۔ حاجی بشیر تو اس کی بیوی بچوں نے مولوی سے کئی بار دم کروایا' تب وہ جا کر سنبھلا' لیکن پھر گاؤں والوں نے پرانے قبرستان کے قریب سے گزرنا بھی چھوڑ دیا' جو بات پہلے لوگ دبی دبی زبان سے کہتے تھے' اب اس کا ثبوت بھی انہیں مل چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس نے بالکونی کی جانب کھلنے والے دروازے کو دھکیلا۔ لکڑی کے دونوں پٹ چرچراہٹ کے ساتھ کھلتے چلے گئے۔ چمکیلی تیز دھوپ اس سے لپٹنے لگی۔ ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنائے' پلکیں سکوڑ کر ادھر ادھر کا جائزہ لیتی باہر بالکونی میں آگئی۔

بیلی راجپوتاں پہ جاتی سرما کی چمکیلی دوپہر اتری

تھی۔ بالکونی سے دور دور تک پھیلا گاؤں دکھائی دے رہا تھا۔

ایسے منڈیر پہ ترچھی بیٹھی، زرد دیوار سے سر ٹکائے وہ کسی مصور کا خوب صورت پورٹریٹ لگ رہی تھی۔ چہرہ اب بھی برف سا تھا، بالکل بے تاثر اور بھوری آنکھوں میں چمکیلی دھوپ کا عکس اتر آیا تھا۔ اکٹھے کر کے گردن کے دائیں جانب آگے کو ڈال لیے تھے۔ وہ بہت خاموشی سے دور پھیلے کھیتوں کو دیکھ رہی تھی۔

تب ہی ملازمہ روپ وتی اس کے لیے چاندی کی طشتری میں تازہ پھلوں کے رس سے بھرا گلاس لے آئی۔

وہ گلاس تھامے گھونٹ گھونٹ رس پیتی رہی۔ نگاہیں دور کھیتوں پہ تھیں۔

"جانے کس نے جادو ٹونا کر دیا ہے اس حویلی پہ۔" اس کو خاموش پا کر روپ وتی وہیں دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی کہنے لگی۔ "چند ماہ پہلے کی ہی تو بات ہے جب چھوٹے ٹھاکر آپ کو لے کر پہلی دفعہ حویلی آئے تھے، کتنا جشن منایا تھا، کیسا چراغاں کیا تھا بڑے ٹھاکر نے، پورا گاؤں سج گیا تھا، اتنی دعوتیں کی تھیں ٹھاکروں نے، ہائے بھگوان۔۔۔ بس ایک دن کے لیے آپ امرتسر گئیں اور پیچھے سے مہمان خانے میں آگ لگ گئی۔ چھوٹے ٹھاکر کی تو لاش پہچانی بھی نہیں جا رہی تھی۔ بس انگوٹھی اور گھڑی سے پہچانا، ورنہ چہرہ تو بالکل ہی۔"

"شیکھر صبح اس مہمان خانے میں کیوں گیا تھا؟" اس کی بات کاٹ کر مایا نے پوچھا، وہ ابھی تک باہر دیکھ رہی تھی۔ "مجھے کسی نے اس سوال کا تسلی بخش جواب نہیں دیا۔"

"مجھے تو علم بھی نہیں تھا کہ وہ ادھر گئے ہیں، جانے کس وقت گئے تھے۔ میں نے تو انہیں شام میں آخری بار دیکھا تھا، کچے راستے پہ۔"

"کچا راستہ؟ کون سا کچا راستہ؟" مایا نے گردن پھیر کر استفسار [illegible] اس کے لیے نئی تھی۔

"وہ جو مسلمانوں کے پرانے قبرستان کی طرف جاتا ہے، وہ والا راستہ میم صاحب!"

"مسلمانوں کے پرانے قبرستان کی طرف؟" مایا نے حیرت سے دہرایا۔ "شیکھر کا مسلمانوں کے قبرستان میں کیا کام تھا۔"

"بھگوان جانے میم صاحب! میں نے تو آخری دفعہ انہیں ادھر ہی دیکھا تھا، جب میں اپنی موسی کے گھر سے واپس آ رہی تھی۔"

"کیسے اتنی اچانک سے ہو گیا یہ سب کچھ۔" مایا زیر لب بڑبڑائی۔ "میں بس ایک روز کے لیے امرتسر گئی اور واپس آئی تو شیکھر کی چتا تیار رکھی تھی۔ مجھے تو کسی نے اس کا چہرہ بھی نہیں دیکھنے دیا۔ بس ایک روز میں اتنا کچھ جیسے موت اس کے تعاقب میں بیٹھی تھی۔"

مایا کو بے اختیار یاد آ گیا، وہ دن جب وہ پہلی دفعہ حویلی میں آئی تھی۔

روشنیوں اور دیوں سے چراغاں کیا گیا تھا، پوری حویلی کسی دلہن کی طرح سجی ہوئی تھی۔ جب وہ اور شیکھر اپنی موٹر سے اترے تو ٹھاکر رگھو ناتھ ان کے استقبال کے لیے دروازے پہ کھڑے تھے۔

"مایا ڈارلنگ! یہ میرے تایا ٹھاکر رگھو ناتھ ہیں، میری تائی کا کئی برس ہوئے انتقال ہو چکا ہے، ان کا ایک ہی بیٹا ہے گوپال جو کہ۔۔۔" اس کا تعارف کراتے کراتے شیکھر نے رک کر سوالیہ نگاہوں سے ٹھاکر رگھو ناتھ کا چہرہ دیکھا، جنہوں نے جلدی سے وضاحت کی۔

"وہ دوستوں کے ساتھ شکار پہ نکلا ہے، صبح تک آجائے گا۔"

"اوکے۔ بہر حال مایا ڈیر! تایا ہی میری کُل فیملی ہیں، انہوں نے مجھے ماں اور باپ دونوں بن کر پالا ہے۔"

اور رات کو اپنے کمرے میں اس کے قریب بیڈ پہ بیٹھے شیکھر نے اسے بتایا تھا۔

"یہ خبیث بڈھا شروع سے ہی میری جائیداد کے پیچھے ہے اور اس کا وہ کمینہ بیٹا ان دونوں کا بس چلے تو شیکھر کو گولی مار کر اس کی ساری پراپرٹی ہتھیالیں۔"

اور مایا نے جھٹ سے اس کے لبوں پہ ہاتھ رکھ دیا اور شیکھر نے وہ ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا تھا۔

اس نے سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ روپ وتی ابھی تک اس کے سر پہ سوار کچھ کیے جارہی تھی۔ مایا پھر سے دور فصلوں کو دیکھنے لگی جہاں کھیتوں کے درمیان ہی پگڈنڈی پہ ایک لڑکی چلتی آرہی تھی۔

بالوں کا جھولتا پراندہ گردن میں لاپروائی سے پڑا دوپٹہ اور ہاتھ میں پکڑا بھٹہ جسے وہ چلتے ہوئے ساتھ ساتھ کھاتی جارہی تھی۔

پگڈنڈی سے اتر کر اب وہ حویلی کے سامنے والے راستے سے گزر رہی تھی۔ فاصلہ کم ہونے کے باعث مایا اس کا چہرہ بغیر کسی دقت کے دیکھ سکتی تھی۔

گندمی رنگت' تیکھے نقوش' مغروری بڑی بڑی آنکھیں' وہ بلاشبہ بہت خوب صورت تھی' اتنی جتنی پنجاب کے کسی گاؤں کی کوئی الڑھ مٹیار ہو سکتی تھی۔

"یہ زہرہ ملکوں کی دھی۔" روپ وتی نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "سارے گاؤں میں اس جیسی سندر لڑکی کوئی نہیں ہے۔"

وہ بلاارادہ اس لڑکی کو دیکھے گئی۔ وہ خوب صورت بھی تھی اور کم سن بھی' تقریباً سترہ' اٹھارہ برس کی۔ اب وہ لاپروائی سے بھٹہ کھاتی حویلی کے بالکل قریب سے گزر رہی تھی۔

دفعتاً کچی سڑک پر سے دھول اڑاتی جیپ راستہ بدل کر اس کے سامنے آئی۔ لڑکی ہڑبڑا کر پیچھے ہوئی۔

جیپ رک چکی تھی۔ اس میں چار افراد بیٹھے تھے۔ ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھے شخص کو وہ جیپ کی کھلی چھت کے باعث بخوبی پہچان گئی تھی۔

وہ ٹھاکر رگھوناتھ کا بیٹا گوپال تھا۔ شیکھر کا تایا زاد بھائی۔

"کے۔۔ راستہ کیوں روکا ہے؟" لڑکی بھٹہ ایک طرف پھینک کر ماتھے پہ تیوری ڈالے غصے سے پوچھ رہی تھی۔

جواب میں گوپال اور اس کے دوست ایک ساتھ اس پہ فقرے کسنے لگے۔ ان کا لہجہ دیہی پن سے بھرا تھا' مایا کو الفاظ سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔

"میرے ساتھ زبان سنبھال کر بات کرو۔" لڑکی ہاتھ کمر پہ رکھے تیزی سے بولی۔ "میں بدر غازان کی منگ ہوں' میرے ساتھ بدتمیزی کی تو لاش بھی نہیں ملے گی تمہاری۔"

آن کی آن میں گوپال کے چہرے کا رنگ متغیر ہوا۔ اس نے جیپ اسٹارٹ کی اور اسے موڑ کر آگے لے گیا۔ لڑکی نے فاتحانہ انداز میں دھول اڑاتی دور جاتی جیپ کو دیکھا اور استہزائیہ سر جھٹک کر کچھ زیر لب بڑبڑائی۔

"روپا دیوی' جاؤ اس کو میرے پاس لے کر آؤ۔" مایا نے تحکم سے کہا اور چند لمحوں بعد وہ لڑکی روپ وتی کے عقب میں اس کے کمرے سے ہو کر بالکونی میں داخل ہوئی۔

مایا ابھی تک منڈیر پہ ترچھی بیٹھی کھیتوں کو دیکھ رہی تھی' آہٹ پہ اپنی راج ہنس سی گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" اس کے لہجے میں ٹھاکرائنوں کی سی رعونت در آئی تھی۔

"زہرہ جی' زہرہ بتول۔" وہ ویسی ہی لاپروائی سے کھڑی تھی' مگر نگاہوں میں راجپوتوں کی گوری بہو کے لیے بے پناہ ستائش تھی۔ "آپ ٹھاکر شیکھر کی بیوہ ہو؟"

مایا نے اثبات میں سر ہلایا' اور ایک بے نیاز سی نگاہ سے زہرہ کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔

"بڑا افسوس ہوا جی ٹھاکر شیکھر کی موت کا کچھ پتا چلا آگ کیسے لگی تھی؟" زہرہ منہ زور اور نڈر ہونے کے ساتھ ساتھ پراعتماد بھی تھی۔

"تم بتاؤ آگ کیسے لگی تھی؟ تمہیں کچھ پتا چلا؟" مایا

خاموشی سے اس کی بات سننے کے بعد ٹھنڈے لہجے میں بولی۔

"نہیں۔۔۔ جی۔۔۔ وہ۔۔۔ پتا نہیں جی۔" پٹر پٹر بولنے والی زہرہ گڑبڑا کر خاموش ہو گئی۔ منڈیر پہ بیٹھی اس مہارانی کے سامنے بولنا اب اسے قدرے مشکل لگ رہا تھا۔

"گوپال تم سے کیا کہہ رہا تھا؟" وہی بے تاثر بغیر تجسس لیے لہجہ۔

"کہنا کیا ہے جی۔" زہرہ کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔ "جہاں اکیلی لڑکی دیکھی، کتوں کی طرح بھونکنے لگ جاتے ہیں ٹھاکروں کے لڑکے۔"

روپ وتی نے گھبرا کر زہرہ کو دیکھا جو ٹھاکروں کی حویلی میں ہی شروع ہو چکی تھی۔

"تو کتوں کو خاموش کرانا تم نے کہاں سے سیکھا، اس اکیلی لڑکی نے؟" اس کا لہجہ ابھی تک کسی بھی قسم کے جذبات سے عاری تھا۔

"میں نے بھی کہہ دیا کہ میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھنا میں بدر عازان کی منگ ہوں۔ بس بدر کے نام سے تو جان جاتی ہے ٹھاکروں کے لڑکوں کی۔" اس کے لہجے میں فخر تھا۔

"ہوں۔" ماہا گہری سانس بھر کر گردن موڑے پھر سے کھیتوں کو دیکھنے لگی، جیسے پیچھے موجود ان دو نفوس سے اسے کوئی دلچسپی نہ ہو۔ "میں جاؤں جی؟"

ماہا نے گردن پھیرے بغیر "ہاں" کہہ دیا تو زہرہ چلی گئی۔ جاتے جاتے وہ کچھ کنفیوزڈ سی تھی، شاید اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ٹھاکرانی نے اسے کیوں بلوایا تھا۔

ان کے جانے کے کتنی ہی دیر بعد گوپال کی جیپ حویلی کے کھلے گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ وہ ابھی تک منڈیر پہ بیٹھی کھیتوں کو دیکھ رہی تھی۔ گوپال کو دیکھ کر اسے چند روز پرانی وہ شام یاد آ گئی، جب وہ اس سے پہلی دفعہ حویلی میں ملی تھی۔

یہ اس کا بیلی راجپوتاں میں دوسرا روز تھا۔ وہ شیکھر کے ساتھ برآمدے میں بیٹھی شام کی چائے پی رہی تھی، جب اس نے ایک اونچے لمبے تیس پینتیس برس کے شخص کو جیپ سے نکل کر سامنے کمروں کی جانب جاتے دیکھا۔ اس کی چال میں واضح لڑکھڑاہٹ تھی جیسے وہ نشے میں ہو۔

"یہ کون ہے؟" ماہا نے شیکھر کا ہاتھ ہلایا۔ وہ بیٹھا کوئی فائل دیکھ رہا تھا، متوجہ کرنے پہ گردن موڑ کر ایک نظر پیچھے دیکھا۔

"مائی کزن! گوپال راج۔" شیکھر نے سر جھٹکتے ہوئے پھر سے فائل کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"شاید نشے میں ہے۔" ماہا نے چائے کی پیالی میز پہ رکھ دی۔ گوپال اب اندر جا چکا تھا۔ اس نے اگر شیکھر کو دیکھا بھی تھا تو ملنے کی یا بات کرنے کی سعی نہیں کی تھی۔

ماہا گھونٹ بھرتی اس تناؤ کو محسوس کرتی رہی جو شیکھر اور تایا رگھوناتھ کے درمیان ہمیشہ سے موجود تھا۔

شام کی سرد ہوا کا تیز جھونکا آیا تو وہ چونکی اور منڈیر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اندھیرا پھیلنے لگا تھا، سورج جانے کب کا ڈوب چکا تھا۔ وہ ساڑھی کا پلو ہاتھ سے سنبھالے اندر کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

چاچی باورچی خانے میں بیٹھی سبزی کاٹ رہی تھی، زہرہ ادھر ادھر سے اسے آوازیں دیتی باورچی خانے کے دروازے تک آئی۔

"چاچی، بدر کہاں ہے؟"

"کل سے شہر گیا ہوا ہے، کیوں خیریت میری دھی؟" چاچی ہاتھ روک کر پوچھنے لگی۔ زہرہ کو مخاطب کرتے ہوئے اس کے لہجے میں پیار سمٹ آتا تھا۔

"خیریت نہیں ہے۔" وہ ننھی سی دھپ سے چوکی کھینچ کر اس کے ساتھ آن بیٹھی۔

"کسی نے کچھ کہہ دیا ہے کیا؟"

"تایا، یہ ٹھاکروں کے لڑکوں کو مسئلہ کیا ہے؟" وہ بھی سبزی اٹھا کر کھانے لگی۔

چاچی نے چھری رکھ دی۔ "کسی نے کچھ کہا ہے تجھے؟"

"آہو۔ ٹھاکر گوپال ہے نا! اس نے اپنی موٹر سے میرا راستہ روکا۔"

"پھر؟" چاچی پریشان ہو گئی۔

"میں نے بھی بدر کے نام کی دھمکی دے دی' ایسے بھاگا کہ بس!" وہ مزہ لے کر کھلکھلائی' پھر کسی خیال کے تحت پوچھنے لگی "ویسے بدر کب آئے گا؟ بتاؤں تو سہی اسے' وہ خود ہی نمٹ لے گا۔"

"پاگل مت بن زہرہ! گوپال دبک گیا بس اتنا ٹھیک ہے' اب بدر کو نہ بتانا میری دھی' تجھے اس کے غصے کا پتا تو ہے' خوامخواہ بات بڑھے گی۔"

"پر چاچی' بدر ایک دفعہ اس کی طبیعت تو ٹھیک کرے نا۔" وہ منمنائی۔

"ارے جھلی' ہر بات گھر کے مردوں کو بتانے کی نہیں ہوتی' ورنہ خون خرابا ہو جائے گا اور تجھے کتنی دفعہ کہا ہے یوں اکیلی نہ لور لور پھرا کر' اب تو بڑی ہو گئی ہے۔ خیال کیا کر۔" چاچی نے ڈپٹ دیا۔

"اچھا۔" وہ خفا سی ہو گئی' پھر ایک دم جوش سے بولی۔ "چاچی' تو نے ٹھاکر شیکھر کی گوری میم دیکھی ہے؟ راجپوتوں کی نئی ٹھاکرانی؟"

"ٹھاکر شیکھر کی بیوہ؟ نہیں' ان سے کون سے تعلقات ہیں جب۔" چاچی سر جھٹک کر سبزی کاٹنے لگی۔

"مجھے روپ وتی نے آج کہا کہ تمہیں مہارانی بلا رہی ہے' تو میں راجپوتوں کی حویلی چلی گئی۔"

"زہرہ!" چاچی دنگ رہ گئی۔ "تو راجپوتوں کی حویلی چلی گئی؟ بدر کو علم ہوا تو جانتی ہے کیا ہو گا؟"

"اور بدر کو کیسے علم ہو گا؟" وہ ہنس دی۔ "پر چاچی' وہ بہت شان والی ہے۔"

"شیکھر کی بیوہ؟ کیا بہت حسین ہے؟"

"حسین تو پتا نہیں' مگر... مگر..." زہرہ کو جیسے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ "بس میں تجھے کیا بتاؤں چاچی' وہ بہت شان والی ہے' بالکل جیسے مہارانیاں ہوتی ہیں' اتنی خوب صورت نہیں ہے' مگر بالکل مہارانی لگتی ہے' آنکھ نہیں ملائی جاتی اس سے۔"

پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "چاچی بدر آئے تو مجھے بتانا' مجھے کام ہے اس سے۔"

"ہاں پتا ہے مجھے کیا کام ہے تجھے؟" چاچی ہنس دی تو وہ جھینپ کر وہاں سے بھاگ گئی' مگر بھاگنے سے پہلے چاچی نے زہرہ کے چہرے پہ بکھرے دھنک رنگ دیکھ لیے تھے۔

☼ ☼ ☼

گھاس شبنم کے قطروں سے لدی تھی۔ وہ ان قطروں پہ اپنے پیلے پاؤں رکھتی کیاری کی طرف چلی آئی جہاں بڑے بڑے تازہ سرخ گلاب لگے تھے۔ سامنے گھاس پہ سرخ پتیاں بکھری تھیں۔ شاید کوئی باسی گلاب ٹوٹ کر گرا تھا اور ہوا نے اس کی پتیاں بکھیر دی تھیں۔

مایا وہیں کیاری کے قریب جھک کر پتیاں چننے لگی۔

دور باغیچے کے آغاز پہ کوئی تیزی سے چلتا برآمدے کی جانب بڑھ رہا تھا' اسے دیکھ کر جیسے ٹھٹک کر رک گیا۔

تازہ سرخ گلابوں کے قریب گھاس پہ ننگے پاؤں بیٹھی لڑکی سر جھکائے پتیاں چن کر اپنی گود میں بھر رہی تھی۔ وہ گلابی رنگ کی پاؤں تک آتی نائٹی میں ملبوس تھی اور شہد رنگ بال شانوں پہ بکھرے تھے۔

ٹھاکر گوپال راج اندر جانے کا ارادہ ترک کر کے گھاس پہ آ گیا۔ بھاری جوتوں تلے نرم گھاس دبتی کچلتی گئی' مگر مایا اسی طرح مگن کیاری سے پھول توڑ کر گود میں ڈال رہی تھی۔

وہ اس کے بالکل سامنے آ گیا۔

"گلاب پسند ہیں آپ کو' مایا دیوی؟"

"سب کو ہوتے ہیں۔" وہ بغیر چونکے' اسی اطمینان سے گود میں رکھے پھولوں کی ٹہنیاں برابر کرتی رہی' سر اٹھا کر بھی اسے نہ دیکھا۔

جانے کیسی بے نیازی اور غرور تھا اس چند قدم کے

بیٹھی لڑکی کے اندر کہ گوپال کچھ کہہ نہ سکا۔ وہ حسین تھی، مگر گوپال نے اس سے کہیں زیادہ حسین عورتیں دیکھی تھیں۔ یہ بھی نہیں تھا کہ وہ گوری میم تھی، گوپال نے بہت سی میمیں، پھیکے شلجم جیسی گوریاں دیکھ رکھی تھیں۔ یہ حسن نہیں تھا جو اس عورت کو دوسروں سے بالکل ممتاز بناتا تھا، یہ ایک سحر، کشش اور تمکنت تھی جو گوپال راج نے زندگی میں پہلی دفعہ کسی عورت میں دیکھی تھی۔

"آپ... آپ انگلستان واپس جا رہی ہیں؟"

"نہ جاؤں؟" اس نے گلدستہ بناتے بناتے رک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"نہیں تو... ہاں مگر۔"

وہ کوئی وضاحت دیے بغیر سر جھکائے گلدستے کی جانب متوجہ ہو چکی تھی۔

"آپ... شیکھر کی تمام جائیداد بیچنا چاہتی ہیں؟" گفتگو شروع کرنے کی ایک اور کوشش۔

"ہاں۔"

"اس سلسلے میں پتا جی آپ کی مدد کر سکتے ہیں۔"

"وہ کر رہے ہیں۔" ایک لمبی ٹہنی کو موڑ کر گلدستے کے گرد باندھا۔

"اوہ اچھا۔" وہ شرمندگی چھپانے کو کھوکھلی سی ہنسی ہنسا۔ "آپ کی اور شیکھر کی پسند کی شادی تھی؟"

"ہوں۔"

"آپ دونوں ساتھ بہت خوش تھے، کسی کے گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اتنی جلدی ہم سے جدا ہو جائے گا۔"

وہ گلدستہ بنا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ گود سے بہت سی پتیاں گھاس پہ آن گریں۔ وہ کیاری سے کھڑے کھڑے جھک کر کچھ پتے توڑنے لگی۔

"آپ واپس انگلستان جا کر کیا کریں گی؟"

"یہ بدر غازان کون ہے؟" پتے توڑ کر گلدستے کو سجاتے اس نے پوچھا۔

گوپال اس حملے کے لیے تیار نہیں تھا، یہ سوال اس کے لیے قطعاً "غیر متوقع تھا۔

"جی... ؟ بدر غازان؟ آپ کو کس نے بتایا؟"

"کل جس لڑکی کو آپ حویلی کے باہر چھیڑ رہے تھے اس نے بدر غازان کے نام کی ہی دھمکی دی تھی نا آپ کو۔"

گوپال کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

"کون ہے یہ بدر غازان؟" وہ نگاہیں گلدستے پر جمائے اسے بڑے بڑے سبز پتوں سے سجا رہی تھی۔

"مُسلا ہے، اور کچھ نہیں۔" کوئی موٹی گالی لبوں پہ روک کر، بس اتنا کہہ کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں سے چلا گیا۔

مایا نے اطمینان سے گلدستہ مکمل کیا، گھاس پہ گری پتیاں چن کر کیاری میں ڈالیں اور شبنم کے نرم قطروں پہ پاؤں رکھتی باغ سے باہر آگئی۔ کنارے پہ رکھی اپنی جوتی پہنی اور ہاتھ سے بال سنوارتے ہوئے حویلی کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئی۔

روپ وتی کو اس وقت یقیناً "رسوئی" میں ہونا چاہیے تھا، وہ کچھ سوچ کر ہال کمرے سے دائیں جانب ہولی۔ چند راہداریاں عبور کر کے وہ رسوئی کی چوکھٹ میں کھڑی تھی۔

"روپا دیوی۔" اس نے ہلکا سا دروازہ بجایا۔

ناشتہ بناتی روپ وتی چونک کر پیچھے مڑی۔ بیچ چوکھٹ میں گلابی نائٹی پہنے، ہاتھ میں گلدستہ لیے مایا کھڑی تھی۔

"مہارانی جی، آپ؟ خیریت؟" روپا ہاتھ دھو کر، ساڑھی کے پلو سے خشک کرتی اس تک آئی۔

"مجھے باہر جانا ہے، میرے ساتھ چلو۔"

"ناشتہ کر کے یا......؟"

"نہیں میں بس......" مایا نے ایک نظر اپنے شب خوابی کے لباس کو دیکھا۔ "لباس تبدیل کر لوں۔"

"جانا کدھر ہے، جی؟"

"زہرہ کے گھر، جو کل آئی تھی۔" کہہ کر وہ گلدستہ ہاتھ میں لیے واپس راہداری میں مڑ گئی۔

"ایں؟ زہرہ کے گھر؟" روپا حیران پریشان کھڑی رہی۔ یہ نئی مہارانی بھی ایک معمہ تھی۔

چند منٹ بعد وہ لباس تبدیل کر کے پھر سے رسوئی کے دروازے پہ کھڑی تھی۔

"چلو۔" تحکم سے کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی۔

سفید لانگ اسکرٹ ہلکا گلابی بلاؤز اور شانوں پہ سفید رنگ کی چھوٹی سی اسٹول پھیلائے، وہ بہت بے نیازی سے چل رہی تھی۔

زہرہ کے گھر جانے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ وہ وہیں [illegible] کھیتوں کے اس طرف اپنی کسی سہیلی کے ہمراہ ٹہلتی [illegible] گئی۔

اس کا تعلق اونچے گھرانے سے تھا، گاؤں میں مسلمانوں کے اونچے گھرانوں کی جوان بیٹیاں یوں نہیں پھرا کرتی تھیں، مگر زہرہ کو اس کی کم سنی اور غالباً "لاڈلی" ہونے کے باعث خاصی رعایت مل جاتی تھی۔

"مایا دیوی ... آپ۔" وہ سہیلی کو چھوڑ کر ان کی طرف آگئی۔

"ہاں زہرہ! مہارانی جی تم سے ہی ملنے آ رہی تھیں۔"

"یہ تمہارے لیے۔" مایا نے گلدستہ اس کی جانب بڑھایا۔ "کل میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی، سو تم سے ٹھیک سے بات نہیں کر سکی۔"

کل کی [illegible] آج مایا کے چہرے پہ دوستانہ مسکراہٹ تھی، پھر بھی انداز میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ اپنی عادت کے برعکس اس سے بے تکلف ہونے کی کوشش نہ کر سکی۔

"شکریہ مہارانی جی۔" اس نے جوابی مسکراہٹ کے ساتھ گلدستہ قبول کیا۔

"تم اچھی بہادر لڑکی ہو۔" وہ دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگیں۔ روپا ان سے چند قدم پیچھے تھی۔

"بننا پڑتا ہے جی! ٹھاکروں کے لڑکے ورنہ جینے نہیں دیتے۔"

سورج نکل چکا تھا اور نرم گرم دھوپ سے اس کے سنہرے مائل شندر رنگ بال چمکنے لگے تھے۔

"شیکھر کیسا لگتا تھا تمہیں؟"

"ان کے بارے میں گاؤں والے زیادہ جانتے نہیں ہیں۔ وہ بچپن سے ہی تعلیم کے لیے دہلی چلے گئے تھے، پھر کاروبار کے بعد یا تو دہلی ہوتے یا ولایت، ہم لوگوں تو بھی کبھار ہی آتے تھے۔"

"اور یہ بدر غازان کون ہے؟"

زہرہ کے چہرے پہ دھنک کے سارے رنگ بکھر گئے۔ مایا نے بہت غور سے انہیں دیکھا تھا۔

"میرے چچا کا بیٹا۔ میرے ماں باپ کے بعد میرے چچا، چاچی نے ہی مجھے پالا ہے۔" وہ سر جھکائے مسکراتے ہوئے بتا رہی تھی۔

وہ چلتے چلتے کچے راستے پہ دور نکل آئی تھیں۔

"بدر کرتا کیا ہے؟"

"وہ شہر سے پڑھ کر آیا ہے، اب تو باپ دادا کی زمینیں سنبھالتا ہے۔"

"کیا [illegible] راجپوتوں کے سارے زمین داروں سے ٹھاکر گوپال اسی طرح ڈرتا ہے؟" مایا کا لہجہ ٹھنڈا تھا۔

"ہمارا خاندان گاؤں کا واحد مسلم خاندان ہے، ہماری زمینیں راجپوتوں سے زیادہ نہیں ہیں تو کم بھی نہیں ہوں گی۔ پہلے یہ لوگ بات بات پہ ہندو مسلم فسادات بھڑکا دیتے تھے مگر اب کئی برس سے کوئی فساد نہیں ہوا۔ یہ بدر سے ڈرتے ہیں، جانتے ہیں اس کے پاس طاقت بھی ہے اور اثر و رسوخ بھی۔"

"بس اسی لیے ڈرتے ہیں؟"

"تو آخر ہے کوئی اس پورے گاؤں میں بدر جیسا؟" اپنے پراندے سے کھیلتی وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی کہ ایک دم رک گئی۔ "ادھر نہ جائیں مایا دیوی۔"

وہ جوان کے ساتھ چلتے چلتے اس کچے راستے پہ کافی آگے تک آ گئی تھی، ٹھٹک کر رک گئی۔

"مگر کیوں؟ ادھر کیا ہے؟" اس نے حیرت سے کچے راستے کو دیکھا اور پھر روپ وتی اور زہرہ کے چہروں پہ چھائے خوف کو۔

"مہارانی جی، یہ راستہ پرانے قبرستان کو جاتا ہے، وہاں ... وہاں سایہ ہے جی۔" روپ وتی کی آواز میں خوف در آیا تھا۔

"سایہ؟ کس چیز کا سایہ؟"

"بھوت کا سایہ، کوئی بھٹکی ہوئی آتما ہے جی۔"

"کیا بات کر رہی ہو روپا!" مایا نے ناگواری سے سر جھٹکا۔

"روپا دیوی ٹھیک کہہ رہی ہے ٹھاکرنی جی! پرانے قبرستان میں سایہ ہے۔ لوگ اب اس کے قریب سے بھی نہیں گزرتے۔"

"بلکہ اس دن تو اچھو کمہار نے خود اس بھوت کو دیکھا ہے، سیاہ چغہ پہن رکھا تھا اور قبرستان کے آس پاس چکر کاٹ رہا تھا۔ تین روز تک اچھو کمہار کو بخار رہا۔"

"اور گاؤں والے کہتے ہیں کہ روز رات کو سیاہ چغے میں ملبوس ایک لمبا سا بھوت پرانے قبرستان میں آتا ہے اور پھر ایسی آوازیں آتی ہیں جیسے وہ کچھ کھود رہا ہو۔"

"گاؤں والوں نے کبھی اس کا پیچھا کرنے کی کوشش کی؟" مایا کو ابھی تک یقین نہ تھا۔

"نہ جی توبہ کریں۔ ہوائی چیزوں کا بھی پیچھا کیا جاتا ہے کیا؟" روپا نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"اور ٹھاکرنی جی! کسی نے آج تک اسے آتے جاتے نہیں دیکھا، کسی قبر سے اٹھتا ہے وہ شاید۔"

"شاید۔" اس نے طنزاً دہرایا۔ "ہوگا کوئی عامل بابا کوئی چلہ وغیرہ کر رہا ہوگا، تم گاؤں والے بھی نا۔"

"بدر بھی یہی کہتا ہے۔" زہرہ نے تاسف سے جھٹکا جیسے مایا اور بدر، دونوں کی عقل پہ ماتم کر رہی ہو۔

"کیا کہتا ہے وہ؟" بلا ارادہ بھی وہ متوجہ ہوگئی۔

"یہی کہ یہ گاؤں کا ہی کوئی بندہ ہے کسی واردات میں ملوث، یقیناً کسی کو قتل کر کے دبایا ہوگا اور اب لاش ڈھونڈ رہا ہے۔"

"بہت معقول آدمی ہے تمہارا تایا زاد ملوانا مجھے کبھی اس سے ابھی تو چلو تمہارا وہ قبرستان دیکھتے ہیں۔"

روپ وتی اور زہرہ روکتی رہ گئیں مگر بیلی راجپوتاں کی وہ مہارانی کہاں کسی کی سنا کرتی تھی۔

قبرستان کی چار فٹ اونچی چار دیواری کچی تھی۔ داخلے کے لیے ایک لکڑی کا خستہ حال پھاٹک تھا۔

وہ پھاٹک کھول کر اندر چلی آئی۔

قبرستان بہت قدیم تھا جیسے کوئی صدیوں پرانا کھنڈر ہو۔ اس کا احاطہ کافی وسیع تھا۔ کونے میں برگد کا ایک بوڑھا درخت کھڑا تھا، جس کی جھکی شاخیں اور قبرستان کی پراسرار فضائیں اس بیلی راجپوتاں کے بھوت کی گواہ تھیں، جس نے پورے گاؤں کو متوحش کر رکھا تھا۔

وہاں کی خاموش فضا بہت پراسرار تھی، اپنے اندر بہت سے صدیوں پرانے راز دفن کیے۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہاں سفید لبادے اوڑھے ان دیکھی روحیں بھٹکتی پھر رہی ہوں۔ بالکل ان کے آس پاس۔

"تو ادھر آتا ہے وہ بھوت؟" سینے پہ ہاتھ باندھے وہ طائرانہ نگاہوں سے ارد گرد کا جائزہ لے رہی تھی۔

"چلیے مہارانی جی! مجھے تو وحشت ہو رہی ہے۔"

وہ دونوں مارے باندھے اس کے پیچھے آئی تھیں اور اب خوف سے روپ وتی کا برا حال تھا۔

"کیا خیال ہے، رات تک انتظار نہ کریں؟ میں اس سورما کو دیکھنا چاہتی ہوں جو معصوم لوگوں کو جانے کتنے عرصے سے ڈرا رہا ہے۔"

"بھگوان نہ کرے جو ہم رات ادھر بسر کریں۔ چلیے مہارانی جی، بڑے ٹھاکر کو علم ہوا تو بہت خفا ہوں گے۔"

"کیوں؟" مایا تیزی سے پلٹی۔ "تمہارے بڑے ٹھاکر کو میرے گاؤں میں چلنے پھرنے پر بھی اعتراض ہے؟ میرا گھر برباد ہو گیا، میرا پتی مجھ سے چھن گیا، اس کا آخری بار منہ نہیں دیکھنے دیا مجھے کیا یہ ظلم کم تھا۔ جو اب مجھے حویلی میں قید کرنا چاہتے ہیں؟"

روپ وتی اور زہرہ ششدر رہ گئیں۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں مہارانی جی؟"

"کیا غلط کہا میں نے؟ کیوں پڑے ہیں یہ شیکھر کی جائیداد کے پیچھے؟ کیا انہیں اتنا بھی احساس نہیں کہ اس کو مرے ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں؟" بہت دن کا لاوا جیسے اس کے اندر سے نکلا تھا۔

"ٹھاکروں کو بھی چھوٹے ٹھاکر کی موت کا انتہائی دکھ ہے مہارانی جی، آپ یوں دل برا نہ کریں۔"

"جانے بھی دے روپا۔" وہ سر جھٹک کر تیز تیز قدموں سے چلتی کھلے پھاٹک سے باہر چلی گئی۔

روپ وتی اور زہرہ بتول ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

زہرہ پراندہ جھلاتی، ہمیشہ کی طرح بھاگتی ہوئی برآمدے میں داخل ہوئی اور پھر ایک دم ٹھٹک کر رک گئی۔

سامنے چارپائی پہ بدر بیٹھا تھا، اس کی زہرہ کی طرف کمر تھی اور وہ چاچی کی کوئی بات خاموشی سے سن رہا تھا۔

ایک دم سے برآمدے میں جیسے دھنک اتر آئی تھی۔ زہرہ کو ہر شے خوب صورت لگنے لگی، وہ دھڑکتے دل کے ساتھ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آگے آئی اور سلام کیا۔

وہ ماں کی کسی بات پہ الجھا بیٹھا تھا، چونک کر سر اٹھایا اور سلام کا جواب دیا پھر دوبارہ ماں سے بات کرنے لگا۔

وہ وہیں خاموشی سے چارپائی کی پائنتی پہ ٹک گئی۔

"زہرہ! صبح صبح کدھر چلی گئی تھی، میں تجھے ڈھونڈ رہی تھی۔" چاچی بات ادھوری چھوڑ کر زہرہ سے کہنے لگی۔

زہرہ نے سر اٹھایا اور ایک چور نگاہ اس پہ ڈالی جو کچھ سوچتا ہوا چائے کے گھونٹ بھر رہا تھا اس کی نگاہیں سامنے دیوار پہ جمی تھیں اور وہ کسی گہری سوچ میں الجھا تھا۔

"بس نسیمہ کے ساتھ کنویں تک گئی تھی۔" وہ پلکیں جھکائے کہنے لگی۔ بدر کے سامنے اس کی پلکیں خود بخود جھک جاتی تھیں۔

"اتنی دیر کردی کنویں پہ۔ بدر تمہارا پوچھ رہا تھا۔" زہرہ کا چہرہ کھل اٹھا، اس نے بے اختیار نگاہیں اٹھا کر بدر کو دیکھا۔ وہ اسی مغرور بے نیاز انداز میں چائے کے گھونٹ بھر رہا تھا۔ گیلے سیاہ بال ماتھے پہ بکھرے تھے اور آستینیں کہنیوں تک چڑھا رکھی تھیں، شاید وہ ابھی نہا کر آیا تھا۔

پتا نہیں وہ اس کا پوچھتا بھی تھا یا چاچی ایسے ہی اس کا دل رکھنے کو کہتی تھی۔

"بس چاچی، وہ ٹھاکر شیکھر کی بیوی مل گئی تھی راستے میں، وہ پرانے قبرستان لے گئی تو وہیں دیر ہو گئی۔"

بدر نے چونک کر اسے دیکھا۔ "تم پرانے قبرستان کیوں گئیں؟"

"میں نہیں گئی، ٹھاکر شیکھر کی بیوی لے گئی تھی۔ وہ گوری ٹھاکرنی۔" وہ نظریں جھکائے بدر کے تنومند ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔

"ٹھاکر شیکھر کی بیوی؟" بدر ایک دم چونکا۔ "وہ جو انگلستان سے آئی ہے؟"

"ہاں۔" زہرہ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا، وہ اتنا وجیہہ و خوبرو تھا کہ وہ زیادہ دیر اسے دیکھ نہ سکی۔

"وہ واپس نہیں گئی ابھی تک؟"

"نہیں، ابھی تک تو ادھر ہی ہے مگر خوش نہیں لگتی۔"

"ظاہر ہے اس کا شوہر مرا ہے۔" وہ بظاہر لاپروائی سے کہہ کر چائے کے گھونٹ بھرنے لگا۔

"تم نے اس انگریز لڑکی کو دیکھا ہے بدر؟"

"لڑکی؟" بدر کو بس اس لفظ پہ حیرت ہوئی تھی۔ "ٹھاکر شیکھر کی ٹھاکرائن لڑکی ہے؟"

"ہاں۔" زہرہ ہنس دی۔ "اور اتنی حسین کہ تم دیکھتے رہ جاؤ۔"

"میں کیوں دیکھتا رہ جاؤں؟" وہ ناگواری سے شانے جھٹک کر رہ گیا۔

"نہیں بدر! اس کا واقعی شیکھر سے کوئی جوڑ نہیں تھا۔ شیکھر تو چالیس کے قریب تھا، سانولا سا معمولی قد کا اور وہ تو مہارانی ہے، لوگ کہتے ہیں برطانیہ کی شہزادی ہے۔"

"ہو گی۔" اس نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔

"مگر وہ خوش نہیں لگتی۔ وہ کہتی ہے اسے ٹھاکروں نے قید کر رکھا ہے اور اسے واپس انگلستان نہیں

جانے دے رہے۔"

"تو کس نے کہا تھا اسے راجپوتوں میں شادی کرے؟ کیا برطانیہ میں لڑکے ختم ہو گئے تھے؟ اب خود بھگتے۔" بدر نے اکھڑے اکھڑے انداز میں کہہ کر پیالی خالی کر کے رکھ دی۔ اس کے مغرور چہرے پہ تناؤ سا آگیا تھا۔

"ہاں پتا نہیں اس نے شیکھر سے شادی کیوں کی۔"

"اور یہ پرانے قبرستان کا کیا قصہ ہے؟ تم کیوں گئیں ادھر؟" وہ ماتھے پہ بل ڈالے پوچھ رہا تھا۔ یہ حق جتا، رعب جماتا انداز زہرہ کو ہمیشہ اچھا لگتا تھا۔

"مایا دیوی لے گئی تھی، کہتی تھی یہ کوئی انسان ہے جو بھوت کا ڈھونگ رچا رہا ہے اور ہم سب ایسے ہی ڈر رہے ہیں۔ وہ قبرستان دیکھنا چاہتی تھی۔ بس اسی کے ساتھ چلی گئی۔"

"زیادہ میل جول نہ رکھا کرو راجپوتوں کی عورتوں سے یہ اچھے لوگ نہیں ہیں۔"

وہ خفگی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ زہرہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اس سے خاصا اونچا تھا، لمبا چوڑا وجیہہ مرد جس کے ساتھ وہ خود کو ہمیشہ محفوظ تصور کرتی تھی، مگر کیا وہ واقعی اس کا پوچھتا تھا، یا چاچی خود ہی.....؟ وہ سوچتے ہوئے اس کو لمبے ڈگ بھر کر دور جاتے دیکھتی رہی۔

☼ ☼ ☼

روپ وتی بہت خاموشی سے برتن دھو رہی تھی۔ اس کا ذہن کہیں دور الجھا تھا۔

"روپا دیوی کدھر گم ہو؟" رتن بوا رسوئی میں آئی تو اسے یوں گم صم پانی میں ہاتھ ڈالے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"ہوں؟" روپا چونکی، پھر بے دلی سے سر نفی میں ہلا دیا۔ "کچھ نہیں رتن بوا۔"

"کسی نے کچھ کہا ہے؟" رتن بوا اس کے قریب آئی اور بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

"بس بوا، مجھے مایا دیوی کی حالت پہ ترس آتا ہے۔"

"ائے کیا ہوا مایا دیوی کو؟" رتن بوا آخری عمر میں بھی اپنی متجسس فطرت کے ہاتھوں مجبور تھی، سو تجسس کے وہیں بیٹھ گئی کیونکہ روپا کا انداز اسے بہت کچھ بتا رہا تھا۔

"بڑے ٹھاکر کی نظر ٹھاکر شیکھر کی جائیداد پہ ہے اور وہ مایا دیوی کو حویلی میں محصور کر کے رکھنا چاہتے ہیں۔"

رتن بوا ہکا بکا رہ گئی۔

"تجھے کس نے کہا؟"

"خود مایا دیوی کہتی ہے۔ شاید ٹھاکر اس کی زمین ہتھیانا چاہتے ہیں اور اسی لیے وہ مایا دیوی کو واپس انگلستان نہیں جانے دے رہے۔"

"ہائے بھگوان! ایسے نہ بول روپا، ٹھاکر جیسے بھی ہیں ٹھاکرائی کو عزت دیتے ہیں، آخر وہ شیکھر کی دلہن تھی۔"

"تجھے بھی پتا ہے کہ ٹھاکر کیسے ہیں اور مجھے بھی پتہ ہے۔ اب تو دیکھنا بوا، یہ مایا دیوی کو کسی بہانے حویلی میں محصور کرنے کی کوشش کریں گے۔" روپ وتی دل کا بوجھ ہلکا کر کے مطمئن سی برتن دھونے لگی، جبکہ رتن بوا کو تو ہول اٹھ رہے تھے۔

انکشاف چھوٹا نہ تھا۔ گاؤں والے تو بس اتنا جانتے تھے کہ ٹھاکروں کے آپس کے تعلقات بہترین ہیں، مگر اب یہ نیا انکشاف خاصا خطرناک تھا۔ اگر ٹھاکر اپنی حویلی میں مایا دیوی کے خلاف کوئی سازش کر رہے تھے، تو یہ خبر ان کی برسوں کی ساکھ کو توڑنے کے لیے کافی تھی۔

رتن بوا کو اب جلد از جلد اپنے دل کا یہ بوجھ ہلکا کرنا تھا، سو اس نے فوراً ہی گھر جا کر اپنی بہن کو بتا دیا۔ جس نے چار مزید لوگوں کو اور یوں۔

شام تک آدھے بیلی راجپوتاں کو خبر مل چکی تھی کہ راجپوت اپنی انگریز بہو کی جان کے درپے ہیں اور اس کی جائیداد ہتھیانے کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔

☼ ☼ ☼

دروازے پہ مدھم دستک ہوئی۔

مایا نے بال سنوارتے ہوئے "آجاؤ" کہا۔ وہ سنگھار میز کے سامنے بیٹھی ڈھیلی سی چوٹی گوندھ رہی تھی۔

دروازہ ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ کھلا۔

روپ وتی نے چوکھٹ پہ کھڑے کھڑے اندر جھانکا

"مہارانی جی، بڑے ٹھاکر شام کی چائے پہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" چوٹی گوندھتے اس نے مصروف انداز میں محض سر کو جنبش دینے پہ اکتفا کیا۔

روپ وتی سر جھکائے دروازہ بند کرتی واپس پلٹ گئی۔

لمبی سنہری چوٹی اس نے گردن کے دائیں آگے کو ڈال دی، سفید ساڑھی کا پلو درست کیا، اور آئینے میں خود پہ ایک آخری نگاہ ڈال کر باہر آگئی۔

اپنی ازلی نزاکت سے زینے اتر کر وہ نیچے آئی تو ہال کمرہ خالی پڑا تھا، یقیناً "ٹھاکر رگھوناتھ باہر برآمدے میں اس کا انتظار کر رہے تھے۔

وہ سیڑھیوں سے اتر کر آگے بڑھتے بڑھتے رک گئی۔ سیڑھیوں کے اس طرف ایک بڑا سا پیانو رکھا تھا۔

مایا کسی معمول کی طرح اٹھتی پیانو تک آئی۔ اس کا کیس سیاہ لکڑی کا بنا تھا، اور اوپر دیوار پہ ہم رنگ لکڑی کا بنا بیضوی آئینہ نصب تھا۔

اس نے ہاتھ سے پیانو کی کیز کو ہلکا سا چھوا، پھر ایک ہی رو میں انگلی تمام کیز سے گزاری۔

خاموش فضا میں انوکھا سا راگ گونج اٹھا۔

مایا نے چونک کر سر اٹھایا۔ سامنے آئینے میں اس کا عکس نمایاں تھا۔ بالوں میں پروئی موتیوں کی لڑی کے عین وسط میں لگی ایک بد صورت گرہ۔ اس کی انگلی خود بخود اس گرہ پہ جا ٹھہری۔

سامنے لگا آئینہ یک دم جیسے اسکرین بن گیا، ماضی کی ایک یاد فلم کی طرح اس پہ چلنے لگی تھی۔ اسے اس

اسکرین میں ایک منظر دکھائی دے رہا تھا۔ اونچی نیچی سی چڑھائی، سرسبز پہاڑی اور ہاتھ میں ڈالے اوپر چڑھتے دو نفوس اور پیچھے ڈلہوزی کا ڈوبتا سورج۔

"شام ہو رہی ہے، واپس چلنا چاہیے۔" وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے اس سرسبز پہاڑی پہ اوپر چڑھتے جا رہے تھے، جب شیکھر نے رک کر کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔

"میں سورج ڈوبتے دیکھنا چاہتی ہوں۔ آج ہماری ڈلہوزی میں آخری رات ہے، یہ ہمارے ہنی مون کا آخری غروب آفتاب ہے۔"

اس نے ہلکا پنک سوئیٹر پہن رکھا تھا، شہد رنگ بال شانوں پہ بکھرے تھے۔

"تمہیں ڈلہوزی اتنا پسند آیا کیا؟"

"نہیں، مجھے تم پسند آگئے۔" اور دونوں ہنس پڑے۔

"ہم اگلی دفعہ۔" وہ کہتے کہتے ایک دم رک گئی۔ اسے لگا اس نے کسی کی کراہ سنی ہے۔

شیکھر ہنستے ہوئے کچھ کہتے کہتے چند قدم آگے بڑھ گیا تھا، اسے ساتھ نہ پا کر پیچھے دیکھا۔ وہ وہیں کچھ کنفیوز سی کھڑی تھی۔

"او نو ڈارلنگ... رک کیوں گئیں؟"

"ایسے ہی۔" وہ سنبھل کر مسکراتی دو قدم آگے بڑھی اور پھر سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

وہ دونوں ہنستے ہوئے، باتیں کرتے آگے بڑھتے رہے۔ اسی دوران مایا نے دوسرے ہاتھ سے سوئیٹر کی جیب سے چابیوں کا گچھا نکال کر غیر محسوس انداز میں زمین پہ گرا دیا۔

سڑک عبور کر کے وہ دونوں اپنے بنگلے کے گیٹ کی طرف آگئے۔ وہاں قطار میں چند بنگلے بنے تھے، جو دہلی، امرتسر اور بمبئی کے امراء کی ملکیت تھے جہاں وہ ہر سال چھٹیاں منانے آتے تھے۔

چوکیدار نے گیٹ کھولا۔ شیکھر اندر داخل ہوا۔ مایا نے اس کے پیچھے قدم بڑھاتے ہوئے جیب

میں ہاتھ ڈالا اور رک گئی۔
"میری الماری کی چابیاں' شیکھر!" اس نے پاکٹ الٹ دی۔ وہ خالی تھی۔
"کدھر گئیں؟" وہ بھی رک گیا۔
"اوہ۔ جس پتھر پہ ہم بیٹھے تھے' وہیں میں نے نکالی تھیں' ادھر ہی رہ گئی ہوں گی۔ میں ابھی لے کر آتی ہوں۔"
وہ جانے کو پلٹی تو اس نے روکا۔ "میں بھی چلتا ہوں' اکیلی نہ جاؤ۔"
"نو ڈارلنگ! دو منٹ ہی تو لگیں گے۔ تم اندر جا کر فریش ہو لو' میں بس ابھی آئی۔" پھر جاتے جاتے مڑی۔ "اور اگر دیر ہو جائے تو پریشان نہ ہونا۔"
"دیر ہو جائے گی کیا؟"
"بتایا تھا نا' میں ڈلہوزی کا ڈوبتا سورج دیکھنا چاہتی ہوں۔" [illegible] کا شانہ تھپکا اور وہ آگے سڑک پہ چلی گئی۔ شیکھر [illegible] دیر وہاں کھڑا رہا' پھر اندر کو ہولیا۔
مایا تیز قدموں سے اس جگہ واپس آئی جہاں اس نے چابیاں گرائی تھیں' جھک کر گچھا اٹھایا اور جیب میں ڈالتی [illegible] اتر گئی۔
شام کی [illegible] ابھی باقی تھی۔ سورج کی کرنیں ابھی تک درختوں [illegible] لپٹی تھیں۔ وہ بغیر دقت کے دور تک دیکھ سکتی تھی۔
اب وہ [illegible] سے اتر کر پہاڑی کی ڈھلان اترنے لگی۔ اسی [illegible] کے آس پاس سے کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دی تھی۔
وہ احتیاط سے [illegible] سنبھل کر پتھروں پہ قدم رکھتی ادھر ادھر دیکھتی اتر رہی تھی۔ وہ جو بھی تھا' اسے ادھر ہی آس پاس ہونا چاہیے تھا۔
اور پھر وہ اسے نظر آ ہی گیا۔
چند درختوں کے بیچ گرا ایک نڈھال وجود۔
مایا آہستہ آہستہ درختوں کا سہارا لیے خشک پتوں پہ قدم رکھتی اس تک آئی۔
وہ ایک درخت کے تنے کے ساتھ نڈھال سا گرا کراہ رہا تھا۔
وہ اس کے سامنے والے درخت کی اوٹ میں سے سر نکالے اسے دیکھنے لگی۔
پہلی نظر میں تو اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اسے ہوا کیا ہے۔ وہ ستائیس اٹھائیس برس کا خوش شکل مرد تھا۔ چہرے پہ ہلکی ہلکی شیو بڑھی ہوئی تھی۔ اس کا رنگ بالکل زرد سا پڑ رہا تھا اور وہ مسلسل درد سے کراہ رہا تھا۔
"اے۔ کیا ہوا ہے تمہیں؟" وہ اب درخت کی اوٹ سے نکل کر اس کے سامنے آگئی۔ زخمی نے شاید سنا نہیں تھا' وہ آنکھیں تکلیف کی شدت سے بند کیے کراہ رہا تھا۔ وہ اس کے قریب آئی' اور اس کا شانہ [illegible] ہلایا۔
اس نے آنکھیں کھولیں اور سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ [illegible] سنسان درختوں کے درمیان ایک دراز قد' سنہری [illegible] والی لڑکی اس کے سامنے کھڑی تھی۔
"[illegible] کیا ہوا ہے؟ کیوں بچوں کی طرح رو رہے ہو؟" وہ چہرے پہ ناگواری لیے پوچھ رہی تھی۔
وہ کچھ کہنا چاہتا تھا' مگر شاید اس میں لمبی بات کرنے کا دم نہیں تھا۔ اس نے ایک نظر مایا کو دیکھا اور دوسری نظر اپنے [illegible] درخت کی لٹکتی شاخ پہ ڈالی۔
مایا نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں سر اٹھایا۔ شاخ پہ ایک سیاہ رنگ کا سانپ پھن پھیلائے بیٹھا تھا۔
"اوہ۔" سارا معاملہ اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ وہ بہت آرام سے جھکی اور ایک وزنی پتھر اٹھایا' پھر شاخ کو پکڑ کر جھٹکا دیا۔ سانپ نیچے آن گرا' دوسرے ہی لمحے وہ بہت اطمینان سے وزنی پتھر سے اس کا سر کچل چکی تھی۔
"اب بتاؤ' کدھر کاٹا ہے تمہیں سانپ نے؟" وہ گھٹنوں کے بل اس کے قریب بیٹھ گئی اور زخمی کا ہاتھ اس کی پنڈلی سے ہٹایا۔
وہاں ٹخنے کے قریب۔ سانپ کے کاٹنے کا نشان تھا' زخم بالکل تازہ تھا۔
"پہلی بات تو یہ کہ تمام سانپ زہریلے نہیں

ہوتے' سوڈ رو مت۔" اس نے رومال نکال کر زخم سے کچھ اوپر کس کر باندھ دیا' اور پھر زخم پہ اپنا چہرہ جھکایا۔

"کیا کر رہی ہو؟" زخمی گھبرا کر پیچھے ہونے لگا۔

"چپ رہو۔" وہ ناگواری سے جھڑک کر دوبارہ زخم پہ جھکی اور قدیم وید وں کے سے انداز میں چوس کر زہر نکال لیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اس کے زخم کو صاف کر رہی تھی۔

"میں کسی کو بھیج کر تمہیں ہسپتال پہنچا دیتی ہوں' مگر تمہیں سونا نہیں ہے' سو گئے تو مر جاؤ گے۔ ویسے کس نے کہا تھا اس سمے ڈلہوزی کے جنگلوں میں بھٹکتے رہو۔" اس کے زخم کا آخری جائزہ لیتی وہ کہہ رہی تھی۔ زخمی کچھ کرب سے مسکرا دیا۔

"آپ بھی تو اسی سمے ادھر بھٹک رہی تھیں۔"

"مگر مجھے یہ سانپ نہیں کاٹتا۔"

"اچھا؟ وہ کیوں؟" وہ پہلے سے بہتر محسوس کر رہا تھا۔

"یہ جس نسل کا سانپ ہے' اس کے بارے میں جانتے ہو؟" اس نے سرمئی سانپ کے جانب اشارہ کیا۔

اس نے نفی میں سر ہلا دیا' نگاہیں مسلسل مایا کے چہرے پہ تھیں۔

"یہ ڈلہوزی اور شملہ میں پائے جانے والے خاص نسل کے سانپ ہوتے ہیں' اصل نام مجھے یاد نہیں مگر ان کے بارے میں ایک صدیوں پرانا لیجنڈ مشہور ہے کہ یہ مہارانیوں اور مہاراجوں کو نہیں ڈستے اور ان کا احترام کرتے ہیں۔ میں نیلی راجپوتاں کی مہارانی ہوں' یہ مجھے نہیں ڈس سکتا تھا۔" وہ فخر سے مسکراتے ہوئے ہاتھ جھاڑتی اٹھنے لگی۔ "چلتی ہوں۔"

"نہیں رکو۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر مایا کو روکنا چاہا' مگر وہ کھڑی ہو رہی تھی' اس کے ہاتھ میں موتیوں کی لڑی آ گئی۔ مایا اٹھتے اٹھتے پھر بیٹھ گئی۔

"میرا شوہر میرا انتظار کر رہا ہو گا' مجھے جانا ہے۔" اس نے نرمی سے سمجھانا چاہا۔

"میری جان بچانے کا شکریہ۔" لڑی ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھی' وہ نیم غنودگی کی کیفیت میں ڈوب رہا تھا۔

"مگر مجھے روک کر تم میری جان خطرے میں ڈال رہے ہو۔" وہ مسکراتے ہوئے جیسے اس کی حالت سے محظوظ ہو رہی تھی۔ زخمی نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا۔

"مجھے... مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔"

"مجبوری ہے' مگر۔۔۔" مایا نے اس کا ہاتھ لڑی سے ہٹایا' اور پھر جہاں اس شخص نے ہاتھ رکھا تھا' وہاں سے اس نے کھینچ کر ایک جھٹکے سے لڑی کو توڑ دیا۔ چمکتے دمکتے موتی نیچے گرنے لگے۔

جب چند موتی گر گئے تو اس نے وہاں پھر سے گرہ لگا دی۔ وہ نیم غنودگی اور نقاہت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"جن پہ تم نے ہاتھ رکھا' وہ تمہارے ہوئے' یہ شاہی خاندانوں کا دستور ہوتا ہے۔" مٹی میں گرے وہ سارے موتی اس نے مٹھی بھر کر اٹھائے' بہت سی مٹی بھی ان کے ساتھ اس کے ہاتھ میں بھر گئی۔ ریت مٹی میں لتھڑے موتی اس نے اس شخص کی جیب میں ڈال دیے اور ہاتھ جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے جنگلوں میں بھٹک کر لوگوں کی جان بچانے کا قطعاً" کوئی شوق نہیں ہے' نہ ہی مجھے تم سے کوئی ہمدردی ہے۔ مجھے ڈلہوزی کا ڈوبتا سورج دیکھنا تھا' جس کے لیے قدرت نے یہ بہانا بنا دیا۔ ہاں اوپر جا کر کسی کو نیچے بھیج دوں گی' اگر یاد رہا تو۔" وہ اسی بے نیازی سے کہہ کر مڑی اور واپس اوپر چڑھنے لگی۔

"سنو۔" اس نے پیچھے سے پکارا۔

مایا جیسے بادل نخواستہ رکی۔

"تم کون ہو؟" غنودگی میں ڈوبنے سے پہلے وہ بمشکل بول پا رہا تھا۔

درخت کی لکڑی پہ ہاتھ رکھے' مایا نے اداس مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا "میں نیلی راجپوتاں کی ملکہ ہوں' اور کچھ نہیں۔" اس کی سنہری آنکھوں میں ڈوبتے سورج کا عکس جھلملا رہا تھا۔

وہ ابھی تک ایسے ہی نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھ

"ہاں قاضی۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

"دیپ۔"

اس نے غنودگی میں جانے سے قبل بس آخری بار لب کھولے۔

"بدر۔۔۔ بدر عازان۔" اور پھر آنکھیں بند کرلیں۔

مایا نے لاپروائی سے شانے اچکائے اور اپنے جوگرز [illegible] واپس اوپر چڑھنے لگی۔

بے دھیانی میں پھر سے اس کی انگلیوں نے پیانو کی کیز کو چھیڑا تھا۔ خاموش فضا میں پھر سے راگ گونج اٹھا۔ وہ جیسے چونک کر حال میں واپس آئی۔

اور آئینے میں اس کا عکس اب بھی وہیں تھا' جیسے کوئی خوب صورت تصویر ہمیشہ کے لیے اس [illegible] ہو۔

اس نے سر جھٹکا' ساڑھی کا پلو درست کیا اور اسی پر تمکنت انداز میں گردن اونچی اٹھائے باہر چلی آئی۔

برآمدے میں کرسیاں میز کے گرد بچھی تھیں' وہاں ٹھاکر رگھوناتھ اور گوپال بیٹھے تھے۔ مایا کو آتا دیکھ کر وہ دونوں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آئیے مایا دیوی۔"

وہ اسی سپاٹ چہرے کے ساتھ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے کرسی پہ بیٹھ گئی۔ "چائے لیجیے۔" گوپال نے ایک پیالی اس کے سامنے کی۔ یہ وہ واحد عورت تھی جس کے لیے گوپال یہ سب کر سکتا تھا۔

"شکریہ۔" مایا نے پیالی اٹھالی۔

"مایا دیوی! آپ نے جائیداد بکوانے کی بات کی تھی۔" ٹھاکر رگھوناتھ نے گلا کھنکار کر گفتگو کا آغاز کیا۔ ان کا کپ ان کے سامنے ان چھوا رکھا تھا۔ "میں نے ایک دو فریقوں سے بات کی ہے۔ اس میں کچھ عرصہ لگ جائے گا۔"

وہ خاموشی سے انہیں دیکھتی گرم چائے کے گھونٹ حلق میں اتارتی رہی۔

"نہر والی زمین خریدنے میں دو فریق دلچسپی رکھتے ہیں' میں ابھی ان سے معاملات طے کر رہا ہوں۔ کاغذات وغیرہ بھی تیار ہو رہے ہیں' پٹواری سے بھی بات کرلی ہے۔"

اس نے کپ خالی کر کے میز پہ رکھ دیا' اب بہت توجہ سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"کچھ عدالتی کارروائی مزید ہوگی جس کے لیے آپ کو واپس برطانیہ جانے میں کچھ وقت لگ سکتا ہے' مگر میری کوشش ہوگی کہ زیادہ تاخیر نہ ہو اور جیسے آپ چاہتی ہیں' ویسے ہی ہو۔ باقی جب تک آپ [illegible] آپ حویلی میں رہیں' گاؤں میں گھومیں پھریں [illegible] کے معاملات میں خود دیکھ لوں گا۔ آپ کو [illegible] کرنے ہوں گے' کیا خیال ہے آپ کا؟"

"یہ بیلی راجپوتاں کے بھوت کا کیا قصہ ہے؟"

سوال ان دونوں کی توقع کے اس قدر برعکس تھا کہ ٹھاکر رگھوناتھ نے حیرت سے دیکھا۔

"بیلی راجپوتاں کا بھوت؟" وہ کیا پوچھ رہے تھے اور وہ کیا پوچھ رہی تھی۔

"جی' بیلی راجپوتاں کا وہ بھوت جو روز رات کو مسلمانوں کے پرانے قبرستان میں گھومتا پھرتا ہے۔"

"مسلمانوں کے پرانے قبرستان پہ سایہ ہے جی۔" گوپال ٹھاکر صاحب سے پہلے ہی بول اٹھا۔ "کوئی بھٹکی ہوئی آتما ہے' کافی عرصے سے رات کو گاؤں میں بھٹکتی پھرتی ہے۔ اب تو گاؤں والوں نے اس طرف جانا بھی چھوڑ دیا ہے۔"

"مگر میں نے سنا کہ بدر عازان کہتا ہے' وہ کوئی کرمنل ہے جو اپنے کسی جرم کا ثبوت مٹانے کے لیے بھوت کا ڈھونگ رچا رہا ہے۔"

"بدر عازان تو خود بھی۔" کوئی موٹی گالی اس کے لبوں تک آتے آتے رکی' شاید اسے مایا کی وہاں موجودگی کا احساس ہو گیا تھا۔ "وہ سایہ ہے جی' آپ نسلوں کی باتوں پہ مت جائیں۔ یہ تو سامنے کی بات ہے کہ وہ سایہ ہے۔"

"دلچسپ۔" مایا گردن موڑ کر باغیچے کو دیکھنے لگی۔

"بہار کا موسم آ گیا ہے' آپ کے بیلی راجپوتاں میں پھول بہت پیارے کھلتے ہیں۔ مجھے دلچسپی ہے

پھولوں کو سراہتی کہہ رہی تھی۔ جائیداد کے معاملات اس کی معمولی سی توجہ کے بھی حامل نہیں تھے۔

ٹھاکر رگھوناتھ گہری سانس بھر کر پیچھے کو ہو گئے۔ کبھی کبھی مایا فرینڈس انہیں اسی طرح بہت بے عزت کر دیا کرتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"بال بنادوں مہارانی جی؟" روپا اسے بالکونی میں دیکھ کر اس طرف آگئی۔

وہ بالکونی میں کرسی ڈالے کتاب پڑھ رہی تھی۔ رخ سامنے کو تھا جہاں سنہری گندم کی تیار فصل کے کھیت دکھائی دے رہے تھے۔

روپا کی آواز پہ اس نے سر اٹھایا۔ وہ ہاتھ میں کنگھا لیے منتظر کھڑی تھی۔ "ہاں، چوٹی بنادو۔" اس نے نگاہیں کتاب پہ جھکا دیں اور ایک ہاتھ سے ڈھیلے سے جوڑے کی گرہ کھول دی۔ سارے بال کسی آبشار کی طرح کمر پہ گرتے چلے گئے۔

روپا بہت نرمی سے اس کے سنہری بال سمیٹنے لگی۔ مایا پھر سے کتاب میں منہمک ہو گئی تھی۔

"کل سویرے بڑے میدان میں ہمارا میلہ لگ رہا ہے" اس کے بال اکٹھے کرتے روپا کو اچانک جیسے یاد آیا۔

"اچھا۔" وہ کتاب پڑھتی رہی۔

"نیزہ بازی کا مقابلہ بھی ہو گا۔"

"ہوں۔" اس نے صفحہ پلٹایا۔

"پورے گاؤں کو اس مقابلے کا انتظار ہے، سال بھر سے بڑا کانٹے دار مقابلہ ہو گا جی اس دفعہ۔" روپا اس کے بالوں میں کنگھا اوپر سے نیچے لا رہی تھی۔ اس دفعہ مایا نے جواب بھی نہیں دیا۔

"چھوٹے ٹھاکر گوپال راج بھی حصہ لے رہے ہیں، اب تو اس مقابلے کی ہار جیت پہ بڑی بڑی شرطیں لگ چکی ہیں۔" وہ اب چوٹی گوندھ رہی تھی۔

"گوپال کی جیت پہ؟" بغیر دلچسپی سے محض روپا کا دل رکھنے کو مایا نے پوچھا۔

"نہیں دیوی جی، بدر غازان کی جیت پہ گوپال تو پچھلے چار برس سے ہار رہے ہیں۔"

وہ کتاب بند کر کے ایک جھٹکے سے مڑی، چوٹی روپا کے ہاتھ سے پھسل گئی، سارے بل کھلتے چلے گئے۔

"بدر غازان گوپال کو ہراتا ہے؟" بے اختیار وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ہاں جی، پچھلے چار برسوں سے۔ چھوٹے ٹھاکر کو بہت غصہ ہے اس بات کا، اس دفعہ انہوں نے پوری تیاری کی ہے، بھری پنچائیت میں دعوا بھی کیا ہے کہ اس دفعہ وہ بدر غازان کو ایسی شکست دیں گے کہ اس کی اگلی سات نسلیں یاد رکھیں گی۔"

"پھر؟"

"پھر بدر نے ایک محفل میں کہا، اس دفعہ جو شکست ٹھاکر گوپال رام کو ملے گی، اس کی اگلی کیا، پچھلی بھی سات نسلوں کو خبر مل جائے گی۔" روپا کہہ کر کھلکھلائی، پھر ایک دم سر جھکا کر خاموش ہو گئی۔

"میں جانتی ہوں تمہاری ہمدردی زہرہ کے چچازاد کے ساتھ ہے، اچھی بات ہے۔ میں یہ مقابلہ دیکھنا چاہوں گی۔ کب ہے؟"

"کل سویرے۔" روپا شہ پا کر جوش سے اسے تفصیلات بتا رہی تھی مگر وہ کسی اور ہی سوچ میں ڈوبی کھڑی رہی۔

☼ ☼ ☼

گاؤں کے بڑے میدان میں رنگ و بو کا سیلاب امڈ آیا تھا۔ روایتی انداز میں سجا میلہ اور خوشی اور جوش چہروں پہ لیے سجے سنورے دیہاتی۔ وہ واقعی ان کا سب سے حسین تہوار تھا۔

مایا روپ وتی کے ساتھ بصد اصرار مقابلہ دیکھنے آہی گئی تھی۔

"یہ نیزہ بازی کیا ہوتی ہے روپا؟" وہ مقابلے میں دلچسپی لیے بغیر ساتھ موجود روپ وتی سے پوچھنے لگی۔

"وہ جی۔۔۔" روپا ہچکچائی "وہ دیکھیں نا ابھی آپ کو خود ہی سمجھ آجائے گا۔"

اور اسی پل ایک طرف سے الھڑ سی زہرہ نکل کر ان کے قریب آئی۔

"ٹھاکرائن، آپ بھی آئی ہیں مقابلہ دیکھنے؟" وہ اسے دیکھ کر حیران بھی تھی اور خوش بھی۔

مایا نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔

اس نے آج بھی بے داغ اجلی سفید ساڑھی پہن رکھی تھی۔ آنکھوں کے گرد بہت گہرا کاجل ڈالا تھا، کالی رات میں چمکتا سورج۔

"بڑا کانٹے دار مقابلہ ہو گا جی آج۔" بڑے سے میدان میں بھاگتے گھوڑوں کو دیکھ کر زہرہ کہہ رہی تھی۔ آج تو اس کے چہرے پہ اور ہی رنگ بکھرے تھے۔

مایا نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں گھوڑے بھگاتے نیزوں سے میخیں اکھاڑتے گھڑ سواروں کو دیکھا اور پھر گہری سانس بھری۔

"یہ تو tent pegging ہے۔"

روپا نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ "آپ کو اس کھیل کا علم ہے جی؟"

"ہاں مگر میری نبی نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ tent pegging نیزہ بازی کو کہتے ہیں۔"

سامنے دو گھوڑے، ایک سفید اور ایک سیاہ بھاگتے رہے تھے۔ سیاہ گھوڑا گوپال راج کا تھا وہ پہچان گئی تھی۔

"نیزہ بازی کا اوریجن مسلم فوجوں کی شب خون کی تکنیک تھی۔" جب وہ موڈ میں ہوتی تو بہت بولا کرتی تھی۔ "اس کھیل میں تو صرف میخیں گاڑی جاتی ہیں پورے پورے خیمے نہیں لگائے جاتے، مگر در حقیقت شب خون میں مسلمان فوجیں رات کو دشمن کے سو جانے پہ اپنے تیز ترین گھڑ سوار دشمن کی کمین گاہ میں بھیجا کرتی تھیں، جو اپنے نیزوں کی مدد سے ان کے خیموں کے میخیں اکھاڑ دیتے تھے، پھر خیموں کو اکٹھا کر کے آگ لگا دی جاتی تھی اور سویا ہوا دشمن......"

بولتے بولتے وہ رک گئی۔ گوپال کے ساتھ والا سفید گھوڑا ابھی اس کے سامنے سے گزر کر گیا تھا۔ یہ

چہرہ اسے ڈلہوزی کے جنگل میں گرا زخمی یاد آ گیا۔

"یہ سفید گھوڑے پہ کون ہے؟"

"بدر ہے، میرے چچا کا بیٹا۔" زہرہ بہت مسرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

مایا کی نگاہیں دور تک سفید گھوڑے کے پیچھے گئی تھیں۔ گھڑ سوار بہت مہارت سے اسے دوڑاتا اب میخیں اکھاڑتا جا رہا تھا۔

پھر جب نیزہ بازی کا مقابلہ ختم ہو گیا اور پانچویں برس بھی ٹھاکروں کے لڑکے کو مسلمانوں کے لڑکے نے شکست دے دی تو اور تالیوں اور نعروں کا شور قدرے تھما تو کتنی ہی دیر بعد اس نے سفید گھوڑے کی لگام تھامے اس اونچے لمبے مغرور سے نیزہ باز کو اپنی جانب آتے دیکھا۔ وہ شاید زہرہ کو دیکھ کر ادھر آیا تھا۔

ان کے قریب آتے اس کے قدم سست پڑ گئے، وہ حیرت زدہ سا مایا کو دیکھ رہا تھا، پھر گھوڑے کی لگام تھامے آہستہ آہستہ چلتا ان تک آیا۔

"آپ؟" مغرور تنے ہوئے نقوش ڈھیلے پڑ گئے تھے، وہ شاید اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم سانپ کے کاٹے سے بچ گئے؟" مایا مسکرائی، وہی محظوظ سی مسکراہٹ۔

بہت پیچھے سے ڈلہوزی کی دودھیا شام دونوں کے آس پاس اتر آئی تھی۔

"تم... آپ... ادھر؟"

"تم نے مجھے پہچان لیا؟" وہ اس کی حیرت سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

"میں بھلا راجپوتوں کی ملکہ کو کیسے بھول سکتا ہوں؟" وہ دھیما سا مسکرایا۔ شاید روپا ٹھیک کہتی تھی، وہ گاؤں کا سب سے وجیہہ مرد تھا۔

"بھولنا بھی نہیں چاہیے تھا۔"

"مگر آپ... ادھر؟" وہ چھوٹا سا گاؤں تھا اور اس میں واحد گوری لڑکی ٹھاکر شیکھر راج کی بہو تھی، بظاہر وہ جیسے کڑیاں ملا رہا تھا۔ "آپ شیکھر کی۔"

"ہاں، میں مایا فرنینڈس ہوں اور تم مجھے اچھی

طرح جانتے ہو۔"

"شیکھر راج اچھا آدمی تھا‘ گاؤں کے ساتھ مخلص تھا‘ اس کی موت کا افسوس ہوا۔" اس نے مایا کا آخری فقرہ نظر انداز کیا تھا۔

"شکریہ۔ مگر کیا دوسرے ٹھاکر مخلص نہیں جو تم نے آج گوپال کو پانچویں دفعہ ہرا دیا ہے؟"

"شکریہ۔" وہ بس ہنس دیا‘ پھر سفید گھوڑے کی پشت پہ ہاتھ پھیرا۔ "یہ ایک وفادار جانور ہے‘ اس نے سدا وفا نبھائی ہے میرے ساتھ۔"

"کبھی راجپوتوں کی حویلی آؤ‘ میں تمہیں گوپال کے ایسے کئی گھوڑے دکھاؤں گی۔"

"آپ کبھی ملکوں کی حویلی آئیے‘ میں آپ کو اپنا پورا اصطبل دکھاؤں گا۔"

وہ مسکرائی۔ "ملکوں کی حویلی کس طرف ہے؟"

"آپ کی ملازمہ آپ کو لے آئے گی۔"

"مگر میں نے تو نہیں کہا کہ میں آؤں گی۔"

بدر بے ساختہ مسکرا دیا۔ "آپ کوشش کیجیے گا‘ میں انتظار کروں گا۔"

"تم انتظار کرنا‘ مگر میں نہ وعدہ کرتی ہوں‘ نہ کوشش کروں گی۔" اعتماد سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے [illegible] کر وہ جانے کے لیے پلٹی۔ "چلو روپا۔"

"..."

مایا نے مڑے بغیر محض گردن ترچھی کر کے عقب میں دیکھا۔

"میں انتظار کروں گا۔"

"ضرور کرنا۔" واپس جاتے ہوئے اس نے ایک نظر زہرہ کے تاریک پڑتے چہرے کو دیکھا جو کتنی ہی دیر سے خاموش کھڑی تھی۔ آج پہلی دفعہ بدر نے گاؤں کی سب سے سندر لڑکی کو یوں نظر انداز کیا تھا۔

مایا اثر لیے بغیر آگے بڑھ گئی۔ روپ وتی اس کے پیچھے تھی۔

وہ گھوڑے کی لگام ہاتھ میں تھامے اسے دور جاتے دیکھتا رہا۔

ڈی سوزا کی ڈوبتی شام کا افسوس ابھی تک باقی تھا۔

☼ ☼ ☼

چوہدری منگل سنگھ کا تعلق گاؤں کے ایک معزز گھرانے سے تھا۔ وہ ذات کے راجپوت تھے۔ مگر امارت کے لحاظ سے ٹھاکروں سے کہیں کم۔ بہرحال گاؤں کے متوسط طبقے کے زمینداروں میں چوہدری منگل سنگھ کو خاص اہمیت حاصل تھی۔

منگل سنگھ کا پچھلے آٹھ ماہ سے ایک سکھ زمیندار سے جائیداد کا تنازعہ چل رہا تھا۔ یہ تنازعہ بیری کے ایک درخت کی ملکیت سے شروع ہوا تھا اور بڑھتے بڑھتے جانی دشمنی تک پہنچ گیا تھا۔ اس درخت کے دوسرے دعوے دار شوبھا سنگھ نے جس کی زمین منگل سنگھ کی زمین کے ساتھ ملی ہوئی تھی‘ بھری پنچایت میں منگل سنگھ کو جان سے مار دینے کی دھمکی دی تھی۔

1939ء میں انگریز کے قانون کی عملداری کمزور ہوتی جارہی تھی۔ پے در پے سیاسی محاذوں پہ شکست کھا کر سرکار خاصی کمزور ہو چکی تھی۔ ڈکیتی اور قتل کی وارداتیں عام سی بات بنتی جارہی تھیں۔ ایک مہینے میں جائیداد کے تنازعے پہ دو‘ چار قتل ہو جانا تو اب معمول بن چکا تھا۔

اس رات شوبھا سنگھ کا ارادہ اسی معمول کو دہرانے کا تھا‘ معاملہ اب بیری کے درخت کا نہیں رہا تھا۔ شوبھا سنگھ نے سنا تھا کہ منگل سنگھ یار دوستوں میں بیٹھ کر کہتا ہے کہ "اگر شوبھا سنگھ نے درخت والی جگہ میرے حوالے نہ کی تو میں اس کی بہن کو اٹھا لوں گا۔"

شوبھا سنگھ کی بہن نرملتا جوان‘ خوب صورت عورت تھی۔ جب بات نرملتا پہ آئی تو شوبھا سنگھ کی غیرت نے جوش مارا اور اس نے بھری پنچایت میں دعوا کیا کہ اگر منگل سنگھ باز نہ آیا تو وہ اس کا خون کردے گا۔

مگر منگل سنگھ باز نہ آیا اور اس رات شوبھا سنگھ نہر کے کنارے گھات لگا کر منگل سنگھ کی تاک میں بیٹھ گیا۔ اسے علم تھا کہ منگل سنگھ آج اپنے بھائی کے گھر ہے‘ اور وہاں محفل جمی ہوگی‘ جسے چھوڑ کر وہ رات گئے

گھر واپس لوٹے گا۔ اسے ٹھکانے لگانے کا یہ وقت بہترین تھا۔

رات گہری ہو گئی تو منگل سنگھ اپنے بھائی کے گھر سے نکلا۔

پورا گاؤں خاموشی اور اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ گھروں کی بتیاں گل ہو چکی تھیں اور گاؤں کے مکین بستروں میں دبکے بے خبر سو رہے تھے۔

منگل سنگھ کا گھر زیادہ دور نہ تھا۔ مگر راستے میں کھیت پڑتے تھے اور آگے نہر تھی۔ نہر کے ایک طرف کچا راستہ تھا جو پرانے قبرستان سے ہو کر دوسرے گاؤں جاتا تھا' جبکہ دوسری جانب منگل سنگھ کے گھر کا راستہ تھا۔

وہ خاموشی سے کھیتوں کے درمیان بنی کچی پگڈنڈی چل رہا تھا۔ سامنے نہر تھی اور اس طرف کچا راستہ جس کے ساتھ ساتھ درختوں کی باڑ لگی تھی۔

چلتے چلتے یونہی منگل سنگھ نے سر اٹھایا تو ایک دم اسے عجیب سا احساس ہوا۔ وہ وہیں اپنے قدموں پہ رک گیا۔

درختوں کے جھنڈ کے ساتھ ساتھ کوئی دبے قدموں کچے راستے پہ چل رہا تھا۔ منگل سنگھ شاید کبھی توجہ نہ دیتا' مگر اس شخص کا رخ پرانے قبرستان کی جانب تھا۔ اگر وہ کوئی دوسرے گاؤں جانے والا مسافر ہوتا تو اسے کسی سواری یا گھوڑے وغیرہ پہ ہونا چاہیے تھا' مگر وہ پیدل چل رہا تھا۔

"رات کے اس پہر کوئی شخص کیوں پرانے قبرستان جائے گا؟"

اس کے ذہن میں گاؤں والوں کی باتیں گونجنے لگیں۔

بکلی راجپوتاں کا بھوت۔

ایک چغہ پوش جو رات کو پرانے قبرستان کے آس پاس منڈلاتا ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا تھا کہ وہ کوئی بھٹکی ہوئی آتما ہے اور روز رات کو کسی قبر کو پھاڑ کر نکلتی ہے اور پھر صبح ہونے سے قبل دوبارہ کوئی قبر کھود کر اندر خود کو دفن کر لیتی ہے۔ قبرستان میں کھدائی کے آثار تھے' جس سے لوگوں نے شروع شروع میں یہی قیاس ظاہر کیا اور جیسے جیسے بات پھیلی گاؤں والوں نے رات تو کیا دن میں بھی ادھر جانا چھوڑ دیا۔

وہ چغہ پوش کون تھا' کہاں سے آیا تھا اور پرانے قبرستان میں وہ روز رات کو کیا کرتا تھا' یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

چوہدری منگل سنگھ کے ذہن میں انسان کا فطری تجسس بیدار ہوا۔ گھر جانے کا ارادہ ترک کر کے کچے راستے کی جانب بڑھ گیا۔

اس رات چاند نہیں نکلا تھا' تاروں کی روشنی میں منگل سنگھ کو وہ سیاہ ہیولہ یا سایہ سا نظر آ رہا تھا۔ ان دونوں کے بیچ فاصلہ بہت زیادہ تھا۔

سایہ درختوں کے جھنڈ کے ساتھ ساتھ ادھر ادھر دیکھتے احتیاط سے چل رہا تھا۔ منگل سنگھ دبے قدموں اس کے پیچھے چل دیا۔ اسے علم نہیں تھا کہ اس کا تعاقب بھی اسی طرح کچھ فاصلے سے ہو رہا ہے۔

تاریک سایہ پرانے قبرستان کے قریب جا کر رکا' ادھر ادھر دیکھا اور لکڑی کا پھاٹک دھکیلا۔ وہ بھاری چرچراہٹ کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔

سایا اندر داخل ہو گیا۔ شاید ابھی تک وہ اپنے تعاقب میں آتے منگل سنگھ سے بے خبر تھا۔

منگل سنگھ پھاٹک کے اس طرف کھڑا چند لمحے سوچتا رہا۔

قبرستان میں اس وقت ہُو کا عالم تھا۔ دور دور تک پھیلی قبریں اور فطری خوف' ایک لمحے کو تو منگل سنگھ کے دل نے کہا کہ لعنت بھیجو اس پہ اور بھاگ چلو۔ مگر دوسرے ہی لمحے اس نے جی کڑا کر اس چغہ پوش کو بے نقاب کرنے کا تہیہ کر لیا۔ دور سے اس کو ٹھیک سے تو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ مگر ایک بات کا اسے چند منٹوں میں ہی یقین ہو گیا تھا کہ وہ سایہ کوئی انسان تھا' بھوت نہیں۔

سایا اب برگد کے گھنے بوڑھے درخت کے نیچے پہنچ چکا تھا' اس کے ہاتھ میں کدال تھی اور اس کا ارادہ زمین کھودنے کا تھا۔

منگل سنگھ نے خود کو تسلی دی، واہ گرو کا نام لیا اور قبرستان میں قدم رکھ دیے۔

سایہ اب زمین پہ جھکا، لکیر کھینچ رہا تھا۔ اس کا سیاہ چغہ کافی کھلا سا تھا اور اس میں اس کی جسامت کا اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ سر پہ چغے کی ٹوپی تھی اور اس کی منگل سنگھ کی جانب کمر تھی۔

منگل سنگھ آہستہ آہستہ چلتا چغہ پوش کے سر پہ پہنچ گیا۔ آہٹ تھی یا کوئی اور احساس، چغہ پوش نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔

ٹوپی اس کے سر سے کھسک چکی تھی اور تاروں کی روشنی میں اس کا چہرہ واضح تھا۔ منگل سنگھ کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

چغہ پوش نے ایک دم کدال چھوڑ دی اور بھاگ کر درخت کی اوٹ لے لی۔ ایک لمحے کو تو منگل سنگھ کو اس حرکت کی وجہ سمجھ میں نہ آئی، وہ بمشکل ہی اس شاک سے نکل پا رہا تھا کہ ایک دم وہ سایہ یوں غائب بھی ہو گیا تھا۔ منگل سنگھ بے اختیار درخت کی جانب لپکا، مگر اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھ پاتا، کسی نے پیچھے سے کرپان کا وار کیا۔

پے در پے چند وار کر کے حملہ آور باہر کو بھاگ گیا، یہ یقینی تھا کہ حملہ آور۔۔۔ وہ "بھوت" نہیں دیکھا تھا۔

ویسے ہی وہ سایہ درخت کی اوٹ سے نکلا اور قریب آ کر منگل سنگھ کا چہرہ دیکھا۔ وہ چند منٹ کا مہمان تھا، یہ اس کی حالت سے ظاہر تھا۔

"معاف کرنا مجھے تمہاری موت کا افسوس ہوا ہے، اگر تمہیں کوئی بچانے آ جائے تو اسے کہنا کہ آئندہ جو بھی راجپوتوں کے بھوت کا پیچھا کرے گا، اس کا انجام یہ ہی ہو گا۔"

چند لمحے بعد سایہ کچے راستے پہ گم ہو چکا تھا۔ منگل سنگھ ابھی تک پڑا کراہ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"مایا دیوی۔۔۔ مایا دیوی۔" روپ وتی بھاگتی ہوئی بدحواس سی اس کے کمرے تک آئی۔

وہ سنگھار میز کے سامنے بیٹھی بالوں کی چوٹی گوندھ رہی تھی۔ شاید گاؤں میں مایا کے پاس کرنے کو اور کوئی کام نہیں تھا۔

"کیا ہو گیا روپا؟" چوٹی کے بل ڈالتے ہوئے اس نے تنقیدی نگاہوں سے خود کو آئینے میں دیکھا۔

"مایا دیوی۔۔۔ وہ۔" بھاگنے کے باعث روپ وتی کی سانس چڑھ گئی تھی۔ "وہ چوہدری ہری سنگھ کا بیٹا۔۔۔ وہ۔"

"وہ کیا؟" اس نے ہاتھ بالوں میں روک کر گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔

"وہ چوہدری ہری سنگھ کے بیٹے کو بھوت نے قتل کر دیا ہے۔ اس کی لاش پرانے قبرستان سے ملی ہے۔"

"کیا؟" وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "بھوت نے قتل کر دیا؟ مگر کب، کیسے؟" وہ حیران پریشان سی کھڑی تھی۔

"رات کو کسی وقت جی۔"

"مائی گڈنیس۔" وہ حیرت سے کچھ بول نہیں پا رہی تھی۔ "اِٹس ٹیریبل۔ میں تو سمجھی تھی وہ کوئی چور اچکا ہو گا، مگر۔۔۔"

"وہ بھٹکی ہوئی آتما ہے جی۔ اب تو آ گیا نا آپ کو یقین؟"

"مگر روپا، قتل کیسے ہوا ہے؟ کیا گولی ماری ہے؟"

"پتا نہیں جی، پولیس کا کہنا ہے کہ کسی تیز دھار آلے سے وار کیا گیا ہے۔ ابھی لاش کا وہ نہیں ہوا۔" وہ جیسے لفظ یاد کرنے لگی۔

"پوسٹ مارٹم؟" مایا نے فوراً کہا۔ روپ وتی سر ہلانے لگی۔

"مگر اس کا کیا ثبوت ہے یا تم لوگ کیسے یہ کہہ رہے ہو کہ قتل بھوت نے ہی کیا ہے؟"

"بدر غازان نے خود سنا ہے، مرتے سمے چوہدری منگل سنگھ نے بھوت کا ہی ذکر کیا ہے۔"

"بدر غازان؟" وہ بری طرح چونکی۔

"جی، ملکوں کا بیٹا، بدر غازان۔"

"وہ ادھر کیا کر رہا تھا؟" وہ تیزی سے بولی۔

"وہ ساتھ والے گاؤں سے واپس آرہا تھا اپنے گھوڑے پہ، پرانے قبرستان کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے منگل سنگھ کی چیخوں کی آواز سنی۔ وہ پہنچا تو منگل سنگھ کا آخری سانس تھا۔"

"اور آخری سانس میں منگل سنگھ نے پورے صفحے کا بیان بھی دے دیا؟"

"پتا نہیں جی میں نے تو منشی کرم دین سے سنا ہے کہ منگل سنگھ نے بدر غازان کو بھوت کا بتایا ہے، بدر کسی سے ذکر کر رہا تھا۔"

مایا شش و پنج میں مبتلا کھڑی اسے دیکھتی رہی پھر سر جھٹک کر کھڑکی کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

"عجیب سی بات ہے۔ آدھی رات کو قبرستان میں قتل ہو جاتا ہے جو بقول تم لوگوں کے، کوئی سو کالڈ بھوت کرتا ہے اور پھر اتنا اتفاق کہ عین موقع پہ بدر غازان پہنچ جاتا ہے اور مقتول سے نزعی بیان بھی لے لیتا ہے۔" وہ مشکوک سی نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"اونہوں، کہیں کچھ غلط ضرور ہے۔"

"کیا غلط ہے مہارانی جی۔ مجھے تو سمجھ نہیں آرہا۔"

"سوال یہ ہے کہ روپا کہ اتنی رات کو بدر غازان قبرستان میں کیا کر رہا تھا۔"

"چھوٹا ملک دوسرے گاؤں سے آرہا تھا۔"

"کون چھوٹا ملک؟"

"بدر بابو۔ وہ دوسرے گاؤں سے آرہا تھا۔" روپ وتی نے دہرایا۔

"پتا نہیں روپا، مگر بار بار میرے ذہن میں ایک شک سا ابھر رہا ہے۔" وہ کھڑکی کے باہر نگاہیں جمائے سوچتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ بند شیشے کے اس پار گاؤں کی زندگی رواں دواں تھی۔

"کیسا شک مایا دیوی؟"

"کہیں نہ کہیں کچھ غلط ضرور ہے۔ یہ بدر غازان مجھے کچھ۔۔۔" پھر گردن پھیر کر اسے دیکھا اور کہتے کہتے رک گئی۔ "کچھ نہیں تم جاؤ۔"

اور روپ وتی اس کی ادھوری بات کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرتی الٹے قدموں واپس مڑی۔

"سنو۔"

روپا جاتے جاتے پلٹی۔

"جی مہارانی جی؟"

"یہ ملکوں کی حویلی کس طرف ہے؟"

"قریب ہی ہے جی، کھیتوں سے گزر کر جانا پڑتا ہے۔"

"اچھا۔۔۔ ٹھیک۔ چلنا پھر میرے ساتھ۔"

"ابھی؟" روپا حیران ہوئی۔

"اونہوں۔" وہ پھر سے کھڑکی کے پار دیکھنے لگی۔

"کچھ دن تک چلیں گے۔" روپ وتی سر جھکائے کمرے سے باہر نکل آئی۔ دروازہ بند کرتے ہوئے مایا کی دھیمی بڑبڑاہٹ اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔

"میں بھی دیکھتی ہوں، آخر کون سورما ہے، جو بھوت بن کر لوگوں کی زندگیوں سے کھیل رہا ہے۔" روپ وتی نے دروازہ بند کر دیا۔

☼ ☼ ☼

"ایک بات سمجھ میں نہیں آتی اجے۔" اس کا کھانا برتنوں میں نکالتے ہوئے روپ وتی غمگین سی بولی۔ اس کی آواز میں کسی حسین خواب کے ٹوٹنے کا غم تھا۔ اجے نے برتن اپنی طرف کرتے کرتے رک کر اسے دیکھا۔ وہ کنفیوژڈ سی کسی گہری سوچ میں گم تھی۔

"کیا بات سمجھ میں نہیں آرہی؟" اجے شاید کھانا کھانے کا ارادہ ترک کر چکا تھا۔ روپا پریشان ہوا اس سے یہ برداشت نہ ہوتا تھا۔ وہ کئی برس سے روپ وتی کے ہمراہ حویلی میں ملازم تھا اور اس کی فطرت کو بخوبی سمجھتا تھا۔ وہ آج بہت غم زدہ لگ رہی تھی۔

"ایک بات تو بتاؤ۔" اس نے جیسے اجے کا سوال سنا ہی نہیں تھا۔ "تمہیں کس نے کہا کہ بدر بابو نے منگل سنگھ کے منہ سے بھوت کا ذکر سنا ہے۔"

"منشی کرم دین سے۔"

"تمہیں منشی کرم دین کی بات پہ کتنا اعتبار ہے؟"

"وہ راست گو انسان ہے، میں اسے عرصے سے جانتا ہوں۔ مگر۔"

"کیا منشی کرم دین کو بدر غازان نے خود یہ بات بتائی ہے؟"

"نہیں، وہ کسی سے کہہ رہا تھا، منشی نے سنا ہے۔"

"کیا منشی جھوٹ نہیں بول سکتا ہے؟"

"منشی کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟" روپا کے سوال اب اسے پریشان کر رہے تھے۔

"مگر ہو سکتا ہے بدر غازان نے مرتے سے منگل سنگھ سے بات ہی نہ کی ہو۔"

"اس نے خود تھانے دار کو بتایا ہے کہ اس نے منگل سنگھ کے منہ سے کیا سنا ہے۔"

"کس نے؟"

"چھوٹے ملک نے۔" روپا ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی۔

"چھوٹے ملک نے خود یہ بیان دیا ہے تھانے دار کو اجے؟"

"ہاں روپا مگر ہوا کیا ہے؟"

"سوال یہ ہے کہ اجے کہ چھوٹا ملک اس وقت قبرستان [illegible] کیا کر رہا تھا؟"

"مگر یہ سوال کس نے کیا ہے؟"

"کسی نے بھی کیا ہو، کچھ گڑبڑ تو ہے نا اجے۔"

"کیا گڑبڑ ہے اس میں۔ چھوٹا ملک سفر سے لوٹا تھا، دیر سویر ہو ہی جاتی ہے۔" روپ وتی نفی میں سر ہلاتی گردن جھکائے برتن سمیٹنے لگی۔

"بس اجے، یہ بدر غازان اتنا اچھا آدمی ہے نہیں جتنا خود کو ظاہر کرتا ہے۔" اس کی آواز میں دکھ بھرا تھا۔

"وہ اچھا آدمی ہے روپا، تم راجپوتوں کی باتوں میں نہ آؤ۔"

"پر مایا دیوی راجپوت نہیں ہیں۔" وہ بے اختیار بولی۔

"تو یہ سب تم سے مایا دیوی نے کہا ہے؟"

"وہ کہنا نہیں چاہتی تھیں، سو انہوں نے بات لبوں پہ [illegible]"

"لیکن مایا دیوی ایسی بات کیوں کریں گی؟" اجے سوچ میں پڑ گیا۔
"کوئی تو بات ہوگی اجے۔"
"چھوڑو روپا' مایا دیوی کو گاؤں کے لوگوں کا کیا پتا۔ انہیں تو باہر دو قدم تک جانے کے لیے تمہارا سہارا چاہیے ہوتا ہے' کہیں حویلی سے باہر گاؤں کے رستے تک تو پتا نہیں' یہاں کے معاملوں کا کیا پتا ہوگا۔"
مگر روپا مسلسل نفی میں سر ہلا رہی تھی۔
"کچھ تو ہے اجے۔" پھر سر جھٹک کر کام میں مصروف ہوگئی۔

☆ ☆ ☆

"بدر غازان سے ملنا ہے۔" بس اسے اتنا کہنا پڑا اور ملکوں کے ملازم پورے پروٹوکول سے اسے اور روپا کو مہمان خانے میں لے آئے۔ یقیناً بدر نے ٹھاکر کی بہو کے لیے کوئی خصوصی ہدایت دے رکھی تھی۔
ملکوں کی حویلی مایا کی توقع سے بڑھ کر عالی شان اور خوب صورتی سے آراستہ تھی۔ اس کی آرائش و زیبائش میں جدید انگریزی طرز کی جھلک تھی' شاید اس لیے کہ بدر غازان انگلستان سے پڑھ کر آیا تھا اور اس نے ایک دیسی حویلی کو دلی کے کسی انگریز اعلیٰ افسر کے بنگلے کی طرز پہ آراستہ کر لیا تھا۔
"آپ اندر تشریف رکھیے' چھوٹے ملک ابھی آتے ہیں۔"
"وہ ہیں کدھر؟" مایا نے واپس مڑتی ملازمہ کو روک دیا۔
"اپنے اصطبل میں' ان کا گھوڑا بیمار ہے' امرتسر سے ایک ڈاکٹر کو بلایا ہے' ابھی اسی کے ساتھ ہیں۔"
"روپا! تم یہیں ٹھہرو' میں وہیں چلی جاتی ہوں۔"
وہ ملازمہ کو کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر باہر نکل آئی۔ اصطبل حویلی کی پچھلی طرف تھا' اسے اچھا خاصا چلنا پڑا تھا۔
ملازمہ اسے اصطبل کے احاطے کے آغاز پہ چھوڑ کر چلی گئی۔
اصطبل خاصا وسیع تھا۔ تین اطراف میں گھوڑے قطاروں میں بندھے تھے۔ وہ چوکھٹ پہ کھڑی سامنے دیکھنے لگی' جہاں بدر مخالف سمت سے ایک ملازم کے ہمراہ چلتا آ رہا تھا۔
شاید وہ ابھی ابھی گھوڑے کا معائنہ کرکے ہٹا تھا۔ آستینیں فولڈ کرکے کہنیوں تک چڑھا رکھی تھیں اور مسلسل قدرے برہمی سے ملازم کو کچھ کہہ رہا تھا' وہ تب ہی اچانک ۔۔۔ اس کی نگاہ چوکھٹ میں پاؤں تک آتا لمبا سا سفید فراک پہنے اس لڑکی پہ پڑی۔ وہ بولتے بولتے رک گیا۔ چہرے پہ خوش گوار حیرت اتر آئی تھی۔
ملازم کو جانے کا کہہ کر وہ ہاتھ جھاڑتا اس کی طرف آیا۔
"آپ؟" وہ ابھی تک حیران تھا۔
"ہاں' میں!" وہ کہہ کر بے نیازی سے ادھر ادھر بندھے گھوڑوں کا جائزہ لینے لگی۔ اس کے فراک کی آستینیں کافی چھوٹی تھیں اور دودھیا سنہری بازو دھوپ میں مزید سنہری لگ رہے تھے۔
"مجھے خوشی ہوئی کہ آپ مجھ سے ملنے آئیں۔"
"مگر میں تو اصطبل دیکھنے آئی ہوں۔" وہ دھیرے سے ہنس دیا۔ مایا کی برجستگی اسے محظوظ کرتی تھی۔
"تو پھر میں آپ کو اصطبل دکھاتا ہوں۔ انہیں دیکھ کر راجپوتوں کے گھوڑے بھول جائیں گی آپ۔"
"بہت لگتی ہے تمہاری راجپوتوں کے ساتھ؟" وہ دونوں باڑے کے ساتھ ساتھ چلنے لگے تھے۔
"معذرت کے ساتھ' مگر ٹھاکر رگھوناتھ کا خاندان اس گاؤں کے ماتھے پہ بہت بڑا کلنک ہے۔"
"مگر میں نے تو گاؤں میں ایسی کوئی بات نہیں دیکھی۔"
"آپ نے ابھی گاؤں دیکھا ہی کہاں ہے؟" وہ مسکرا کر اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ وہ شانے اچکا کر آگے بڑھ گئی۔

بدرو ہیں کھڑا رخ پھیرے اسے دیکھنے لگا۔

"تمہارے اور ٹھاکروں کے درمیان جھگڑے کی وجہ کیا ہے؟" وہ جھک کر ایک گھوڑے کی پیشانی پہ نرمی سے ہاتھ پھیر رہی تھی۔

"وہ ہندو ہیں مایا دیوی، اور ہم مسلمان۔ وہ dominant ہیں اور اسی ___ حاکمیت کا فائدہ اٹھا کر مسلمانوں پہ ظلم کرتے ہیں، مگر پچھلے کافی عرصے سے ان کو یہ ہمت نہیں ہوئی۔"

"ہوئی تو نہیں لیکن..." گھوڑے کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ بولی۔ "کیا ہو گی بھی نہیں؟"

"جب تک بیلی راجپوتاں کا بدر غازان زندہ ہے، انہیں یہ ہمت نہیں ہو گی۔" اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"بیلی راجپوتاں کا بدر غازان! دلچسپ نام ہے، کیا مطلب ہوا اس کا؟" وہ قطار میں بندھے گھوڑوں کو دیکھتے آگے چلتی جا رہی تھی۔

"بیلی کا مطلب مجھے معلوم نہیں، راجپوتاں البتہ یہاں کے سرکردہ راجپوت خاندان کے حوالے سے ہے جیسا کہ "کمبوہ" پنجاب کے دیہاتوں کے نام ہوتے ہیں۔ انگریز سرکار نے اس کا نام بدل کر کچھ اور کر دیا ہے مگر ہم اسے اسی پرانے نام سے پکارتے ہیں۔"

"مگر میں تو تمہارے نام کی بات کر رہی تھی۔" وہ بے اختیار ہنس دیا۔

"میں سمجھا اگر آپ یہاں محض اصطبل دیکھنے آئی ہیں تو تمام دلچسپی بھی اس بیلی راجپوتاں تک محدود ہو گی۔"

"اصطبل بھی تو تمہارا ہے۔" وہ اب ایک گھوڑے کے نسواری بالوں میں ہاتھ پھیر رہی تھی۔

"شکریہ۔ غازان میرے دادا کا نام تھا، ان کا انتقال میری پیدائش کے روز ہوا تھا، اسی لیے میرے ابا جی نے میرے نام کے ساتھ ان کا نام جوڑ دیا۔"

"اور اس کا مطلب؟"

"اگر مجھے علم ہوتا کہ بیلی راجپوتاں کی ملکہ کبھی مجھ سے یہ سوال کرے گی تو میں اس کا مطلب جاننے کی کوشش ضرور کرتا۔"

"تم اب بھی کر سکتے ہو۔" وہ نیچے بیٹھی جھک کر ایک مریل سے گھوڑے کو دیکھ رہی تھی۔ "یہ مجھے بیمار لگ رہا ہے۔"

"یہ بیمار ہے، اسی کے لیے ابھی ڈاکٹر بلایا تھا، ویسے سانپوں کے علاوہ گھوڑوں کو بھی بہت پہچانتی ہیں آپ۔" وہ چلتا ہوا اس کے عقب میں آ کھڑا ہوا۔

"کافی چہرہ شناس ہیں آپ۔"

"چہرہ نہیں، یہ آنکھیں ہوتی ہیں جو دل کا حال بتاتی ہیں۔"

"انسانوں کی آنکھیں پڑھ لیتی ہیں، مادام؟"

وہ ہاتھ جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"بہت اندر تک۔"

"اور اپنی آنکھیں؟"

"وہ میں پڑھنے نہیں دیتی۔"

اور بدر نے دیکھا، اس کی سنہری آنکھیں آج بھی بے تاثر تھیں۔ کوئی سوچ، کوئی خیال، کوئی نفرت، کوئی محبت، کوئی جذبہ نہیں تھا ان میں۔

"ایک بات تو بتاؤ۔" وہ پھر سے ساتھ ساتھ چلنے لگے تھے۔ "یہ چوہدری منگل سنگھ کا قتل کس نے کیا ہے؟"

"بیلی راجپوتاں کے بھوت نے۔"

"میں نے سنا ہے اس نے نزعی بیان تمہیں دیا ہے۔"

"آپ نے درست سنا ہے۔" وہ چلتے چلتے اصطبل کے کھلے دروازے تک آ گئے تھے۔

"تو کیا واقعی منگل سنگھ نے اعتراف کیا ہے کہ اسے مارنے والا بھوت تھا؟"

"نہیں۔" وہ ٹھٹک کر رک گئی۔ "تو پھر؟"

"وہ بھوت نہیں ہے مایا دیوی، وہ انسان ہے جو بھوت کا ڈھونگ رچا رہا ہے۔ مجھے اس کا نام منگل سنگھ نے بتا دیا ہے۔" وہ دروازے کی چوکھٹ پہ ہاتھ رکھے اس کا راستہ روکے کھڑا تھا۔

باقی آئندہ شمارے میں

بیلی راجپوتاں کا دوسرا بارسوخ خاندان ملکوں کا ہے جو مسلمان ہے۔ خاندان کا ولی عہد بدر عازان وجیہہ نوجوان ہے جس کی بہادری اور شجاعت پورے گاؤں میں مشہور ہے۔ راجپوتوں سے بالخصوص گوپال سے اس کی بالکل نہیں بنتی۔ بدر اعلا تعلیم باہر سے حاصل کرنے کے بعد اپنی زمینیں سنبھالتا ہے۔ اس کی منگنی تایا زاد زہرہ سے ہو چکی ہے۔ بدر عازان کو زہریلا سانپ کاٹتا ہے تو عین وقت پر مایا دیوی پہنچ کر اس کی جان بچاتی ہے۔ وہ مایا کی بہادری اور حکمت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ چوہدری منگل سنگھ کا جائیداد کے معاملے پر شوبھا سنگھ سے تنازعہ اتنا الجھتا ہے کہ شوبھا سنگھ اس کی جان لینے کے درپے ہو جاتا ہے۔ اس کے آدمی گھات لگائے رات گئے بیٹھ جاتے ہیں۔ منگل سنگھ کو گھر جاتے ہوئے پرانے قبرستان میں کسی کے داخل ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ قبرستان کے بھوت کا چرچا پورے گاؤں میں ہے۔ منگل سنگھ حقیقت جاننے کو اس اجنبی کا پیچھا کرتا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ اس پر قابو پاتا شوبھا سنگھ کے آدمی تیز دھار آلے سے اسے شدید زخمی کر دیتے ہیں۔ حملے سے قبل وہ اس اجنبی کی شکل دیکھ لیتا ہے۔ منگل سنگھ کی موت کے بعد گاؤں میں خبر پھیلتی ہے کہ بھوت نے منگل سنگھ کو مار ڈالا۔ یہ افواہ مایا دیوی کو بھی ششدر کر دیتی ہے۔ نوکرانی روپ وتی اسے بتاتی ہے کہ منگل سنگھ نے مرتے ہوئے بدر عازان کو یہ بات بتادی تھی۔ مایا دیوی حقیقت جاننے ملکوں کی حویلی پہنچ جاتی ہے۔ بدر اس کی آمد پر بے حد مسرور ہوتا ہے۔ بدر مایا دیوی کو بتاتا ہے کہ قبرستان کا بھوت درحقیقت ایک انسان ہے' جس کا نام منگل سنگھ مرتے ہوئے اسے بتا چکا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

دوسری قسط

"کیا واقعی؟" مایا کی آنکھوں میں تجسس و اشتیاق در آیا۔ "تو کون ہے وہ شخص؟"

"ایک انسان جس نے بھوت کا ڈھونگ اس لیے رچایا ہے تاکہ روز رات کو وہ پرانے قبرستان میں جا کر اپنا کام کر سکے بغیر کسی مداخلت کے۔"

"کیسا کام؟"

"[illegible] تک میں نہیں جان سکا۔ مگر پرانے قبرستان میں یقیناً" کچھ [illegible] ہے' جس کے لیے [illegible] کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ [illegible] کسی جرم کی نشانی' کسی [illegible] تلاش [illegible] کی لاش؟ اس سوال کا جواب ہمیں تب ملے گا جب ہم منگل سنگھ کے بتائے ہوئے نام پہ یقین کریں۔"

"تم مجھے وہ نام بتا سکتے ہو۔"

"آپ کیا کریں گی؟" وہ ہولے سے مسکرایا۔

"مجھے اس سارے قصے سے کسی سازش کی بو آ رہی ہے' اور اگر یہ واقعی کوئی بھوت نہیں ہے تو میں انگلستان جانے سے قبل اس گاؤں کے لوگوں کی محبت [illegible] انہیں اس عفریت سے نجات دلانا چاہتی ہوں جو معصوم جانوں سے کھیل رہا ہے۔"

"آپ کا قیاس کیا کہتا ہے؟"

"یہی کہ یہ کوئی کرمنل ہے اور اب تو یہ پولیس کیس بھی بن چکا ہے۔"

"پولیس کیس؟" بدر نے استہزائیہ سر جھٹکا۔

"گاؤں کا تو ہر مسئلہ تھانے دار اس کیس کو کوئی ہوائی چیز کی کارروائی کروا کر کب کا بند بھی کر چکا ہے۔"

"لیکن انگریز سرکار کو اصل معاملہ کون بتائے گا؟"

"میں بتاؤں گی' اور۔۔۔ اور تم بتاؤ گے۔ چوہدری منگل سنگھ نے کس کا نام لیا تھا؟"

"اگر وہ نام میں نے آپ کو بتا دیا تو آپ اس کیس کا بند رہنا ہی بہتر سمجھیں گی۔" وہ اداسی سے مسکرایا۔ مایا نے الجھنے سے اسے دیکھا۔

"تو کیا تم مجھے وہ نام نہیں بتاؤ گے؟"

"جب وقت آئے گا تو بتا دوں گا' مگر مجھے نہیں معلوم کہ آپ یقین کریں گی یا نہیں۔"

"میں کرلوں گی۔ تم مجھے کھرے آدمی لگتے ہو، مگر۔" وہ ایک لمحے کو رکی اور بغور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "تم آدھی رات کو قبرستان میں کیا کر رہے تھے؟"

بدر ہولے سے ہنس دیا۔

"اگر آپ یہ سمجھ رہی ہیں کہ وہ بھوت میں ہوں تو میرے پاس بہت ٹھوس ثبوت ہے۔ میں ساتھ والے گاؤں میں اپنے دوست کی شادی میں گیا ہوا تھا۔"

"ہوں۔" مایا نے مبہم سا سر ہلایا۔ بدر فیصلہ نہ کرسکا کہ اس کی بات پہ یقین آیا ہے یا نہیں۔

"اب میں چلوں گی۔"

"کھانا کھا کر جائیے۔ ملکوں کی حویلی سے مہمان ایسے نہیں لوٹتے۔"

"پھر کبھی سہی۔"

"یعنی آپ وعدہ کر رہی ہیں کہ پھر کبھی دوبارہ آئیں گی؟" اس نے مسکراتے ہوئے اس کا راستہ چھوڑا۔

"نہ وعدہ کر رہی ہوں اور نہ کوشش کروں گی۔ موڈ بنا تو آجاؤں گی۔" وہ اسی بے نیازی سے کہہ کر چوکھٹ پار کر گئی۔

وہ دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا دور اسے جاتے دیکھتا رہا۔

☼ ☼ ☼

اور اسی شام مایا کا گوپال سے سامنا ہوا۔

وہ اسٹول پہ بیٹھی پیانو کی کیز کو انگلیوں سے چھوتی فضا میں اداس نغمے بکھیر رہی تھی، جب کسی نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

وہ جو کسی اور دھیان، کسی اور دنیا میں تھی، کرنٹ کھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ پیچھے گوپال کھڑا تھا۔

"جی فرمائیے؟" ساڑھی کا پلو کندھے سے درست کرتی وہ ناگواری سے بولی۔ اسے گوپال کی یہ بے تکلفی اچھی نہیں لگی، اس کے چہرے سے ظاہر تھا۔

"آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔" پرسکون سی بازپرس کے پیچھے دبا دبا سا غصہ تھا۔

"پہلے کب آپ کو پوچھنے سے قبل اجازت درکار ہوئی ہے ٹھاکر صاحب؟" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ ترش ہو گیا۔

"آپ ملکوں کی حویلی گئی تھیں؟"

"ہاں گئی تھی۔"

"آپ جانتی ہیں مایا دیوی، ملکوں اور راجپوتوں کی دیرینہ دشمنی ہے۔"

"ہاں، جانتی ہوں۔"

"اور یہ بھی کہ راجپوتوں سے کوئی شخص کبھی ملکوں کی حویلی نہیں جاتا۔"

"مجھے سب علم ہے، وہ بھی جو آپ کو نہیں ہے۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولی تو گوپال ٹھٹکا۔ پھر سنبھل کر بولا۔

"اس کے باوجود آپ ملکوں کی حویلی گئیں؟"

"ہاں میں گئی تھی۔" وہ گردن اٹھائے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بات کر رہی تھی۔

"مگر کیوں؟" اشتعال سے گوپال کی آواز بلند ہونے لگی تھی۔

"اس لیے کہ..." مایا نے اطمینان سے ہاتھ سے بال پیچھے کیے۔ "میں راجپوت نہیں ہوں۔"

اس کے لہجے کا تفاخر گوپال کو اپنی انسلٹ محسوس ہوا، وہ بھڑک اٹھا۔

"آپ راجپوتوں کی بہو ہیں۔"

"تھی!" وہ سرد لہجے میں بولی۔ "شیکھر کی موت کے ساتھ سارے رشتے ختم ہو گئے۔ میں ایک آزاد برطانوی شہری ہوں اور جب تک ہندوستان برٹش راج کے تحت ہے، میں اس کے کسی بھی کونے میں جا سکتی ہوں، اس کے لیے مجھے ٹھاکروں کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ پلٹ کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی، سفید ساڑھی کا پلو اس کے پیچھے فرش پہ پھسلتا گیا۔

"جانتا ہوں مایا دیوی، بدر عازان خاصا خوب صورت مرد ہے، گاؤں کی بہت سی عورتیں اس پر فدا

ہار بیٹھی ہیں۔"

طنز بھرا نشتر تھا' مایا اطمینان سے واپس پلٹی۔

"جب گاؤں کی عورتیں کو دل ہارنے کے لیے بدر غازان اور گوپال رام جیسے امیرزادے ملے ہوں تو ظاہر ہے چوائس ان کے لیے خاصی آسان ہو جاتی ہے۔ سنا ہے بدر غازان نے مسلسل پانچ برس آپ کو نیزہ بازی کے مقابلے میں ہرایا ہے۔" اس کی دکھتی رگ پہ مایا نے ہاتھ رکھا تھا' وہ بھڑک اٹھا۔

"تم اس کی حویلی کے جتنے چکر لگالو' وہ مسلمان ہے اور تم عیسائی۔ وہ تم سے کبھی شادی نہیں کرے گا۔"

"شادی کرنی کس کو ہے؟" وہ چڑانے والے انداز میں مسکرائی۔

گوپال پاؤں پٹختا اس کے ایک طرف سے نکل گیا۔ مایا نے آرام سے فرش پہ گرا پلو اٹھایا اور اوپر سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

پرانا قبرستان ہر رات کی طرح اس رات بھی تاریک اور سنسان پڑا تھا۔ برگد کے بوڑھے درخت کا سایہ قبروں پہ چھایا ہوا تھا۔ اندھیرے میں خستہ حال قبریں اور بھی خوف ناک لگ رہی تھیں۔

ایک وجود قبرستان کے کونے میں کھڑا کدال سے مسلسل زمین کھود رہا تھا۔ گڑھا کئی فٹ گہرا کھد چکا تھا' جیسے کوئی کھلی ہوئی قبر ہو۔ اس کا سیاہ چغہ مٹی سے اٹ چکا تھا۔ مگر اس نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ اس کی کمر اور سر جھکے تھے اور ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے۔

تاریک آسمان پہ بادل اکٹھے ہو رہے تھے۔ ہوائیں تیزی سے چلنے لگی تھیں۔ برگد کی بوڑھی شاخیں جھولنے لگیں' زمین پہ گرے پتے دور تک اڑتے بکھرتے جا رہے تھے۔

چغہ پوش نے سر اٹھا کر اوپر آسمان کو دیکھا۔ وہاں وقفے وقفے سے بجلی چمک رہی تھی۔ جب بجلی چمکتی تو ایک لمحے کو پورا قبرستان روشنی میں نہا جاتا اور ایک کھلی قبر کے سرہانے کھڑا سایہ کوئی بھوت سا دکھتا تھا۔

ہوائیں تیز ہو گئیں' اور بوندا باندی شروع ہو گئی۔ اس نے تھکے تھکے انداز میں واپس مٹی بھرنا شروع کر دی۔ مسلسل تیز ہوتی بارش اور طوفانی ہوائیں اس کے عمل کو مشکل بنائے دے رہی تھیں۔ مٹی بھیگ کر کیچڑ بنتی جا رہی تھی۔

اس نے کچھ دیر مزید کوشش کی اور پھر جیسے تھک کر کدال چھوڑ دی۔ بجلی ایک لمحے کو زور سے چمکی۔

اس نے بے اختیار نڈھال سے انداز میں خود کو زمین پہ گرا لیا۔ چغہ کیچڑ میں لتھڑ گیا اور وہ سایہ خود میں سمٹتا سا گیا۔

بادل اسی طرح گرج رہے تھے' طوفان اپنے عروج پہ تھا۔ چغہ پوش نے کسی چھوٹے معصوم بچے کی طرح بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے اور سر ان میں چھپا کر ایک دم رونا شروع کر دیا۔

طوفان کی رفتار تیز ہوتی جا رہی تھی اور اس کے درمیان میں دبی دبی سسکیاں ابھر رہی تھیں۔ بہت تھکی تھکی' زخموں سے چور سسکیاں' دکھ اور ناکامی کی آخری سرحد کو چھوتی بے بس آہیں۔

"کدھر ڈھونڈوں میں اسے؟" ایک بھرپور انسان کی روتی آواز چغے میں سے ابھری۔ "کدھر تلاش کروں میں اسے؟ پورا قبرستان کھود ڈالا میں نے' مگر وہ کہیں نہیں ہے۔ میں کدھر ڈھونڈوں اسے؟ کوئی کونہ نہیں بچا جسے میں نے نہ کھودا ہو' پھر۔ پھر کہاں گیا وہ؟" سسکیاں بلند ہوتی جا رہی تھیں' جیسے کسی عزیز ترین شے کو کھو جانے پہ کوئی بین کر رہا ہو۔ "میری برسوں کی ریاضت رائیگاں چلی گئی۔ میری برسوں کی محنت ضائع ہو گئی۔"

کھلی قبر کے سرہانے بیٹھا وہ وجود ابھی تک رو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ دالان میں کرسی ڈالے کسی کتاب میں منہمک تھی۔ جاتی سردیوں کی نرم گرم دھوپ سارے میں بکھری تھی۔ اس کی کتاب پہ جھکی آنکھوں میں دم توڑتے سرما کے آخری سورج کا عکس تھا۔

"مہارانی جی، مہارانی جی۔" روپ وتی کوئی خبر دینے بھاگی آئی تھی مگر اسے دیکھ کر اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ "ہائے بھگوان، یہ کب پہنا آپ نے؟"

مایا نے کتاب سے نظریں اٹھا کر اس کی حیران نگاہوں کے تعاقب میں خود کو دیکھا۔

سفید چوڑی دار تنگ پاجامہ اور ہم رنگ لمبا سا کرتا، شانوں پہ پھیلایا بڑا سا بے داغ اجلا سفید دوپٹہ... اور سنہری بالوں کی ڈھیلی سے چوٹی سامنے کندھے پہ ڈالی ہوئی۔

"کیا تمہیں یہ خوب صورت نہیں لگا؟"

"ہائے نہیں دیوی جی، بہت سندر ہے۔" روپا اشتیاق سے اس کے چاروں اطراف میں گھوم کر اسے دیکھتی واپس اس کے سامنے آئی۔ "یہ خود سلوایا آپ نے؟" وہ جو بات کہنے آئی تھی، وہ بھول کر پوچھنے لگی۔ اس نے ابھی تک مایا کو ساڑھیوں اور مغربی لباس میں دیکھا تھا، یہ نیا روپ اس کے لیے بہت منفرد تھا۔

"اونہوں۔ تمہارے دہلی میں کسی نے **تحفتاً** دیا تھا۔" وہ پھر سے کتاب کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"ہمارا دہلی کیوں مہارانی جی، کیا دہلی آپ کو اپنا نہیں لگتا۔" روپا وہیں اس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

"کیا فائدہ ہندوستان کے شہروں کو اپنانے کا روپا؟ مجھے تو واپس انگلستان چلے جانا ہے چند دنوں میں۔"

روپ وتی نے کچھ سوچتے ہوئے اسے دیکھا۔ سفید کرتا پاجامہ پہنے کرسی پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھی وہ شہزادیوں کی تمکنت والی لڑکی کیا ٹھاکر گوپال راج کے نقل تھی؟

اس کے ذہن میں گزشتہ شام گوپال کی وہ باتیں گونجنے لگیں، جو اس نے اسے بطور خاص بلوا کر تنہائی میں کہی تھیں۔

"مایا تم پہ بہت بھروسہ کرتی ہے روپ وتی تمہیں بس اس کو اپنا ہم خیال بنانا ہے۔"

روپ وتی نے ایک چور نگاہ اس پہ ڈالی۔ وہ اسی طرح ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے کتاب پہ نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔

"کچھ کہنا چاہتی ہو روپا؟" وہ کتاب سے نظر ہٹائے بغیر پوچھنے لگی تو روپ وتی کو لگا اس کی چوری پکڑی گئی ہے۔

"کیا یہ ممکن نہیں ہے دیوی جی کہ آپ ہندوستان سے نہ جائیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ادھر رہ جائیں؟"

"جانے بھی دو روپا! شیکھر کے بعد کون ہے اب میرا؟"

"میں ہوں دیوی جی، اور آپ کی ساری زمین، جائیداد۔"

مایا استہزائیہ ہنس دی۔ "کیا **کمبنیشن** ہے، روپ وتی اور زمین، جائیداد۔"

"تو وہ بدر بابو بھی تو ہے نا۔"

"اس کا یہاں کیا ذکر؟" اسے اچھنبا ہوا۔ دھوپ اب کرسیوں سے سمٹ کر دالان کی دیواروں تک رہ گئی تھی۔

"اس نے کبھی کسی کو اہمیت نہیں دی، رئیسوں کی بیٹیاں اس پہ مرتی ہیں، مگر وہ بہت مغرور بندہ ہے، لیکن آپ کی بہت عزت کرتا ہے۔"

"تو اس نیزہ باز سے عزت کروانے میں ادھر رہ جاؤں؟" نگاہیں پھر سے صفحے پہ جھک گئیں۔

"آپ چلی گئیں تو میں اداس ہو جاؤں گی۔"

"تمہیں نئی مہارانی جلد مل جائے گی روپا۔"

روپ وتی کو سرا مل گیا تھا۔ وہ جلدی سے بولی۔ "تو آپ بن جائیں نا نئی مہارانی!"

مایا نے ایک دم کتاب بند کر دی۔ اس کے ذہن میں جیسے الارم سا بجا تھا۔

"میں کیسے بن سکتی ہوں تمہاری نئی مہارانی؟"

"چھوٹے ٹھاکر سے شادی کر کے! وہ آپ کو پسند کرتے ہیں، مجھے سب پتا ہے۔"

"مگر یہ بات تمہارے چھوٹے ٹھاکر نے خود تو مجھے نہیں کہی۔"

"آپ اشارہ دے دیں، وہ کہہ ڈالیں گے۔" روپا کا جوش دیدنی تھا۔

"میں کیوں اشارہ دوں؟ کہنا ہے تو خود کہیں۔" "میں

نے ہاتھ سے بال سنوارے۔ "جاؤ میرے شوفر سے کہو گاڑی تیار کرے، مجھے کہیں جانا ہے۔"

"میں بس ہنڈیا دیکھ لوں، پھر۔" روپا اٹھنے لگی۔

"تم نہیں روپا، میں اکیلی جاؤں گی۔" ایک جتاتی نگاہ اس پہ ڈال کر وہ کھڑی ہو گئی۔

"اکیلی؟" روپ وتی حیران سی کھڑی ہوئی۔

"ہاں، اکیلی اور میں بات دہرانے کی عادی نہیں ہوں۔"

وہ حویلی کے اندر چلی آئی، اور روپا وہیں فق چہرہ لیے اسے دور جاتے دیکھتی رہی۔

"تو اب ٹھاکر خادماؤں کو پیادے کے طور پر استعمال کریں گے۔" سیڑھیوں کے ساتھ کھڑی آئینے میں اپنا عکس دیکھتے وہ بڑبڑائی۔ "نہیں ٹھاکر گوپال راج، اتنی آسانی سے مایا فرنینڈس کو کوئی نگل نہیں سکتا۔" وہ خاموشی سے کھڑی کچھ سوچتی رہی۔

دفعتاً اس کے عکس کے پیچھے روپا کا چہرہ نمودار ہوا۔

"شوفر تیار ہے مہارانی جی۔" روپ وتی نے سر جھکا دیا۔ اس کی آواز بہت پست تھی۔ وہ جان گئی تھی کہ اس نے مایا کا اعتماد کھو دیا ہے۔

وہ کچھ کہے بغیر باہر آ گئی۔ اس کی موٹر اور شوفر تیار تھے۔ وہ اسی گاڑی میں دہلی سے یہاں تک آئی تھی، اور اپنے استعمال کے لیے یہ ہی گاڑی استعمال کرتی تھی۔

پھر تمام راستہ گاڑی میں بیٹھی کھڑکی سے باہر گاؤں کے کچے راستوں کو دیکھتی وہ کچھ سوچتی آئی تھی۔ اس کی سوچیں اس کے چہرے سے پڑھنا بہت مشکل تھا۔

شوفر نے موٹر امرود کے باغات کے سامنے روک دی۔ وہ ایک دفعہ پہلے شمکھر کے ہمراہ ادھر آئی تھی۔ شمکھر نے اسے بتایا تھا کہ کچی سڑک کے اس طرف والے باغ راجپوتوں، جبکہ دوسری جانب والے ملکوں کے ہیں۔

بہت روز بعد آج اسے تنہائی ملی تھی۔ وہ سینے پہ ہاتھ باندھے خاموشی سے گھنے درختوں کے درمیان چلتی گئی، جیسے کوئی صحرا میں بھٹکتا مسافر بغیر کسی منزل کے تعین کے یونہی ایک سمت میں بڑھتا چلا جائے۔

"مایا دیوی!" کوئی اس کے پیچھے آ کر بولا۔

وہ بہت آرام سے پلٹی۔

سامنے بدر کھڑا تھا۔ ہمیشہ کی طرح ہشاش بشاش اور وجیہہ۔

"راجپوتوں کے باغ میں ایک ملک کا کیا کام؟"

"نہیں ہے، تبھی تو ملک صرف اپنے اس باغ میں آیا ہے جہاں اسے بیلی راجپوتاں کی مہارانی کی آمد کی خبر ملی تھی۔"

"اچھا؟ یہ تمہارا باغ ہے؟" مایا نے لاپروائی سے شانے جھٹکے۔ "میں غلطی سے شاید اس سمت آ گئی۔ شمکھر کا باغ شاید سڑک کے اس طرف ہے۔"

"اسے شمکھر کا باغ کیوں کہتی ہیں؟ وہ تو اب آپ کی ملکیت ہیں۔" وہ دونوں درختوں کے درمیان کھڑے تھے۔ دھوپ درختوں کے بیچ سے چھن چھن کر ان تک آ رہی تھی۔ دور چڑیاں بول رہی تھیں۔

"مجھے ان زمینوں، جائیدادوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"شمکھر کی جائیداد اچھی خاصی قیمتی ہے مایا دیوی۔"

"میری رشتے کی دادی برطانیہ کی ملکہ ہے، اور تمہارا ہندوستان عظیم برطانوی نو آبادی۔ شمکھر کیا بدر عازان کی زمینیں بھی کوئین مدر کے راج میں آتی ہیں۔ تم ایک نو آبادی کے گاؤں کے ایک باغ کی قیمت ایک شہزادی کو گنوا رہے ہو؟" وہ ہلکا سا مسکرائی۔

"یہ غلطی پھر نہیں دہراؤں گا۔" وہ بھی جواباً مسکرا دیا۔

"تمہارے حق میں بہتر رہے گا۔" وہ درخت کی شاخ ہاتھ سے ہٹاتی آگے گزر گئی۔

"نہیں پہچانتی ہیں؟" شاخ ہاتھ میں پکڑے پکڑے مایا پلٹی۔ وہ درخت کے اس پار کھڑا تھا۔ ان دونوں کے درمیان گھنی شاخیں حائل تھیں۔

بدر نے اپنی ہتھیلی سامنے کی۔
مٹھی کے درمیان چند موتی جگمگا رہے تھے۔
مایا نے شاخ چھوڑ دی۔ وہ ہوا میں غوطہ کھا کر ہونے لگی پھر آہستہ آہستہ ساکن ہو گئی۔
"یاد نہیں۔" اس نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔
"جانتا تھا آپ کو یاد نہیں ہو گا۔"
"کس نے دیے تھے یہ موتی تمہیں؟" وہ انگلی پہ موتیوں کی لڑی مروڑ رہی تھی۔
"میں نے ایک مہارانی کو روکنا چاہا تھا' میرے ہاتھ میں اس کے بالوں میں جڑے چند موتی آئے تھے' اس نے کہا تھا یہ شاہی خاندان کا دستور ہے کہ جس نے ہاتھ رکھا' وہ اس کو دے دیا گیا' سو وہ موتی اس نے مجھے دے دیے۔" اس نے مٹھی بند کر کے ہاتھ گرا دیا۔
"تم نے صرف اس کے موتی کیوں چھوئے؟ تم کچھ بھی اپنے نام کروا سکتے تھے۔"
"اگر آپ میری جگہ ہوتیں اور کوئی ملکہ آپ کو چھونے پہ عطا کر دینے کا اختیار دے دیتی' تو آپ کیا کرتیں؟"
"اگر کوئین مدر مجھے یہ اختیار دے تو میں اس کا تاج لوں گی۔ مگر تم میری بات نہیں سمجھو گے۔"
"میری بات آپ بھی نہیں سمجھیں۔" وہ ڈلہوزی کی مٹی میں بکھرے موتی واپس جیب میں ڈال کر ٹہنیوں سے شاخیں ہٹاتے ہوئے اس تک آیا۔
"آپ کی موتیوں کی یہ لڑی بہت خوب صورت ہے۔ میں نے کبھی آپ کو اس کے بغیر نہیں دیکھا۔"
"تم مجھے اس کے بغیر دیکھو گے بھی نہیں۔"
"کیا کوئی خاص وجہ ہے؟"
"بہت خاص۔"
"کس نے دی تھی یہ آپ کو؟"
"میری تیرہویں سالگرہ پہ کوئین مدر نے دی تھی۔ جانتے ہو بدر۔ میں اسے کیوں پہنتی ہوں۔" وہ ایک درخت سے ٹیک لگائے سینے پہ ہاتھ باندھے پوچھ رہی تھی۔
"میں اسے اچھے شگون کے لیے پہنتی ہوں۔ جب تک یہ پاس ہے' خوش بختی کا ہما میرے سر پہ سایہ کیے رکھتا ہے۔ اگر کبھی تم ان موتیوں کو ٹوٹ کر بکھرتے دیکھو تو جان لینا کہ یا تو مایا نے دل ہار دیا۔ یا۔"
"یا؟" وہ منتظر تھا۔
"یا مایا نے جان ہار دی۔"
بدر نے ہاتھ بڑھا کر لڑی میں لگی بد صورت گرہ کو تھاما' اس کی انگلیاں مایا کے ملائم بالوں سے مس ہوئی تھیں۔
"ادھر کیا ہارا تھا؟" وہ گرہ تھام کر پوچھ رہا تھا۔
"اور اگر مجھے کبھی اس سے بہتر کچھ ایسا مل گیا جو خوش بختی کے ہما کو ہمیشہ میرے سر پہ رکھے' تو میں خود اسے توڑ دوں گی۔"
بدر نے گرہ چھوڑ دی۔ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ نظر انداز کر گئی ہے تو پھر نہیں بتائے گی۔
"آپ ہمیشہ سفید رنگ کیوں پہنتی ہیں؟"
وہ اب ساتھ ساتھ چلتے باغ کے باہر کی سمت بڑھ رہے تھے۔
"کیا یہ ہندوستان کی بیواؤں کا دستور نہیں ہے؟"
"مگر آپ تو۔"
"تمہارا بیمار گھوڑا کیسا ہے؟"
وہ مایا کی موٹر تک پہنچ گئے تھے۔ شوفر نے اسے دیکھتے ہی کار کا پچھلا دروازہ کھولا۔
"بہت بہتر۔ آپ پھر حویلی نہیں آئیں۔"
"مجھے آنا تھا کیا؟"
"ایک دعوت آپ پہ ادھار تھی۔"
"مگر میں نے کہا تھا' نہ وعدہ کروں گی' نہ کوشش تو پھر ادھار کیسا؟" وہ بیٹھ گئی تو شوفر نے دروازہ بند کر دیا۔
بدر نے بند کھڑکی کے اس پار بیٹھی اس لڑکی کو دیکھا' وہ اب سامنے دیکھ رہی تھی' جیسے وہ وہاں موجود ہی نہ ہو۔
شوفر نے گاڑی آگے بڑھا دی۔
وہ وہیں کھڑا دھول اڑاتی گاڑی کو دور جاتے دیکھتا

رہا۔

٭ ٭ ٭

چاچی سب کے دھلے ہوئے کپڑے ڈھیر سے علیحدہ کر رہی تھی۔ پاس ہی زہرہ دوسری چارپائی پہ بیٹھی تھی۔

بدر کی قمیص کی تہ لگاتے چاچی نے لمحے بھر کو زہرہ کا چہرہ غور سے دیکھا۔ وہ اس کے ہاتھوں میں بڑی ہوئی تھی، اس کے ایک ایک رنگ کو چاچی پہچانتی تھی۔ پچھلے چند روز سے وہ اسے بہت چپ چپ اور اکھڑی اکھڑی لگ رہی تھی۔

"زہرہ... اے زہرہ۔"

تہ کیے کپڑوں کا ڈھیر لگاتے چاچی نے اسے پکارا۔ وہ بے دلی سے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"جا شاباش یہ اس طرف والے کپڑے بدر کے کمرے میں رکھ آ۔"

"جنتے کو کہہ دو چاچی۔" وہ بے زاری سی بیٹھی رہی۔

"نہ بدر کا کام جنتے کو کیوں کہوں؟ تیرے ہوتے ہوئے کوئی اور کیوں کام کرے اس کا؟"

"مجھے نہیں پتا، بس مجھے بدر کا کوئی کام نہ کہا کرو۔" غصے سے بولتے بولتے اس کی آواز بھر آئی۔ چاچی نے دیکھا، اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے تھے۔

"زہرہ! ادھر میرے پاس آ۔" مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"زہرہ ادھر آ۔ مجھ سے کیا خفگی۔"

وہ سر جھکائے چاچی کے پاس آ بیٹھی۔

"بدر سے جھگڑا ہوا ہے؟"

"میرا کیوں ہوگا اب اس سے جھگڑا؟"

"اب؟" چاچی "اب" کے لفظ پہ چونک اٹھی۔ "اب کیا ہوا؟ بدر تو ویسا ہی ہے۔"

زہرہ نے نفی میں گردن ہلائی۔ "وہ ویسا نہیں رہا چاچی۔"

"مگر کیا ہو گیا ایسا؟" چاچی پریشان ہو گئی۔

"اب وہ انگریز میم جو آئی ہے گاؤں میں۔ اب بدر ... آنسو اس کی پلکوں سے لرز ... رہے تھے۔"

"تو شیکھر کی بیوی کی وجہ سے پریشان ہے؟"

"تو نہ ہوں؟"

"ارے او پگلی۔" چاچی ہنس دی۔ "وہ تو انگریز ہے اس کا ہم سے کیا جوڑ۔"

"جوڑ تو اس کا ٹھاکر شیکھر سے بھی نہیں تھا شادی تو پھر بھی اس نے کر لی تھی نا اس سے۔" زہرہ بہت دکھی تھی۔

"مگر تجھے اس سے کیا ڈر ہے؟ وہ تو واپس انگلستان چلی جائے گی۔"

"اور اگر وہ بدر کو ساتھ لے گئی تو؟"

"بدر کوئی بچہ ہے جو اسے ساتھ لے جائے گی، جھلی نہ ہو تو۔" چاچی دھلے ہوئے کپڑے تہ کرنے لگی۔

"تجھے نہیں پتا چاچی تو نے ابھی اس کو دیکھا نہیں ہے۔" زہرہ کی آنکھوں کے سامنے منڈیر پہ بیٹھی سنہری بالوں والی لڑکی آگئی۔

"کیا میری زہرہ سے زیادہ حسین ہے؟"

"نہیں چاچی، بہت حسین نہیں ہے مگر وہ ساحرہ ہے، اور تیری زہرہ کو سحر کرنا نہیں آتا۔" اس نے شکستگی سے سر جھکا دیا، آنسو اس کی ہتھیلی پہ گر رہے تھے۔

"تو غم نہ کر زہرہ! جب اتنے برس ولایت پڑھنے کے باوجود کوئی میم بدر کو نہیں پھنسا سکی تو چند دنوں میں یہ بھلا کیا کر لے گی؟ اگر بدر کو میموں کے چکر میں پڑنا ہوتا تو وہ بھی شیکھر کی طرح ایک میم اٹھا لاتا۔"

"اب تو بدر رہا ہے نا میم کے چکر میں۔ اس روز وہ کوئی آئی کل سر گھماتا رہا تھا وہ ہمارے باغ میں آئی اور بدر اسے لے کر گھوماتا رہا۔ کبھی مجھے تو باغ کی سیر نہیں کرائی، سارا غصہ اور رعب میرے لیے ہے اس سے تو ہنس کر بات کرتا ہے؟"

"غصہ اپنوں پہ ہی کیا جاتا ہے، انسان حق اپنوں پہ ہی جتاتا ہے، پرائی لڑکی کو وہ کیا کہہ سکتا ہے۔ تو غم نہ کر یہ گوری میمیں زیادہ دیر ٹکنے والی نہیں ہوتیں۔ دیکھی

کیسے ابھی شیکھر مرا اور ابھی وہ اونے پونے زمین بیچ کر واپس جا رہی ہے؟ جب اتنی بڑی جائیداد اس کا راستہ نہیں روک سکی، تو ایک بدر کے لیے وہ کیسے رک جائے گی؟ ان انگریزوں کو محبت، رشتوں کا کیا پتا بھلا؟ شیکھر کی بات اور تھی، وہ شہر میں رہتا تھا، اگر یہ لڑکی گاؤں میں رہنے والی ہوتی تو شیکھر اس کے لیے الگ سے شہر میں کوٹھیاں کیوں بناتا؟ پہلے دن ہی گاؤں میں نہ لے آتا؟ تو بھی کس کا غم کر رہی ہے زہرہ! جانے دے اس کو، نظر انداز کر۔ اس نے چند دن میں چلے جانا ہے، اور بدر کہاں ماں کی بات ٹالتا ہے۔ اس گھر کی بہو صرف تو بنے گی، یہ تو بچپن سے طے ہے۔ اب جا یہ کپڑے جا کر بدر کے کمرے میں رکھ آ۔"

بات زہرہ کے دل کو لگی تھی، وہ ایک دم ہلکی پھلکی ہو گئی تھی، اور آنسو صاف کرتی کپڑے اٹھا کر اندر چلی گئی۔

چاچی باقی ڈھیر کو دوسری چارپائی پہ رکھنے لگی۔

✲ ✲ ✲

وہ پلنگ پہ آڑی ترچھی لیٹی تھی۔ سپید بازو سے آنکھوں کو ڈھانپ رکھا تھا۔ شب خوابی کا گلابی رنگ کا لباس اس کے ٹخنوں سے کچھ اوپر تک آتا تھا، اور دودھیا بے داغ پاؤں بستر سے نیچے لٹک رہے تھے۔

وہ سو نہیں رہی تھی، یونہی لیٹی کچھ سوچے جا رہی تھی۔

ایک دم اسے لگا کسی نے ہولے سے ٹخنے سے کچھ اوپر اس کی پنڈلی پہ ہاتھ رکھا ہے۔ ایک جھٹکے سے مایا اٹھ بیٹھی۔

گوپال پلنگ کی پائنتی کے قریب کھڑا تھا۔

"آپ ادھر کیا کر رہے ہیں؟" وہ ناگواری سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی اور وال کلاک کو دیکھا۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔

"بوریت محسوس ہو رہی تھی، سوچا آپ سے گپ شپ لگائی جائے۔" اس کی آنکھیں ہلکی ہلکی سرخ تھیں، شاید وہ نشے میں تھا۔

"رات کے ایک بجے آپ کو گپ شپ لگانے کا خیال کیوں آیا؟" اس کے اندر غصے کی لہر اٹھی تھی۔

"کیا میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا؟" وہ دو قدم آگے بڑھا۔

مایا پیچھے ہٹی۔

"آپ ابھی اور اسی وقت یہاں سے تشریف لے جائیں۔" غصے سے اس کی آواز بلند ہونے لگی۔

"مایا دیوی ہم مل بیٹھ کر۔۔۔" وہ چند قدم مزید اس کے قریب آیا۔

"مل بیٹھ کر کیا؟" مایا نے ایک دم اسے کہنی سے پکڑا اور دھکیلتی ہوئی دروازے تک لائی اور پیشتر اس سے کہ وہ سنبھل پاتا، اس نے اسے باہر دھکا دے دیا۔ "آئندہ ایسی ہمت بھی کی تو دیکھنا، مایا فرینڈز کو تم ابھی جانتے نہیں ہو۔"

اور پھر تیزی سے دروازہ بند کر کے اس نے چٹخنی چڑھا دی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

وہ وہیں دروازے سے لگی نیچے بیٹھتی چلی گئی۔

"کب آیا یہ میرے کمرے میں؟ مجھے پتا کیوں نہ چلا۔ آج جو کچھ ہو جاتا تو۔۔۔" وہ بڑبڑا رہی تھی، آہستہ آہستہ اس کی بڑبڑاہٹ دھیمی پڑتی گئی۔

اس نے سر گھٹنوں پہ رکھ دیا۔

"شیکھر، تم کیوں مر گئے؟ تم کیوں مجھے اکیلا کر گئے؟"

✲ ✲ ✲

اور اس شام بہت اچانک سے وہ بدر کو پھر نظر آ گئی۔

وہ کسی کام سے اپنی زمینوں کی طرف جا رہا تھا، جب کنویں کے قریب سے گزرتے ہوئے اسے ایک لڑکی کی پشت پہ جھولتی سنہری چوٹی دکھائی دی۔

اس نے گھوڑے کی لگام کھینچ لی۔

وہ کنویں کی منڈیر پہ بیٹھی تھی، اس کی بدر کی جانب کمر تھی۔ بالکل گم صم سی بیٹھی سر اٹھائے آسمان کو دیکھ رہی تھی۔

وہ گھوڑے سے اتر آیا۔

"کیا ٹھاکروں نے اب مہارانیوں سے پانی بھرنے کا کام لینا شروع کر دیا ہے؟" بہت آہستہ سے وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

مایا چونک کر کھڑی ہوئی۔ پہلی دفعہ تھا' جب بدر نے اسے یوں چونکتے دیکھا تھا' ورنہ وہ ہمیشہ بہت پر سکون رہا کرتی تھی۔

"مہارانیاں اپنی مرضی سے گھوم پھر تو سکتی ہیں۔" وہ سنبھل کر مسکرا دی مگر بدر کو اس کی مسکراہٹ بہت پھیکی لگی۔

اس نے بغور مایا کو دیکھا۔

اس نے آج پھر سفید کرتا پاجاما اور بڑا سا سفید دوپٹہ لے رکھا تھا۔ چہرے پہ سنہری لٹیں گر رہی تھیں' اور وہ بار بار انگلیوں سے انہیں کانوں کے پیچھے اڑس رہی تھی۔ بدر کو وہ کچھ پریشان سی لگی۔

"طبیعت ناساز ہے مہارانی جی؟"

"ہوں؟" وہ جیسے پھر چونکی' اور نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں تو ہرگز نہیں۔" اس کی ازلی برجستگی آج مفقود تھی۔

پھر وہ واپس منڈیر پہ بیٹھ گئی' بدر بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا' دونوں کی پشت پہ گہرا کنواں تھا' اور کنویں کے اس طرف اس کا سفید گھوڑا گردن جھکائے جھاڑیوں میں منہ مار رہا تھا۔

پھر کتنے ہی پل یونہی خاموشی سے سرکتے رہے۔ بیلی راجپوتاں کی ٹھنڈی میٹھی شام ڈوب رہی تھی۔ کنویں کے ساتھ بڑا سا بیری کا درخت تھا' جس کے کچے بیر ان کے قدموں میں بکھرے پڑے تھے۔ وہ دونوں کتنی ہی دیر ڈوبتی شام کی دم توڑتی دھڑکنوں کی آواز سنتے رہے' پھر بدر نے خاموشی توڑی۔

"کچھ پریشان لگ رہی ہیں۔"

"نہیں تو۔" مایا نے سر جھکا دیا۔ وہ جوتے سے زمین پہ گرے بیر ادھر ادھر کر رہی تھی۔

"کوئی مسئلہ ہے کیا؟"

"اونہوں۔" وہ اسی طرح اضطراری انداز میں انگلیاں چٹخا رہی تھی۔

"ایک بات کہوں مایا دیوی؟"

وہ پھر سے چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ "کہو۔"

"اس گاؤں میں بہت سے لوگوں سے آپ کے اچھے تعلقات ہوں گے' مگر ایک بات یاد رکھیے گا' یہاں آپ کے خیر خواہ بہت کم ہوں گے۔"

مایا نے سر شکستگی سے جھکا دیا۔ آج وہ بہت تھکی تھکی لگ رہی تھی۔

"اور اس طرح تنہا ادھر نہ گھوما کریں۔ کسی کو ساتھ لایا کریں۔"

"مجھے ٹھاکروں کی خادماؤں پہ بھروسا نہیں ہے۔"

"اور مجھے گاؤں کی فضا پہ بھروسا نہیں ہے۔ آپ جانتی ہیں ایک سو کالڈ بھوت یہاں پھر رہا ہے۔ وہ آپ کو نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔ جتنا میں اسے جانتا ہوں' وہ آپ کی جان کے لیے خطرہ ہو سکتا ہے۔ اسی لیے کہہ رہا ہوں' یہاں آپ کے خیر خواہ بہت کم ہیں۔" وہ نرمی سے سمجھا رہا تھا۔

اس کی سنہری آنکھوں میں پانی تیرنے لگا۔ "کیا واقعی شیکھر کے بعد یہاں میرا کوئی خیر خواہ بچا ہے؟"

"شیکھر سے شادی کیوں کی تھی آپ نے؟ آپ کا اور اس کا جوڑ نہیں تھا۔" مایا نے سر اٹھا کر سامنے دیکھا۔

دور افق پہ بادل ٹھہرے تھے' ان کے کنارے ڈوبتے سورج کی آخری کرنوں سے سرخ پڑ رہے تھے۔

"محبت یہ سب نہیں دیکھتی بدر!"

"مگر کم از کم اس کو تو دیکھتی ہے' جس سے محبت کی جا رہی ہو۔"

مایا نے اداس مسکراہٹ سے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ رقابت کا جذبہ کہیں نہ کہیں اس کی آنکھوں سے چھلکتا تھا۔

"ہاں' اسی کو تو دیکھا تھا۔" وہ پھر سے سامنے دیکھنے لگی۔ نارنجی بادلوں کے سامنے سے پرندوں کا ایک غول اڑ رہا تھا۔

"مگر کیا دیکھا تھا؟ آپ برطانیہ کی شہزادی' اور شیکھر ہندوستان کا ایک ایسا رئیس زادہ جس جیسے

ہزاروں رئیس زادے یہاں بکھرے پڑے ہیں۔"

وہ سامنے پرندوں کے غول کو دیکھتی زخم خوردہ سی مسکرادی۔

"تم کیا جانو نیزہ باز لڑکے! میں نے اس میں کیا دیکھا تھا، وہ جو ہندوستان کے کسی رئیس کے پاس نہیں تھا۔ تم جان گئے تو شاید صدیوں اپنی جگہ سے ہل نہیں سکو گے۔"

"اور کیا تھا وہ؟"

مایا منڈیر سے اٹھی اور جھک کر بیر چننے لگی۔ پانچ موٹے موٹے بیر چن کر وہ سیدھی ہوئی۔

"یہ دیکھو۔" اس نے پانچ بیر ہتھیلی پہ رکھے اور ہتھیلی بدر کے سامنے کی۔

"اگر میں ان بیروں کو باری باری چاروں اطراف میں پھینکوں ایسے ..." اس نے ایک ایک کر کے چاروں بیر پوری قوت سے شمال، جنوب، مشرق اور مغرب کی طرف اچھالے، چاروں بیر کمپاس کی سوئیوں کی طرح دور جا گرے۔

اس نے آخری بیر اوپر آسمان کی جانب اچھالا۔ بیر تیزی سے ہوا میں اوپر اٹھتا گیا۔ مایا اور بدر گردن اوپر اٹھائے اسے دیکھتے رہے۔ وہ کافی اوپر جا کر ایک ثانیے کو ہوا میں ٹھہرا اور پھر نیچے آن گرا۔

"دیکھا تھا اس بلند ترین پوائنٹ کو جہاں وہ بیر جا کر ٹھہرا تھا؟" بدر نے کسی معمول کی طرح سر ہلا دیا۔

"اور وہ چاروں بیر دیکھے تھے جو دور دور جا گرے، جیسے کسی چوکور کے چار کونے ہوں۔ اب تم ریاضی کی کسی تصویر کی طرح ان چاروں بیروں کو لکیروں سے جوڑ دو اور سمجھو کہ ان لکیروں کی جگہ بلند دیواریں ہیں جو اوپر اس پوائنٹ تک جاتی ہیں، جہاں تک آخری وہ بیر گیا تھا، پھر تم اس چوکور کو اوپر سے نیچے تک سونے، چاندی اور جواہرات سے بھر دو، تب بھی، یہ تمام قیمتی جواہرات مل کر بھی اس کو برابر نہیں کر سکتے، جو میں نے شیلم میں دیکھا تھا۔" وہ واپس منڈیر پہ بیٹھ گئی۔

"اور آپ کو لگتا ہے کہ شیلم کو بھی آپ سے اتنی ہی محبت تھی جس کے آگے دنیا کی تمام دولت کا ڈھیر ہیچ ہے؟"

"ہاں، بالکل!" وہ فخر سے مسکرائی۔ اسی پل ایک تتلی اس کے چہرے کے سامنے سے گزری، مایا چونکی پھر ہاتھ بڑھا کر تتلی کو تھامنا چاہا، مگر وہ اڑ گئی۔ وہ ایک دم اس کے پیچھے دوڑی گئی۔ تتلی بیری کے درخت کے پیچھے چھپنے لگی، مگر مایا نے کسی معصوم شرارتی بچے کی طرح ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑ لیا۔ پھر بند مٹھی لے کر بدر کی طرف آئی۔

"مجھے تتلیاں اچھی لگتی ہیں۔" وہ جھینپ کر بتا رہی تھی۔

"اب آپ بہتر لگ رہی ہیں مہارانی جی، ورنہ اتنا تو میں جان گیا ہوں کہ آپ پریشان ہیں۔"

مایا کے چہرے سے سایہ سا گزر گیا، اس نے مٹھی سختی سے بھینچ لی، شاید اسے بھول گیا تھا کہ اندر تتلی بھی ہے۔

"آپ مجھ سے شیئر کر سکتی ہیں۔"

وہ شکست خوردہ سی واپس بیٹھ گئی۔

"آپ کی آنکھیں سرخ ہیں، جیسے آپ رات بھر سوئی نہیں ہیں۔" مایا نے سر جھکا دیا اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

"میں خود کو غیر محفوظ تصور کرنے لگی ہوں۔"

"ٹھاکروں کی حویلی بہت محفوظ ہے۔ وہ چغہ پوش ادھر نہیں پہنچ سکتا۔"

مایا نے سر اٹھایا اور بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"میں ٹھاکروں کی حویلی میں خود کو غیر محفوظ سمجھتی ہوں' مجھے ساری رات نیند نہیں آئی۔"

بدر نے چونک کر اسے دیکھا۔ "کیوں؟" پھر جیسے اسے خیال آیا۔ "کیا گوپال نے کچھ کہا ہے؟" اس کے ماتھے پہ شکنیں ابھر آئی تھیں۔

"وہ دو روز پہلے رات کو میرے کمرے میں آگیا' بہت مشکل سے میں نے اسے باہر نکالا۔"

"اور کل رات پھر وہ آیا تھا؟"

"کل رات؟" مایا نے سوچتے ہوئے سر اٹھایا۔

"کل رات ایک عجیب سی بات ہوئی' میں کمرہ بند کر کے بتیاں گل کر کے بالکونی میں بیٹھی تھی کہ......" وہ کنفیوزڈ سی چپ ہو گئی۔

"بتایئے مایا دیوی۔"

"بالکونی سے حویلی کا پچھلا حصہ دکھائی دیتا ہے' وہاں کچھ گودام اور جانوروں کے باڑے بنے ہیں۔ کل پورے چاند کی رات تھی' مجھے چاندنی میں بس اتنا نظر آیا کہ کوئی لمبا سا شخص جسم کے گرد سیاہ چادر یا کوئی بڑا سا کپڑا لپیٹے احتیاط سے اِدھر اُدھر دیکھتا اندر داخل ہوا اور دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ اتنی رات کو چوروں کی طرح کیوں کوئی داخل ہوگا حویلی میں' میں یہ سمجھ نہیں سکی۔"

"مگر میں سمجھ گیا ہوں۔ وہ وہی بھوت تھا اور یقیناً اس وقت پرانے قبرستان سے واپس آرہا تھا۔"

"مگر وہ حویلی میں کیوں آیا؟"

"اس لیے کہ اس کا تعلق آپ کی حویلی سے ہے۔"

مایا سن سی ہو کر رہ گئی۔ "کون؟ گوپال؟"

بدر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"تمہیں... تمہیں منگل سنگھ نے اس بھوت کا نام بتایا تھا' کیا اس نے گوپال کا نام لیا تھا۔ کیا وہ گوپال ہے؟"

بدر نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا۔

"پھر؟ پھر کون ہے وہ؟" وہ بے قراری سے بولی۔

"آپ یقین نہیں کریں گی۔"

"تم بتاؤ تو سہی' میں اس تجسس سے بے زار آچکی ہوں۔"

"تو پھر سنیے۔ وہ بھوت دراصل ٹھاکر شیکھر راج ہے۔"

مایا کی مٹھی کھل گئی' مری ہوئی تتلی نیچے آن گری۔ وہ ساکت سی اسے دیکھ رہی تھی۔

"شیکھر زندہ ہے؟"

وقت رک گیا' لمحے ساکن ہو گئے' فضا تھم گئی' وہ اسی طرح گم صم اسے دیکھے گئی۔

"ہاں' جہاں تک میرا قیاس ہے' وہ زندہ ہے۔" وہ سامنے آسمان پہ اترتے بادل دیکھ رہا تھا۔

مایا نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ سب کچھ جیسے گڈمڈ ہو رہا تھا۔

منگل سنگھ کے الفاظ شیکھر کا زندہ ہونا.... بیلی اچھوتاں کا بھوت کیا سچ تھا' کیا جھوٹ' وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔ اس سے صورت حال کیا سمجھے.... کتنے ہی پل سرک گئے تو اس نے سر اٹھایا۔

دور نیلے افق پر سرخ بادل بکھرے تھے۔ بدر ابھی تک ان کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ اس نے پہلی دفعہ مایا کی اڑی اڑی رنگت دیکھی تھی۔ وہ اسے اتنی پریشان اور بے یقین پہلے کبھی نہیں لگی تھی جتنی ڈوبتی شام کے اس سمے لگ رہی تھی۔

"مایا...!" اس نے دھیرے سے اس کا ہاتھ ہلایا۔

اس کی جلد بہت ملائم تھی جیسے موم کی بنی ہو۔ وہ اسی طرح بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"مایا...!" بدر نے پھر اسے پکارا۔

بیری کے درخت سے کوئی پرندہ زور سے اڑا'

ناخن زور سے جھنجنا کر رہ گئیں۔ چند پیر ٹپ ٹپ ان کے قدموں میں آن گرے۔

"تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ زندہ ہے؟" وہ پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھ رہی تھی۔ بدر کا ہاتھ ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ وہ مر چکا ہے؟"

"مجھے یقین ہے کہ وہ مر چکا ہے۔" وہ دبی دبی سے بولی۔

"منگل سنگھ نے مرنے سے پہلے شیکھر کا نام لیا تھا۔" بدر نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ "میں قبرستان کے قریب سے گھوڑے پہ گزر رہا تھا، مجھے کسی کے چیخنے کی آواز آئی۔ میں گھوڑے سے اتر کر اندر آیا تو خون کا دریا تھا اور منگل سنگھ تڑپ رہا تھا۔ میں لپک کر اس کے پاس گیا۔ اس کا چہرہ تھپتھپایا، مگر اس کی آخری سانسیں تھیں۔ میں نے اس سے پوچھا۔

"چوہدری تجھے کس نے مارا ہے؟ تو ادھر کیوں آیا تھا؟"

وہ ہاتھ اٹھا کر بمشکل بولا۔ "وہ بھوت......"

"تجھے بھوت نے مارا ہے؟ کون تھا وہ؟"

منگل سنگھ نفی میں سر ہلانے لگا۔ "وہ بھوت نہیں ـــ وہ شیکھر..." بس یہی الفاظ میں سمجھ سکا۔ اس نے مرنے سے شیکھر کا نام لیا تھا۔

"کیا پتہ منگل سنگھ کو غلط فہمی ہوئی ہو......" وہ یقین نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

"مرتا آدمی جھوٹ نہیں بولتا۔"

"مگر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ شیکھر زندہ ہے؟"

"اور تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ شیکھر مر چکا ہے۔"

وہ آپے سے تم پر آگیا تھا۔

"بدر!" وہ صدمے سے اسے دیکھتی رہی۔

"کیا تم نے اس کا چہرہ دیکھا تھا؟"

"میں امرتسر میں تھی اور جب تک میں وہاں پہنچی اس کی چتا جل چکی تھی۔ وہ مر چکا ہے بدر، وہ زندہ نہیں ہو سکتا۔"

وہ بے چین سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر اپنی ہتھیلی کو دیکھا۔ ہتھیلی خالی تھی مگر تتلی کے رنگ اس میں رہ گئے تھے۔

"میں نے اس کا چہرہ نہیں دیکھا مگر ایک گواہی دل دیتا ہے اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ مر چکا ہے بالکل ایسے ہی جیسے میری مٹھی میں بند تتلی جانے کب مر گئی۔ میں نے وہ مری ہوئی تتلی نہیں دیکھی، مگر مجھے اس کے یہ بکھرے رنگ بتاتے ہیں کہ وہ مر گئی ہے۔"

مایا نے ادھر ادھر زمین کو دیکھا، مردہ تتلی وہاں نہیں تھی۔ ہوا کا کوئی جھونکا اسے اڑا کر دور لے گیا تھا۔

"مایا! شیکھر کا مردہ چہرہ تم نے تو کیا گاؤں میں کسی نے نہیں دیکھا۔ اس کو اس کی گھڑی سے پہچانا گیا۔ کیا تمہیں یہ سب بہت زیادہ سادہ لگتا ہے کہ ادھر اس کی موت ہوئی اور ادھر اس کی چتا جلا دی گئی۔"

"ٹھاکر رگھوناتھ کہہ رہے تھے کہ لاش کی حالت بہت خراب تھی، سو اسی لیے ایسا کرنا پڑا۔"

بدر نے استہزائیہ سر جھٹکا اور منڈیر پر دونوں ہاتھ رکھے سر جھکا کر کنوئیں میں جھانکا۔

"یہ سب اتنا سادہ اور قدرتی نہیں ہے جتنا بتایا گیا ہے۔ ٹھاکروں نے پولیس کو تفتیش نہیں کرنے دی۔ آخر کیوں؟"

"مجھے کیا پتا کیوں؟" وہ کوفت سے کھڑی ہو گئی۔ "مگر مجھے یقین نہیں ہے کہ وہ زندہ ہو سکتا ہے۔"

بدر اب تک منڈیر پر جھکا کنوئیں میں دیکھ رہا تھا۔ اس نے بھی اس کی طرح ہاتھ رکھ کر کنوئیں میں جھانکا۔ سیاہ پانی میں سفید آسمان اور دو سائے نظر آ رہے تھے، ایک مرد کا اور ایک عورت کا۔ عورت کے سایہ میں اس کے کندھے پہ پڑی چوٹی اور شانوں پر پھیلا دوپٹہ واضح تھا۔

"تم تو کہتی تھیں کہ تم میری بات پر یقین کر لو گی۔"

"میں اب بھی یہی کہتی ہوں۔"

"پھر میری بات پر یقین کیوں نہیں کر رہیں؟"

"کیونکہ یہ تمہاری نہیں منگل سنگھ کی ہے۔"

"مرتا آدمی جھوٹ نہیں بولتا لیڈی شیکھر!" وہ سیدھا ہو کر تلخی سے بولا۔ مایا پانی کو دیکھ رہی تھی' اب وہاں صرف ایک سایہ تھا' جھکی ہوئی عورت اور اس کی کندھے پر پڑی چوٹی۔

"اور میں مرنے والے آدمی کے سچ پر تب تک اعتبار نہیں کروں گی' جب تک میں شیکھر کو نہیں دیکھ لیتی' ورنہ میرے لیے وہ مر چکا ہے۔"

عورت کے سایہ کے اوپر سے پرندوں کے غول کا سایا اڑ رہا تھا۔ مایا نے گردن اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔ وہاں کوے ایک غول میں شمال کی جانب اڑتے جا رہے تھے۔

"جس دن شیکھر کی موت واقع ہوئی' تم اس دن وہ کہاں تھا؟"

"میں اس روز امرتسر میں تھی مجھے نہیں معلوم۔" یک دم ہی وہ تیزی سے بولی لہجہ تلخ ہو گیا۔

بدر اسی طرح سامنے سرخ کناروں والے بادلوں کو دیکھ رہا تھا۔

"سب کیا بتاتے ہیں؟ وہ آخری بار کدھر گیا تھا۔"

"مجھے معلوم نہیں ہے۔" وہ سینے پہ ہاتھ باندھے کنویں سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔

"کسی ملازم نے کچھ تو بتایا ہو گا۔"

"معلوم نہیں۔" وہ بھی اب سرخ بادلوں کے پیچھے ڈوبتے سورج کو دیکھ رہی تھی۔ "ہاں روپا نے آخری دفعہ اسے کچے راستے پہ دیکھا تھا' کھوجی نے بھی یہی بتایا تھا کہ وہ مہمان خانے میں جانے سے قبل پرانے قبرستان کی طرف۔" ایک دم وہ رک گئی اور بدر کو دیکھا' وہ بھی جیسے چونک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور پھر مایا نے سر جھکا دیا۔ شاید اس نے ہار مان لی تھی۔

"شیکھر مرنے سے پہلے پرانے قبرستان گیا تھا؟"

بدر نے دہرایا۔ اس نے جواب نہیں دیا' اسی طرح سر جھکائے قدموں میں بکھرے کچے بیر دیکھتی رہی۔

"کیا تمہیں اب میری بات کا یقین ہے؟"

مایا نے تھکے تھکے انداز میں سر اٹھایا۔ اس کی سنہری آنکھوں میں سرخی دوڑ رہی تھی۔

"واقعی بدر؟ کیا وہ زندہ ہو سکتا ہے؟"

"اگر وہ ہوا تو تمہیں خوشی ہو گی؟"

اس کے گم صم سے چہرے پر مغموم سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ غور سے اس کے چہرے پہ اترتی خوشی کی رمق کو جانچ رہا تھا۔

"بہت محبت تھی تمہیں اس سے؟"

"ہے' ابھی تک اتنی ہی ہے۔ اگر وہ زندہ ہے تو کیا تم میرا شوہر ڈھونڈنے میں میری مدد کرو گے۔"

"ہاں' کیوں نہیں ضرور۔" وہ پھیکا سا مسکرایا۔

"مگر یاد رکھنا منگل سنگھ کے قاتل کے ساتھ نہ میری ہمدردی ہو گی اور نہ تمہاری ہونی چاہیے۔"

اس کے سخت لہجے پہ مایا نے ٹھٹک کر بغور اس کی آنکھوں میں دیکھا بہت تفاخر سے مسکرائی۔

"تم جانتے ہو شیکھر سے؟" اٹھی ہوئی گردن' جتاتا ہوا مغرورانہ انداز اور وہ بھی ایک ادا لیے ہوئے' وہ اتنا مسحور تھا کہ تردید بھی نہ کر سکا۔

لوگ اسے ٹھیک کہتا تھا۔ وہ واقعی ملکہ تھی' بیلی راجپوتاں کی ملکہ۔

"تمہیں شیکھر سے کوئی رقابت نہیں ہونی چاہیے۔" اس نے چوٹی کندھے سے کمر پہ پھینک دی۔

"لیکن اگر اس نے کچھ غلط کیا ہے تو اس کی سزا اسے ملے گی لیکن اگر وہ بھوت شیکھر ہے تو مجھے یقین ہے وہ کچھ غلط نہیں کر سکتا۔"

"اس کا فیصلہ وقت کرے گا۔"

مایا نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔ سرخ بادل بکھرتے جا رہے تھے۔

"شام ڈوبنے کو ہے' میں چلتی ہوں۔" پھر جاتے جاتے مڑی۔ "سنو مجھے حویلی تک چھوڑ آؤ گے؟ مجھے تمہارے بیلی راجپوتاں کے رستے نہیں آتے۔"

وہ مسکرا کر اس کے ساتھ چل دیا۔

"راستے نہیں آتے تو یہاں تک کیسے پہنچی تھیں؟"

وہ جھینپ کر ہنس دی۔ "میں تو راستہ بھٹک کر ادھر ہد... کی تلاش میں بیٹھی تھی' ورنہ تمہیں لگتا ہے راجپوت اپنی بہو بیٹی سے پانی بھروائیں گے؟"

وہ ساتھ ساتھ چلتے رہے یہاں تک کہ کھیت سامنے آگئے۔

وہ وہیں رک گیا۔

"لیجیے لیڈی شمکھر' آپ کی حویلی سامنے ہے۔"

"اندر تک نہیں آؤ گے؟"

وہ کھیتوں کے ساتھ کھڑے مسکرا کر باتیں کر رہے تھے اور یہ منظر اپنے کمرے کی کھڑکی سے ٹھاکر گوپال راج نے بہت غور سے دیکھا تھا۔ وہ جگہ وہاں سے اتنی دور نہ تھی۔

"اندر آنے کا فائدہ؟"

"راجپوتوں کی مہمان نوازی کا لطف نہیں لو گے؟"

وہ تلخی سے مسکرا دیا۔ کچھ بولا نہیں۔ مایا نے اس کے پیچھے کھیتوں کے اس پار کچے راستوں کو دیکھا جو دور تک جاتا تھا۔ وہاں سے پرانا قبرستان نظر نہیں آتا تھا مگر قبرستان کی عجیب خوفناک اور پراسرار فضا پورے کچے راستے کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھی جیسے دھول مٹی کی اس پگڈنڈی پہ ان دیکھی روحیں سفید لبادوں میں اڑتی پھر رہی ہوں۔

مایا نے ایک جھرجھری لی اور واپس تیزی سے حویلی کی طرف بڑھنے لگی۔ بڑے گیٹ کے سامنے حویلی کی واحد موٹر کھڑی تھی۔ اس نے رک کر معنی خیز مسکراہٹ سے جیپ کو دیکھا اور پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔

وہ جو کچھ ٹھاکر گوپال راج کو دکھانا چاہتی تھی' دکھا چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

گوپال سے اس کا سامنا کھانے کی میز پہ ہوا۔ حویلی میں پہلے جانے کھانے کا کیا طریقہ کار تھا' مگر

جب سے مایا آئی تھی، اس نے کھانا ہمیشہ ڈائننگ ہال میں لکڑی کی قیمتی ڈائننگ ٹیبل پہ لگتے دیکھا تھا۔ شاید وہ ڈائننگ ہال محض انگریز و شہری مہمانوں کے لیے آراستہ کیا گیا تھا۔

وہ خاموشی سے رکابی پر سر جھکائے بیٹھی تھی۔

ٹھاکر رگھوناتھ اور گوپال آگے پیچھے داخل ہوئے۔

"نمسکار مایا دیوی!" ٹھاکر رگھوناتھ نے کرسی کھینچتے ہوئے سادہ انداز میں کہا۔ مایا نے سر اٹھایا۔

"گڈ ایوننگ۔" اور سر جھکا کر پھر سے کھانے لگی۔

حویلی میں کوئی کسی کا کھانے پہ انتظار نہیں کرتا تھا، ٹھاکر رگھوناتھ نے اسے کہہ رکھا تھا کہ وہ انتظار نہ بھی نہ کرے، وہ نہ بھی کہتے تو بھی وہ راجپوتوں کا انتظار کرنے والی عورت نہیں تھی۔ وہ اپنے سب کام وقت پر کرتی تھی، بنا کسی کی مداخلت یا انتظار کے۔

گوپال خاموشی سے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

مایا آرام سے پلیٹ میں موجود چاول ختم کرتی رہی۔

"کل پٹواری آئے گا، نہر والی زمین کا سودا ہو گیا ہے، مناسب دام مل رہے ہیں، اس سے زیادہ آپ سے اس علاقے میں کوئی زمین نہیں خریدے گا۔" وہ مصروف سے انداز میں بتا رہے تھے۔

"بہت بہتر۔" وہ رکابی کھسکا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور نزاکت سے چہرے پر آئے بال ہٹائے۔ "کون خرید رہا ہے وہ زمین؟"

"میں!" گوپال نے سر اٹھا کر فاتحانہ نگاہ سے اسے دیکھا۔ ٹھاکر رگھوناتھ معروف سے انداز میں کھانا کھا رہے تھے۔

وہ اٹھتے اٹھتے بیٹھ گئی۔

"آپ؟ مگر کیوں؟" اس کے چاروں طرف خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔

"آپ کو وہ زمین تو بیچنی ہے نا!"

"مگر آپ کو نہیں بیچنی۔"

"کیا فرق پڑتا ہے کہ کس کو بیچنی ہے۔ دام تو آپ کو ایک ہی ملیں گے۔" وہ لاپروائی سے کہہ رہا تھا۔

"اور مجھے یہ کون بتائے گا کہ بہترین دام کون سے ہیں؟" وہ سخت نگاہوں سے یک ٹک گوپال کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو پتا جی پہ اعتبار ہونا چاہیے۔"

مایا نے ٹھاکر کو دیکھا وہ ابھی تک انہماک سے کھا رہے تھے۔ وہ مضطرب سی ہو کر کھڑی ہوئی۔

"مگر میں وہ زمین آپ کو نہیں بیچنا چاہتی ہوں ٹھاکر صاحب!" اس کی آواز میں غصہ اتر رہا تھا۔

گوپال نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے مگر ٹھاکر رگھوناتھ نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کرا دیا۔

"آرام سے مایا بٹیا!" ان کے لہجے کی شفقت میں مصنوعی پن تھا۔ "اگر آپ نہیں بیچنا چاہتیں تو ٹھیک ہے، ہم کسی اور پارٹی سے بات کر لیں گے۔ آپ اپنی ڈیمانڈ بتا دیں۔"

"میں مشورے کے بعد بتاؤں گی۔"

"ہاں آپ پٹواری سے مشورہ..."

"میں اپنے شوہر سے مشورے کے بعد بتاؤں گی۔"

ٹھاکر رگھوناتھ کے ہاتھ سے نوالہ گر گیا۔

پورے ڈائننگ ہال میں سناٹا چھا گیا۔

وہ تیز تیز چلتی ہوئی دروازے تک آئی۔

"آپ شادی کر رہی ہیں۔" دونوں باپ بیٹا ہکا بکا اسے دیکھ رہے تھے۔ بمشکل ٹھاکر رگھوناتھ کے منہ سے نکلا۔

☼ ☼ ☼

زہرہ تھال میں چاول لیے مگن سی گنگناتی ہوئی بالائی منزل کے بڑے سے برآمدے سے گزر رہی تھی، ایک دم ٹھٹک کر رک گئی۔

نیچے بڑے سے دالان کے کونے میں پیپل کے گھنے درخت کے ساتھ جھولا بندھا تھا اور بدر اس جھولے کے ساتھ کھڑا تھا۔

اسے لگا جھولے پہ کوئی بیٹھا ہے۔ وہ چند قدم آگے آئی اور ریلنگ سے نیچے جھانکا۔ نیچے کا منظر دیکھ کر اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔

دیا تھی میم صاحب۔

تھال پہ اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ وہ سانس روکے دیکھ رہی تھی۔

وہ بہت شاہانہ مطمئن سے انداز میں جھولے پہ بیٹھی تھی جھولا ہولے ہولے جھول رہا تھا۔

اس نے سفید اسکرٹ سفید بلاؤز جس کی آستین کلائی تک آتی تھی، پہن رکھا تھا۔ اس زمانے میں گو کہ شرفاء کی عورتوں میں خود کو مکمل طور پر ڈھانپنے کو عزت اور خاندانی پن کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ ابھی دوسری جنگ عظیم نہیں ہوئی تھی اور جلد ظاہر کرنے کا رواج نہیں پکڑا تھا۔

اس کی گود میں سفید رنگ کا ہیٹ پڑا تھا، وہ ہیٹ گود میں رکھے ہولے ہولے جھولے لے رہی تھی۔ سنہری بال شانوں پہ بکھرے تھے۔ موتیوں کی لڑی سامنے کو تھی اور وہ خود گردن اٹھائے مقابل کھڑے بدر سے ہنستے ہوئے کوئی بات کر رہی تھی۔

بدر کی زہرہ کی جانب پشت تھی، وہ بھی گرد و پیش سے بے خبر اس کی جانب متوجہ تھا۔

وہ سست قدموں سے چلتی ہوئی برآمدے تک آئی جہاں چاچی اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

"بہت دیر کر دی زہرہ!"

اس نے بنا جواب دیے تھال چاچی کو تھما دیا اور خود دیوار سے ٹیک لگا کر جھولے کا منظر دیکھنے لگی۔ برآمدے کے کونے سے پیچھے لگے پیڑ کا سرا پہنچ رہا تھا اور سایہ تھا، پتوں سے لدی شاخیں برآمدے میں جھک کر آ رہی تھیں۔ وہاں سے بابا، بدر اور پیپل کے درخت کے ساتھ بندھا جھولا شاخوں کے بیچ جھروکوں سے نظر آ رہا تھا۔ زہرہ اسی طرح بدر کو دیکھے گئی۔ اس نے درمیان سے پتے نہیں ہٹائے، درمیان میں بہت کچھ آ گیا تھا، وہ کیا کیا ہٹاتی؟

"ادھر کیا دیکھ رہی ہے زہرہ؟" چاچی چاول صاف کرتی سر جھکائے بولی تو اس نے گردن پھیر کر چاچی کو دیکھا، پھر کچھ بتانے کے لیے لب کھولے مگر رک گئی۔ چاچی سر جھکائے بیٹھی تھیں اور دالان کو نہیں دیکھ رہی تھیں۔ وہ یہ منظر پہلے ہی دیکھ چکی تھیں۔

"کب آئی یہ؟"

"ابھی تھوڑی دیر ہوئی ہے۔" چاچی عام سے لہجے میں کہہ کر چاول سے کنکر چنتی رہیں۔

"اور کیوں آئی ہے یہ ادھر؟"

وہ ریلنگ کی جانب سے رخ موڑ کر چاچی کی طرف چہرہ کر کے کھڑی ہو گئی۔ چاچی نے سر جھکایا۔ اب زہرہ کی پشت پہ چاچی کو صرف جھکی شاخیں دکھائی دے رہی تھیں۔ بابا، بدر اور جھولا چھپ گئے تھے۔

"کوئی کام ہو گا اسے بدر سے۔" بہت دیر بعد چاچی بولیں۔

"بدر کب سے راجپوتوں کے کام کرنے لگ گیا؟" وہ چمک کر بولی۔

"وہ راجپوت نہیں ہے میری دھی! وہ فرنگی ہے۔"

"بدر کو تو فرنگی کبھی اچھے نہیں لگے، خود تو کہتا تھا یہ فرنگی ہم پہ غاصب ہیں اور ہم ان کے غلام۔"

"اس میں میم صاحب کا کیا قصور؟"

"قصور ہے۔" غصے سے بولتے بولتے زہرہ کا گلا رندھ گیا۔ "وہ بدر کو اپنی طرف مائل کر رہی ہے۔"

"وہ بچہ ہے جو مائل ہو جائے گا؟"

"بچے مائل نہیں ہوتے چاچی! جوان مرد ہو جاتے ہیں۔"

"نی جھلی! تو اس کو نظر انداز کر، وہ کون سا ہمیشہ کے لیے یہاں آئی ہے۔" چاچی نے پرسکون سی کنکر چن کر ایک طرف کر رہی تھیں۔ "وہ جلد ہی انگلستان واپس چلی جائے گی۔"

"نہیں چاچی! وہ بدر کو لے کر ہی انگلستان جائے گی۔"

"کیا انگلستان میں مرد ختم ہو گئے ہیں جو وہ ہندوستانی ساتھ لے جائے گی۔"

"شیکھر بھی تو ہندوستانی مرد تھا۔" زہرہ کے پاس ہر بات کا جواب تھا۔

"شیکھر کی اور بات تھی دھی! وہ ہندو تھا اور بدر مسلمان ہے۔ یہ لڑکی ہندو ہے۔"

"وہ نہیں یہ عیسائی ہے، مجھے بدر نے خود بتایا تھا۔"

"جانے دے زہرہ تو بھی کس کا غم کرتی ہے' یہ گھر بسانے والی عورت نہیں ہے یہ اور طرح کی عورت ہے۔ تیری چاچی نے بھی دنیا دیکھ رکھی ہے' اس کے ناز و انداز غور سے دیکھ' یہ محبت وجت کے چکر میں پڑنے والی نہیں۔"

زہرہ نے پلٹ کر نیچے دالان کو دیکھا۔

پیپل کے ساتھ بندھا' ہولے ہولے ہلتا جھولا خالی پڑا تھا۔ بدر اکیلا اس کے ساتھ کھڑا جیسے کچھ سوچ رہا تھا۔

"وہ چلی گئی چاچی!" زہرہ نے اطمینان سے گہری سانس خارج کی' دل کو جیسے ڈھیروں سکون ملا تھا اور پھر اس سکون کے ساتھ وہ واپس چاچی کی طرف مڑی اور تب اس نے دیکھا مایا سامنے چوکھٹ میں کھڑی تھی۔

زہرہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ کیا اور کتنا سن چکی تھی۔ اس نے شرمندہ سی نظر مایا پر ڈالی۔ اس کا چہرہ ہمیشہ کی طرح سپاٹ سا مسکراتا تھا' زہرہ کچھ اندازہ نہ کر پائی۔

چاچی بھی اسی قدر شرمندگی سے مایا کو دیکھ رہی تھی۔ چاولوں کا تھال اس نے کب کا نیچے رکھ دیا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی زہرہ کے قریب آئی اور اس کے بالکل مقابل رک گئی۔ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔

نیچے جھولے کے ساتھ کھڑے بدر نے اوپر گردن اٹھا کر دیکھا۔ پیپل کے پیڑ کی اوپری شاخوں کے پار اسے ریلنگ دکھائی دے رہی تھی۔ وہاں برآمدے میں دو لڑکیاں کھڑی تھیں۔ ایک سیاہ شلوار قمیص اور اور رنگ دار پراندے والی زہرہ بتول اور اس کے سامنے سفید اسکرٹ بلاوز اور سنہری بالوں والی مایا فرنینڈس سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اس نے ان دو کے چہروں کا موازنہ کیا۔ تیل لگے بالوں کا پراندہ بنائے' چہرے پہ چند جھولتی لٹوں والا گندمی۔ چہرہ اور..... دوسرا' سنہری آنکھوں والا چہرہ جس پہ ہیٹ کے چھجے سے جالی دار نقاب گر رہا تھا۔

یہ سامنے کی بات تھی کہ زہرہ زیادہ خوب صورت تھی۔ اور یہ بھی سامنے کی بات تھی کہ اس فرنگی لڑکی میں کوئی ایسا طلسم ضرور تھا جس کے سامنے بڑی راجپوتاں کی سب سے سندر لڑکی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ جب وہ کسی جگہ ہوتی تو بس وہی وہاں ہوتی تھی' باقی ہر فرد ہر ذی نفس پس منظر میں چلا جاتا تھا۔ وہ راج کرنے کے لیے پیدا ہوئی تھی' اسے دیکھ کر یہی لگتا تھا۔

بدر کو مایا کے ہلتے ہوئے لب دکھائی دیے' مگر اتنی دور سے وہ الفاظ نہیں سن سکتا تھا۔ سن بھی لیتا تو سمجھ نہ پاتا۔ انہیں سمجھنے کے لیے ابھی اسے بہت وقت اور تجربہ درکار تھا۔

"تم بھی کس کا غم کرتی ہو زہرہ! تمہاری چاچی ٹھیک کہتی ہے۔" وہ سنہری آنکھوں سے زہرہ کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی' لبوں پہ وہی معصوم خوب صورت مسکراہٹ تھی۔ "مایا گھر بسانے والی عورت نہیں ہے۔ مایا تو بہت مختلف عورت ہے' اس کی دنیا بہت الگ ہے' تم سب سے۔ بہت الگ۔"

زہرہ پلک جھپکے بغیر اس کی سنہری آنکھوں میں دیکھے گئی۔

"مایا کسی کو اپنی طرف مائل نہیں کرتی' متوجہ نہیں کرتی' کھینچتی نہیں۔ لوگ خود ہی کھنچے چلے آتے ہیں۔ وہ مایا کے ساتھ چلنا چاہتے ہیں' مایا کا ہاتھ تھامنا چاہتے ہیں۔ مایا انہیں اپنے ساتھ چلنے دیتی ہے مگر ان کا ہاتھ کبھی نہیں تھامتی۔ ہاتھ تھامے گی تو جب بچھڑیں گے تو ان کا دل ٹوٹ جائے گا اور مایا دل توڑنے ہندوستان نہیں آئی۔ وہ لوگوں کو اپنے ساتھ اپنے راستے پہ چلنے دیتی ہے۔ تم برا مت مانو' آخر کتنی دیر وہ اس انجان راستے پہ چلتے رہیں گے؟ کب تک اس کے قدم سے قدم ملاتے رہیں گے؟ مایا کا راستہ تو بہت الگ بہت جدا ہے' بہت جدا ہے' وہ کتنی ہی دور اس کے ساتھ کیوں نہ چل لیں' کیا فرق پڑ جائے گا؟ مایا تو ایک دن اس راستے پہ چلتے چلتے اڑنے لگے گی' تب وہ کیا کریں گے؟ اڑنے کے لیے پر کہاں سے لائیں گے؟"

بابا نے جب ہاتھ نہیں تھاما تو پھر کیسے دے گی؟"

زہرہ چپ چاپ اسے سنے گئی۔ اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا' وہ ٹھیک کہتی تھی' وہ کسی کو مائل نہیں کرتی' لوگ خود ہی پنی ڈوری سے کھنچے چلے آتے تھے۔

آج بہت دنوں بعد زہرہ کو مایا بری نہیں لگی تھی' اس کو اس سے نفرت' رقابت اور حسد محسوس نہیں ہوا تھا' آج پہلی دفعہ اسے وہ بے ضرر لگی تھی۔ وہ اسی طرح گم سم سی سفید جالی کے پیچھے موجود مومی چہرے کو دیکھے گئی۔ پر کیا فرق پڑتا تھا اگر وہ زہرہ سے زیادہ حسین نہیں تھی تو؟ وہ تو ساحرہ تھی اور زہرہ کو سحر کرنا کہاں آتا تھا؟

"تم بھی کس کا غم کرتی ہو زہرہ!" وہ مسکرائی اور پھر پلٹ کر واپس سیڑھیاں اتر گئی۔ اس کی لمبی اسکرٹ زینوں پہ اس کے پیچھے۔۔۔ گئی۔ زہرہ پتھر کا بت بنی گم سی سیڑھیوں کے کنارے پہ پڑے پردے کو ہلتا دیکھتی رہی۔

وہ نیچے آئی تو بدر اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔ وہ بے نیازے انداز میں جھولے پہ بیٹھ گئی۔ جھولا آگے پیچھے ہولے ہولے جھولنے لگا۔

"مایا!" بدر نے۔۔۔ سے پکارا' وہ مڑے بنا بے نیازی سے کیاریوں کو دیکھتی رہی۔

"کیا زہرہ ہے؟"

اس نے جواب نہیں دیا' بس یونہی پھولوں کو دیکھے گئی۔ وہ اسی طرح ۔۔۔ سا جھولے کی رسی تھامے کھڑا رہا۔

پیپل کی اوپری شاخوں کے اس پار کھڑی زہرہ اسی طرح کھوئی کھوئی سی دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"بہار آگئی ہے' پھول بہت خوشنما لگتے ہیں تمہارے بیلی راجپوتاں میں۔" پھر اس نے چہرہ موڑا۔

"تمہاری کزن۔۔۔۔"

"زہرہ؟" بدر نے سوالیہ نگاہ سے اسے دیکھا۔

"شی از ان لو ود یو' ہوں؟" وہ مسکراتی نگاہ کے ساتھ پوچھ رہی تھی۔

"معلوم نہیں۔" وہ شانے اچکا تا انجان بن گیا۔

مایا ہنس پڑی۔

"اداکاری مت کرو۔"

"کیا؟" اس نے پھر بے خبری دکھائی۔

وہ جھولے سے اٹھ کھڑی ہوئی اور چہرہ اس کے بالکل سامنے لے آئی۔

"کم از کم میرے سامنے اداکاری نہ کرو۔ میں تو لندن۔۔۔۔" ایک دم بولتے ہوئے وہ خاموش ہو گئی۔ بدر نے ادھورے فقرے پہ دھیان نہیں دیا۔

"صحیح!" وہ گہری سانس لے کر رہ گیا۔ "خیر' میں کچھ کہہ رہا تھا؟"

"کب؟"

"اب تم انجان بن رہی ہو۔"

"تم بہت کچھ کہتے ہو' میں کس کس کا حساب رکھوں؟"

بدر نے کچھ کہنا چاہا' پھر جیسے ارادہ بدل کر بولا "تم بھی زہرہ کو دیکھ کر ملنے چلے جانے سے پہلے میں تم سے پوچھ رہا تھا تم اس روز رات کو شیکھر میرا مطلب ہے۔۔۔۔" سنبھل کر وہ وضاحت کرنے لگا تھا مگر وہ برا مان گئی تھی۔

"تم کیوں سمجھتے ہو شیکھر ایسا کر سکتا ہے؟ وہ کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ جب تک میں اس چغہ پوش کو اپنے سامنے نہیں دیکھ لیتی' مجھے یقین نہیں آئے گا کہ وہ شیکھر ہی ہے۔"

"تم نے اس روز اسے اپنے سامنے دیکھا تھا۔"

"میں وثوق سے نہیں کہہ سکتی کہ وہ چغہ پوش ہی تھا' ہو سکتا ہے وہ کوئی ملازم وغیرہ ہو جو رات کو کسی کام سے گودام کی طرف جا رہا ہو۔"

"آدھی رات میں ملازم کا گودام میں کیا کام؟ شام کے بعد نوکر وغیرہ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں' اتنی رات گئے کوئی حویلی کا فرد ہی۔۔۔۔"

"بہر حال جب تک ثابت نہیں ہو جاتا کہ وہ کون ہے' تب تک تم اسے شیکھر نہیں کہو گے۔" مایا کا لہجہ ٹھوس اور حتمی تھا۔ بدر بے ساختہ زخمی سا مسکرا

دیا۔

"اتنی محبت ہے تمہیں اس سے؟"

وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"تم کیوں جلتے ہو؟"

"میں کیوں جلوں گا؟" وہ پھر سے انجان بن گیا۔

"جیسے میں نہیں جانتی؟"

"کیا؟" وہ چونکا۔

"بھرم رہنے دو' اسے مت توڑنا۔" وہ مبہم سا مسکرائی' پھر کچھ سوچ کر بولی۔ "وہ اس رات گودام گیا تھا' آؤ چل کر گودام دیکھ آتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" وہ واقعی نہیں سمجھا تھا۔

"میرے ساتھ حویلی چلو' دیکھتے ہیں کہ گودام میں کیا ہے' جگہ دیکھ کر ہی علم ہو جائے گا کہ آج کل وہ کس طرح استعمال ہو رہا ہے۔"

"میں راجپوتوں کی حویلی نہیں جاتا۔"

"آج تم جاؤ گے۔" وہ جواب سنے بغیر حکم صادر کر چکی تھی اور بدر کو اس کے ساتھ چلنا پڑا۔

پیپل کی گھنی شاخوں کے اس پار سے زہرہ نے دیکھا' وہ دونوں ہنستے' مسکراتے' باتیں کرتے' مطمئن سے ساتھ ساتھ روش پہ چلتے ہوئے دور ہوتے جا رہے تھے۔

بھرزہرہ چونکی' پاپا نے بدر کا ہاتھ نہیں تھام رکھا تھا۔ آہستہ آہستہ پاپا کی باتیں سمجھ میں آنے لگی تھیں۔

دروازے تک پہنچ کر بدر نے معذرت کر لی۔

"ابھی میرے لیے راجپوتوں کی حویلی جانا ممکن نہیں' لیکن میں آپ کی اس چغہ پوش کو ڈھونڈنے میں مدد ضرور کروں گا۔"

"اپنی کزن کا خیال رکھنا۔" جاتے سمے کہے گئے اس کے الفاظ پہ وہ بعد میں کافی دیر غور کرتا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ اپنے کمرے میں ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔ دونوں ہاتھ سینے پہ بندھے تھے' بال چوٹی میں مقید تھے اور چہرے پہ سوچوں کا جال بچھا تھا۔ وہ کافی دیر سے اسی طرح ٹہلتے ہوئے کچھ سوچے جا رہی تھی' پھر تھک کر پلنگ پہ بیٹھ گئی۔

مہاراجہ پلنگ بھاری آبنوسی لکڑی کا بنا تھا' بڑے بڑے موٹے پائے شیشم کے بنے تھے۔ چاروں کونوں پہ لگے آبنوسی ڈنڈوں پہ پیتل کا کام نقش تھا اور ڈنڈوں سے جڑی پٹیوں پہ گلابی پوت کے پردے گر رہے تھے۔

"روپا!" کچھ سوچ کر اس نے آواز دی' جانتی تھی کہ روپا آس پاس ہی ہو گی اور بوتل کے جن کی طرح وہ واقعی اگلے ہی لمحے دروازے پہ تھی۔

"جی میم صاحب!"

"مجھے قلم دوات نہیں' صرف کاغذ لا دو اور ایک خط کا لفافہ بھی۔" کہہ کر وہ اپنی رائٹنگ ٹیبل تک آئی اور دراز کھول کر چیزیں الٹ پلٹ کرنے لگی۔

جب تک اس نے قلم ڈھونڈا' روپا کاغذ اور لفافہ لے کر حاضر ہو چکی تھی۔

"ایک رقعہ لکھ رہی ہوں' احتیاط سے بدر غازان تک پہنچانا ہے۔" وہ کاغذ میز پہ رکھے تیزی سے انگریزی میں کچھ لکھ رہی۔

"مگر دھیان رہے' کوئی پڑھے نا' احتیاط سے چھپا کر لے کر جانا۔"

رقعہ لکھ کر اس نے کاغذ کی دو تہیں لگائیں' اسے لفافے میں ڈالا اور لفافہ سر بمہر کر دیا۔

روپا لفافہ لے کر باہر نکل گئی۔ وہ سوچتی نگاہوں سے قلم کو تکتی رہی' پھر گہری سانس لے کر سر میز پہ رکھ دیا۔

روپا ساڑھی سنبھالتی' لفافہ ہاتھ میں دابے' زینہ اتر کر آئی تو دیوان خانے میں پہلا سامنا گوپال سے ہوا۔

"کدھر جا رہی ہو؟" ابھی اس کی نگاہوں میں لفافہ نہیں آیا تھا' مگر روپا نے خود سے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

"میم صاحب نے یہ بدر غازان کے لیے دیا ہے۔"

گوپال کے لب بھنچ گئے' اس نے لفافہ اس کے ہاتھ سے لیا "اور اندر آؤ" کہتا تیز تیز ڈگ بھرتا آ گے

کمرے میں چلا آیا۔
نہایت بے رحمی سے لفافہ چاک کیا' اندر صاف
لکھا چھوٹا سا پیغام تھا۔
"تم نے وعدہ کیا تھا کہ تم میری مدد کرو گے۔ میرے
ذہن میں ایک منصوبہ ہے۔ اس بدھ وار گوپال شکار پہ
دو روز کے لیے شہر سے باہر جا رہا ہے' بدھ اور جمعرات
کی درمیانی شب میں پرانے قبرستان میں تمہارا انتظار
کروں گی۔ اس بھوت کو رنگے ہاتھوں پکڑنے کے لیے
رات بھی ادھر کرنی پڑی تو کوئی مضائقہ نہیں تم تیار
رہنا۔
فقط مایا فرینڈس"

گوپال کے لبوں پہ استہزائیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔
اس نے نہایت نفاست سے لفافے کو دوبارہ سر بمہر کیا
اور روپا کے ہاتھ میں تھما دیا اور ساتھ پانچ روپے بھی۔
روپا خاموشی سے دونوں اشیاء سنبھالے باہر نکل
گئی۔

"یہ راستے میں کسی نے پڑھا تو نہیں؟" بدر نے
رقعہ پڑھ کر قدرے فکرمندی سے پہلی بات یہی
پوچھی تھی۔
"ایسی جرأت ہے کسی کی مہاراج' کہ وہ آپ کا
رقعہ پڑھے۔"
وہ مطمئن ہو گیا اور جواب میں مثبت اشارہ اور انعام
دے کر اسے رخصت کر دیا۔
روپا نے جب واپس حویلی میں قدم رکھے تو گوپال
اس کا منتظر تھا۔
"کیا کہا اس نے؟" لہجہ نفرت و چبھن سے بھرپور
تھا۔
"یہی کہ جواب مثبت ہے۔"
"بہت خوب' اب جا کر میم صاحب سے بولو کہ ڈی
سی بہادر ان سے ملنے آئے ہیں۔ وہ نیچے ڈرائنگ روم
میں آ جائیں۔"
وہ کہہ کر خود بھی اس طرف چلا گیا۔
روپا اس تک آئی تو وہ ابھی تک منتظر سی ٹہل رہی
تھی۔ اسے دیکھ کر چہرے پہ خوشی کی رمق آئی۔
"بہت دیر کر دی روپا دیوی' کیا کہا اس نے؟"
"وہ کہہ رہے ہیں کہ ان کا جواب مثبت ہے۔ مجھے
دس روپے بھی بطور انعام دیے ہیں اور ہاں ٹھاکر گوپال
نے کہلا بھیجا ہے کہ ڈی سی صاحب آپ سے ملنے کے
واسطے آئے ہیں' نیچے آ جائیں۔ وہ ڈرائنگ روم میں
بیٹھے ہیں۔"
"گوپال حویلی میں ہے؟" مایا کے چہرے پہ تفکر ابھرا۔
"اس نے رقعے کی بابت کوئی سوال تو نہیں کیا؟"
"ہرگز نہیں' انہیں تو علم بھی نہیں۔"
"بہت بہتر' تم جاؤ' میں ذرا ٹھہر کر آتی ہوں۔"
وہ سنگھار میز کے سامنے کھڑی بالوں میں کنگھا
کرنے لگی' پھر آنکھوں میں کاجل گہرا کیا اور ساڑھی کا
پلو سنبھالتی باہر چلی آئی۔
زینے اتر کر وہ نیچے آئی تو گوپال اور جان کارلس اس
کے منتظر تھے۔
"شام بخیر لیڈی فرینڈس!" جان کارلس اٹھ کھڑا
ہوا' وہ سر کے اشارے سے سلام کا جواب دیتی اس کے
سامنے بیٹھ گئی۔ دائیں ٹانگ بائیں پہ رکھ لی' آج پھر
مقابل اس کی جوتی کی نوک پہ تھے۔
"فرمائیے ڈی سی بہادر کیوں زحمت کی؟" اس کا لہجہ
خاصا روکھا تھا۔
"اس روز انسپکٹر شاہ نے مجھ سے ذکر کیا تھا کہ آپ
نے شیکھر راج کے قتل کے کیس کی تحقیقات کے
سلسلے میں اپ ڈیٹڈ رہنے کی درخواست کی تھی' پولیس
تحقیق کر رہی ہے کہ شیکھر کی کسی کے ساتھ دشمنی
ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے میں چند تنازعات سامنے آئے
ہیں۔ انسپکٹر شاہ نے تو ان کو شاید اتنی اہمیت نہیں دی
مگر ٹھاکر گوپال کا خیال تھا کہ ان میں سے ایک تنازعہ
آپ کی نظر میں ضرور آنا چاہیے۔"
مایا نے ایک کٹیلی نگاہ گوپال پہ ڈالی۔ وہ زہر میں
بجھی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے
انداز میں فتح کا رنگ غالب تھا۔ جانے ایسا کیا کہا تھا وہ
قدرے بے چین ہوئی۔
"کون سے تنازعات؟"

جان کارلس نے کوٹ کی شکن درست کی اور ایک فائل اس کے آگے کی۔

"یہ تفصیل ہے۔"

"آپ مجھے زبانی بتا دیجیے۔"

"بہت بہتر لیڈی فرنینڈس!" وہ فائل خود ہاتھ میں لیے اس پہ نگاہ دوڑاتا کہنے لگا۔ "یہ نہر کے پار والی زمین کا کیس ہے۔ شیکھر کا ایک مقامی زمین دار سے اس کی ملکیت کا مقدمہ آج کل عدالت میں ہے۔ کیا آپ کو معلوم ہے؟" رک کر فائل سے نظر ہٹا کر کارلس نے پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے بے چین و مضطرب ہو کر پہلو بدلا۔ "کیسا مقدمہ ہے یہ؟"

"شیکھر کی لاکھوں کی ملکیت کی اراضی پہ ایک زمین دار نے قبضہ کر رکھا ہے۔ اس پہ ایک دفعہ خون خرابہ اور متعدد بار جھگڑا ہو چکا ہے۔ زمین شیکھر کی ہے مگر زمین دار کا کہنا ہے کہ وہ زمین وہ شیکھر سے خرید چکا ہے۔ شیکھر یہ بات ماننے کو تیار نہیں تھا اور پھر شیکھر مارا گیا۔"

"کون ہے وہ مقامی زمین دار؟"

جان کارلس نے فائل بند کر کے سامنے رکھی۔

"مہابل غازان۔"

مایا ایک دم کھڑی ہو گئی۔ گوپال کے لبوں پہ زہر آلود تبسم گہرا ہوتا چلا گیا تھا۔

"معاف کیجیے گا۔" وہ کہہ کر تیزی سے زینے چڑھتے اوپر چلی گئی۔

"کیا ہوا؟" جان کارلس حیرت سے اسے جاتا دیکھتا رہا۔ گوپال نے طنزیہ نگاہ اس پہ ڈالی۔

"صدمہ لگا ہے، اور کچھ نہیں۔" اور پھر فائل ہاتھ میں لیے صفحے پلٹنے لگا۔

☼ ☼ ☼

اور وہ سارا دن اسی سوچ میں غلطاں رہی کہ آخر یہ تنازعہ پہلے کیوں اس کے سامنے نہیں آیا تھا۔ نہ ان چھ ماہ میں شیکھر نے کوئی ذکر کیا، نہ بدر نے۔ وہ شیکھر کا ذکر شروع شروع میں اچھے الفاظ میں کرتا تھا، بعد میں اس نے شیکھر کو چغہ پوش بنا ڈالا تو لہجہ تبدیل ہو گیا۔

"خون خرابہ... مقدمہ عدالت میں..."

جان کارلس کے الفاظ اس کے ذہن میں گونجنے لگے۔ وہ پریشان سی کمرے میں ادھر ادھر ٹہلنے لگی۔

"یہ خبیث بڈھا کارلس بھی جانے کیوں..." وہ زیر لب کچھ بڑبڑائے جا رہی تھی، پھر تھک کر باہر چلی آئی۔

اس کو اس وقت کسی نہ کسی سے اس تنازعے کی تفصیلات پوچھنی تھیں اور روپا سے بہتر اسے کوئی نہیں بتا سکتا تھا۔

"رتن بوا!" رسوئی کی چوکھٹ سے اس نے اندر جھانکا۔ "روپ وتی کہاں ہے؟"

"وہ گھر گئی ہے ٹھاکرائن! اس کی بہن کا بچہ شدید بیمار ہے، اس کی ماں اسے بلانے آئی تھی۔ کوئی کام ہے تو مجھے کہیے۔" وہ گیلے ہاتھ ساڑھی کے پلو سے پونچھتی فوراً حاضر ہوئی۔

"مجھے اس کے گھر چھوڑ آؤ۔"

"آ... اچھا۔" حکم قدرے حیران کن تھا، مگر رتن بوا کو اب ٹھاکرائن حیران نہیں کرتی تھی۔ حویلی کے لوگ اب غالباً اس کے عادی ہوتے جا رہے تھے۔

"پالکی تیار ہے ٹھاکرائن! آپ تشریف لے آئیے۔" چند ساعتیں گزری تھیں کہ اس نے وہیں چوکھٹ سے لگی منتظر مایا کو مطلع کیا۔

روپا کا گھر قریب ہی تھا، کچا سا ایک کمرے کا مکان، سامنے بڑا سا صحن، ایک طرف رسوئی، اس میں مٹی کا چولہا۔

صحن میں دو چارپائیاں بچھی تھیں، ایک پہ ایک بچہ لیٹا مسلسل رو رہا تھا، ساتھ اس کی ماں بیٹھی اسے چپ کرانے کی کوشش میں لگی تھی۔

دوسری چارپائی خالی تھی۔ روپا رسوئی میں بیٹھی چولہے میں لکڑیاں جھونک رہی تھی۔ مایا کو دیکھ کر حیران سی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میم صاحب! آپ؟ زحمت کیوں کی؟ مجھے بلا بھیجا ہوتا۔" وہ ہاتھ صاف کر کے اس تک آئی۔

"کچھ پوچھنا تھا، ذرا جلدی ہے مجھے۔" لہجے میں نخوت در آئی تھی، کچھ تکلف اور کروفر سے وہ چارپائی پہ بیٹھی تھی۔

"حکم کریں میم صاحب" روپا ابھی بھی حیران سی اس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ بچہ ابھی تک روئے جا رہا تھا۔

"بدر اور شیکھر کا آپس میں زمین کے معاملے پہ کوئی جھگڑا تھا؟" روپا چند ساعتیں خاموش رہ کر بولی۔

"ہاں جی تھا تو سہی۔"

"کمال ہے تم نے مجھے کبھی آگاہ نہیں کیا۔" مایا کا موڈ بگڑا تھا۔ "کیا معاملہ کیا تھا؟"

"چھوٹے ٹھاکر کی نہروالی زمین پہ ملک بدر غاصبانہ قبضہ کیے ہوئے تھا۔ زمین ٹھاکر نے اس کے ہاتھ فروخت کر دی تھی مگر ٹھاکر۔۔۔"

"یہ مجھے پتہ ہے۔" اس نے درشتی سے بات کاٹی۔ "خون خرابے کا کیا قصہ ہے؟"

بچہ اب گلا پھاڑ کر رونے لگا تھا۔

"ایک دفعہ زمین پہ جھگڑا ہو گیا تھا، ٹھاکر کے ایک بندے نے چھوٹے ملک کے ایک مزارعے کو برچھی ماردی تھی، وہ مر گیا تھا، چھوٹے ملک نے مقدمہ کر دیا بعد میں صلح ہو گئی تھی۔"

بچہ اب ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بلک رہا تھا۔

"صلح کب ہوئی؟"

"چار سال کی بات ہے۔"

بچہ اب اپنا سر ماں کے گھٹنے سے مارنے لگا تھا، ماں مسلسل اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"صلح کے بعد دوبارہ کوئی لڑائی ہوئی تھی؟"

"چند ماہ قبل زبانی کلامی ایک جھگڑا۔۔۔"

"یہ بچہ کیوں رو رہا ہے روپا؟ اسے پہلے چپ کراؤ۔" بے زار سی ہو کر وہ کہنے لگی۔ بچے کا رونا اسے مسلسل تنگ کر رہا تھا، کوئی بات ٹھیک سے کر ہی نہیں پا رہی تھی۔

"بخار ہے جی۔" ماں گھبرا کر اسے کندھے سے لگا کر تھپکنے لگی مگر وہ رو رو کر ہلکان ہوا جا رہا تھا۔

"مگر اتنا کیوں رو رہا ہے؟" مایا کو بچوں میں دلچسپی کہاں تھی بس برائے بات پوچھ لیا۔

"اس پہ جادو ہو گیا ہے جی، میری ساس کی بہن نے ٹونا کر دیا ہے۔"

روپا کی ۔۔۔ بات پہ وہ جیسے ٹھٹک کر بولی۔ "اور یہ کس نے کہا ہے؟"

"شیکھر بابا نے خود کہا ہے جی۔"

مایا نے گردن اتنی تیزی سے اس کی جانب موڑی کہ ہڈی چٹخنے کی آواز سنائی دی۔

"شیکھر نے ایسا کہا تھا؟ کب؟"

"ہاں جی۔۔۔ نہیں جی۔" روپا تصحیح کرنے لگی۔ "آپ کے ٹھاکر شیکھر نہیں، یہ بابا شیکھر کی بات کر رہی ہے۔"

"بابا شیکھر کون؟" وہ سانس روکے منتظر تھی۔

"بیلی میں ایک جوگی بابا رہتا ہے، عمل بھی کرتا ہے، توڑ بھی کرتا ہے اس کا نام بھی شیکھر ہے۔"

وہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔ ذہن میں جھکڑ سے چلنے لگے تھے۔

"رتن بوا۔۔۔ تانگہ تیار ہے؟ مجھے ملکوں کی حویلی جانا ہے۔ جلدی چلو۔"

روپا حیران پریشان اسے روکتی رہ گئی مگر وہ نہیں رکی۔ اسے بدر سے ملنا تھا، ابھی اور اسی وقت۔

تانگہ کب روپا کے گھر سے چلی اور کب ملکوں کی حویلی کے سامنے رکی اسے علم نہ تھا۔ وہ بس اپنے دل و دماغ میں ایک ہی فقرے کی تکرار سن رہی تھی۔

"منگل سنگھ نے مرنے سے پہلے شیکھر کا نام لیا تھا۔"

جب وہ تانگے سے اتری تو اس کی ہتھیلیاں بھینچی ہوئی تھیں اور چہرہ غصے کی تمازت سے دہک رہا تھا۔ اس نے بڑا دروازہ پار کیا، سامنے طویل روش تھی، اس کے اختتام پہ برآمدہ تھا۔ برآمدے کے سرے پہ اسے بدر کھڑا نظر آیا۔

وہ تیز تیز قدموں سے چلتی قریباً" دوڑتی ہوئی اس تک آئی تھی۔

چھت کے برآمدے میں گملے کو پانی لگاتی زہرہ کے ہاتھ ایک لمحے کو پتھر ہو گئے تھے۔

"مایا!" ایک حیرت آمیز بڑبڑاہٹ برآمدے میں کھڑے بدر کے لبوں سے پھسلی تھی' وہ چند قدم آگے روش پہ آگیا۔ اتنے میں وہ اس تک پہنچ چکی تھی۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتا' مایا نے ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پہ مارا تھا۔

"کاش میں اتنی عقل مند ہوتی کہ تمہارا اصل چہرہ اس روز پہچان لیتی جب تم نے ڈھاٹے میں چہرہ چھپائے میرا راستہ روکا تھا۔ میں جانتی تھی کہ بیلی کے ڈاکو کون ہیں' مگر میں نے کسی سے ذکر نہیں کیا' میں نے پولیس میں رپورٹ نہیں کی' میں نے یہ بھی نہیں جتایا کہ میں نے تمہاری جان بچائی تھی' مگر تم ...... تم آستین میں چھپے وہ سانپ تھے' جو مجھے ڈستے رہے۔" غم و غصے سے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"مایا ــــ کیا ہوا؟" وہ ششدر سا کھڑا تھا' اتنا ششدر کہ چہرے کو چھونے کو ہاتھ بھی نہیں اٹھا سکا تھا۔

"مت نام لو میرا ..... مجھے تمہاری صورت سے بھی نفرت ہے۔" وہ زور سے چلائی تھی۔ "تم نے کیا سوچ کر شیکھر کا نام لیا' اسے بھوت کہا' اس پہ الزام لگایا ہاں؟ کیوں نام لیا تم نے میرے پتی کا؟ کیا پورے گاؤں میں صرف ایک شیکھر تھا؟ کیا تم نہیں جانتے تھے برسوں ادھر رہنے کے باوجود کہ ایک جوگی بھی اسی نام کا اس گاؤں میں رہائش پذیر ہے۔ پھر بھی تم نے میرے شیکھر پہ الزام لگایا۔"

وہ ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی' چلا رہی تھی اور وہ بت بنا خاموشی سے سنے جا رہا تھا۔

"آج کے بعد تم مجھے اپنی صورت بھی مت دکھانا۔ نہ میں کسی بدر کو جانتی ہوں' نہ میرا کسی بدر سے کوئی تعلق ہے۔" وہ مڑ کر تیز تیز چلتی باہر نکل گئی اور وہ اسی طرح ساکت سا وہیں کھڑا رہا۔

زہرہ کے جلتے دل پہ ٹھنڈی پھوار پڑنے لگی۔ ایک خوب صورت مسکان اس کے لبوں کو چھو گئی۔ بلا آخر وہ بدر کو چھوڑ گئی تھی ....

تانگے میں بیٹھتے ہی "تھانے چلو" کے الفاظ اس کے لبوں سے ادا ہوئے تھے اور جب تانگے نے اسے تھانے کے سامنے اتارا' تب بھی اس کا سندر چہرا سرخ انگارہ ہو رہا تھا۔

کھٹ کھٹ کرتی کسی کے رکنے پہ رکے بغیر وہ اندر آگئی۔ انسپکٹر شاہ قلم سنبھالے ایک کاغذ پہ کچھ لکھ رہا تھا' آہٹ پہ سر اٹھایا اور اسے دیکھ کر چونکا۔

"میم صاحب آپ؟" وہ کاغذ قلم رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "تشریف رکھیے ــــ خیریت؟"

"خیریت نہیں ہے۔" وہ بیٹھی نہیں' اسی طرح کھڑی رہی۔

"کیسے کیا ہوا ہے؟" انسپکٹر بیٹھ گیا اور ایک نیا کاغذ نکال لیا۔

"ایف آئی آر کاٹو۔"

"کس کے خلاف؟"

"بیلی راجپوتاں کے بھوتوں کے خلاف۔" وہ دانت پہ دانت جما کر بولی۔

"بیلی میں بھوت ہیں کیا؟"

"میں نے دیکھے ہیں۔"

"کب؟ کدھر؟" انسپکٹر شاہ کا جرح کرتا' پے در پے سوال کرتا چیلنج کرتا انداز ایسا تھا کہ وہ جو کچھ کہنے والی تھی' یکلخت رک گئی۔

سوال کا جواب نہ پا کر انسپکٹر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا جو بہت غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔

یہ جرح کرتا انداز ..... اور اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں ..... مایا کو ایک دم کچھ یاد آیا۔

اندھیرا جنگل ..... ساکن بگھی ..... راہزن اور وہ آواز۔ "اسے جانے دو نادر! یہ بیلی راجپوتاں کی ملکہ ہے۔"

اس کے کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ اس کی نگاہیں بے اختیار انسپکٹر کے نام کی تختی پہ جھک گئیں

"انسپکٹر نادر شاہ۔"

پزل کے سارے ٹکڑے جڑنے لگے، تصویر سامنے آنے لگی......

وہ گہری سانس لے کر میز پہ جھکی۔

"پرچہ کاٹو انسپکٹر نادر شاہ اور میرے نامزد مشتبہ افراد کی فہرست اس میں لکھو۔"

"لکھوائیے مادام۔" وہ قلم ہاتھ میں لیے منتظر تھا۔

"لکھو بیلی کے ان سب بھوتوں کا نام جو راتوں کو ڈھاٹے باندھ کے شرفاء کی عورتوں کو لوٹتے ہیں اور دن چڑھے معززین بن جاتے ہیں۔ اندھیرے میں قبرستان کو کھودتے ہیں اور دن میں خود واویلا کرتے ہیں۔ تم سب ایک ساتھ ملے ہوئے ہو، اور سب نے مل کر شیکھر کو مارا ہے۔ لکھو، مجھے شک ہے ٹھاکر رگھوناتھ پہ۔"

نادر شاہ سر جھکائے تیزی سے لکھتا جا رہا تھا۔

"اور لکھو ٹھاکر گوپال راج...... اور..."

"اور؟" مصروف سے منتظر انداز میں نادر شاہ نے استفسار کیا۔

"اور بدر غازان!"

نادر شاہ نے جھٹکے سے سر اٹھایا اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

"بدر غازان؟ آپ ہوش میں تو ہیں میم صاحب!"

"پہلے نہیں تھی، مگر اب آ گئی ہوں۔" وہ اسی طرح میز پہ جھکی ہاتھ رکھے طنز سے بولی۔

"آپ ایک شریف آدمی کو مشتبہ نامزد کر رہی ہیں۔"

"آپ شریف کسے کہتے ہیں؟"

"آپ کسے کہتی ہیں؟"

"کم از کم اسے نہیں جو تمہارا دوست ہے۔"

"دیکھیں میم صاحب۔" وہ ہاتھ اٹھا کر تختی سے بولا۔

"جب میں اس وردی میں ہوتا ہوں تو مجھے کوئی پروا نہیں ہوتی کہ میرے کسی سے کیسے ذاتی تعلقات ہیں، میں اصول پہ سمجھوتہ نہیں کرتا۔ صرف یہ پوچھا ہے کہ بغیر ثبوت کے کسی کو مشتبہ نامزد کرنے کی وجہ؟"

"تم بھی جانتے ہو اور میں بھی جانتی ہوں کہ شہنشاہ برطانیہ کے قانون میں مجھے کسی کو مشتبہ نامزد کرنے کے لیے ثبوت درکار نہیں ہے۔"

"ہاں۔" وہ قدرے سنبھلا "مگر اخلاقی طور پر آپ کو ثبوت کی ضرورت ہے۔"

"تو اب بیلی کے راہزن مجھے اخلاقیات پڑھائیں گے؟"

"آپ میری توہین کر رہی ہیں۔" نادر کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔

"شکر کیجیے میں راہزنی کی اس واردات کا پرچہ نہیں کٹوا رہی، جو چند روز پہلے بیلی کے جنگل نے دیکھی تھی۔"

وہ تلخی سے مسکرایا۔ "یہی تو بات ہے میم صاحب! میں نے سنا ہے اس واردات میں ڈاکوؤں نے بہت احسان کیا تھا آپ پر، آپ کو جانے دیا تھا، شاید ان کے سرغنہ نے ایسا کہا تھا اور بعد میں دیگر ڈاکوؤں نے اس سے اس بات پہ ناراض ہو کر گروہ توڑ دیا کہ ان کے اصولوں کی کتاب میں یہ نہیں لکھا تھا کہ اگر فرنگی کوئی محسن ہو تو اسے نہیں لوٹنا۔"

وہ چونکی، مگر ظاہر نہیں ہونے دیا، بہر حال معلومات اس کے لیے نئی تھیں۔

"دیگر ڈاکوؤں سے آپ کی مراد آپ خود ہیں؟"

"میں؟" وہ جیسے جھٹکا کھا کر رہ گیا۔ "آپ تو الزام پر الزام لگائے جا رہی ہیں۔" وہ شاید بہت اچھا اداکار تھا۔

"مجھے علم تھا تم مکر جاؤ گے، مگر خیر، پرچہ چاک کرو۔"

"بدر غازان کے خلاف؟" اس نے قلم اٹھا لیا۔

"بے شک ٹکٹ لیتا ہوں، مگر آپ پھر سوچ لیں کہ آپ کو واقعی اس شخص کا نام لکھوانا چاہتی ہیں جس کے بارے میں آپ کو یہ غلط فہمی ہے کہ وہ میرا دوست ہے؟"

"میں تو ٹھاکروں کے نام بھی لکھوانا چاہتی ہوں، آپ نے ان پہ اعتراض کیوں نہیں کیا؟"

"اس لیے کہ ان کا اس معاملے سے تعلق ہے، شیکھر ان کا رشتہ دار تھا، وہ ایسا کر سکتے ہیں مگر بدر۔۔۔ خیر میں پرچہ کاٹے دیتا ہوں، تاکہ آپ کو یہ خیال نہ رہے کہ بدر میرا دوست ہے۔" پھر مسکرا کر میز پہ قدرے آگے کو جھکا "مگر ایک بات یاد رکھیے گا میم صاحب! ہیلی کے ایک شخص نے بھی آج تک مجھے یا بدر کو راہزنی کی کسی واردات میں نامزد نہیں کیا۔"

وہ سینے پہ بازو باندھے سیدھی کھڑی ہو گئی۔

"انسپکٹر صاحب!" اس نے چہرے پہ آئے بال پیچھے ہٹائے "میں نے راہزنی کی واردات میں بدر کا نام تو لیا ہی نہیں، صرف آپ کی بات کی تھی۔"

شاہ گڑبڑایا مگر جلد سنبھل گیا۔

"… ٹھیک ہے۔" پھر پرچہ کاٹ کر کاغذی کارروائی مکمل کی۔

"مجھے امید ہے آپ شیکھر کے قتل کی تفتیش کے سلسلے میں ان تینوں افراد کو تھانے بلوا کر پوچھ گچھ کریں گے۔"

"آپ بے فکر رہیے، میرے ان تینوں افراد سے برابر کے تعلقات ہیں۔"

"نتائج آپ کی مرضی کے مطابق ہوں یا نہ ہوں، مگر تفتیش ضرور ہو گی۔" اس کے انداز میں … طنز تھا، وہ استہزائیہ سر جھٹک کر منہ میں انگریزی میں کچھ بڑبڑاتی واپس مڑی تھی، جب اس نے نادر شاہ کو کہتے سنا تھا۔

"بدر میرا دوست نہیں ہے۔"

اور باہر نکلتے ہوئے مایا کو لگا تھا، وہ سچ کہہ رہا ہے۔ شاید راہزنی کی اس ادھوری واردات نے وہ دوستی ختم کر دی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ صبح خزاں آلود سی پھوٹ رہی تھی۔

راجپوتوں کی حویلی کے پچھواڑے کملو کی اونچی فصل کے پار الگ سا املتاس کا ایک اونچا درخت کھڑا تھا۔ تنا عمر رسیدہ اور ننھے موٹے تھے، … زمین صاف اور مٹی برابر تھی۔ شام ڈھلے یہاں گاؤں کے باسیوں کی بیٹھک لگا کرتی تھی، تب زمین پہ پانی کا چھڑکاؤ ہوتا، چارپائیاں بچھ جاتیں اور گیلی سوندھی خوشبو میں حقوں کی گڑگڑاہٹ گونجا کرتی تھی۔

اس زرد سی صبح املتاس کا درخت خالی خالی سا پڑا تھا، دور دور تک کوئی چلتا پھرتا دکھائی نہ دیتا تھا، پھر جانے کس سمت سے آ کر وہ ایک ٹہنے سے بندھے رسی کے جھولے پہ آہستہ سے بیٹھ گئی، درخت کو پتا ہی نہ چلا۔

اس نے سر رسی سے ٹکا دیا۔ ہوا سے جھولا آگے پیچھے دھیما دھیما سا جھولنے لگا۔ وہ کھیتوں سے اور فضا میں جانے کھوجتی نگاہوں سے کیا تلاش کر رہی تھی۔

چہرہ بے رونق، بال چوٹی میں مقید اور ہار سنگھار ناپید تھا۔ … پاجامہ، کلائی تک … کی چوڑی دار آستینیں اور … بڑا سا دوپٹہ جو گردن سے لپٹا نیچے کچی مٹی کو چھو رہا تھا۔

ہوا کا تیز جھونکا آیا، املتاس کا سرو قد درخت جیسے نیند سے جاگا، فضا میں بکھری اس کی خوشبو محسوس کی اور بہت سے پتے اس کے قدموں میں گرا ڈالے۔

اسی پل … سے کسی نے جھولے کی دونوں رسیاں اپنے ہاتھوں میں تھام لی تھیں۔ ہولے ہولے حرکت کرتا جھولا ساکت ہوا تو وہ جو رسی سے ٹکائے سوچ میں گم تھی، چونک کر "کون" کہتے کہتے گردن موڑی، تو باقی الفاظ ہونٹوں پہ ہی دم توڑ گئے۔

وہ بالکل اس کے پیچھے کھڑا سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں ہوں، بدر۔"

"میں کسی بدر کو نہیں جانتی۔" وہ ایک دم اٹھی اور آگے بڑھنے لگی۔

"میری بات تو سنو مایا!"

وہ جھٹکے سے پلٹی۔

"تمہیں لگتا ہے مجھے تمہاری بات سننی چاہیے؟"

"اگر ملزم سمجھتی ہو تو صفائی کا موقع تو دو۔"

"ملزم نہیں، مجرم ہو تم میرے۔ تم سب میرے مجرم ہو۔ تم، وہ تمہارا تھانے دار دوست۔" غم و غصے کی شدت سے اس کی آواز پھٹنے لگی۔ "اور یہ ٹھاکر.... تم سب نے مل کر میرے شوہر کا خون کیا ہے۔ مجھے تو اسی دن تمہاری اصلیت سمجھ جانی چاہیے تھی، جس دن تم نے جنگل میں میرا راستہ روکا تھا۔ بیلی کے وہ ڈاکو جن کا ذکر یہاں کوئی نہیں کرتا، میں جانتی ہوں وہ کون ہیں۔ وہ تم ہو۔ وہ تم ہی تھے جو اس روز گھوڑے پہ بیٹھے تھے اور میرے ساتھ پٹر پٹر بولنے والا نادر شاہ تھا، تم لوگوں نے پہلے میرا راستہ روک کر لوٹنے کی کوشش کی، اور اب کیا کیا؟ میرے مرے ہوئے شوہر پہ الزام لگایا اس کہانی کا، جو تمہاری خود ساختہ ہے، جسے اپنی عیاری اور سفاکی سے تمہارے گروہ نے بیلی کے ہر شخص کے دل میں خوف کی طرح بٹھا دیا ہے۔"

وہ خاموشی سے لب بھینچے کھڑا تھا، رسّی ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھی۔

"قبرستان کا بھوت، منگل سنگھ کا قاتل، جنگل کے ڈاکو، وہ سب تم لوگ ہو۔ تم لوگوں نے بھیس بدل بدل کر پورے گاؤں کو دہشت زدہ کر رکھا ہے۔ جانتے ہو میں نے تمہارے اس دوغلے پن کے خلاف آواز کیوں نہیں اٹھائی؟ کیونکہ میں تمہاری راہزنیوں کو خود سے دلیلیں گھڑ کر صحیح ثابت کرتی رہی کہ آخر فرنگی ناجائز غاصب ہیں تو ان سے تمہارے بدلے کا یہی ایک راستہ ہے۔ مگر جانتے ہو مجھے غصہ کس بات کا ہے؟ تم نے مجھے اپنے اور شیکھر کے تنازعے کا بتایا، نہ ہی اس جوگی کا جس کا نام شیکھر ہے۔ صرف یہ کہہ دیا کہ منگل سنگھ نے شیکھر کا نام لیا تھا۔ کیا گاؤں میں کوئی دوسرا شخص اس نام کا نہیں ہو سکتا تھا؟ تم نے میرے شوہر سے ہی کیوں دشمنی نکالی۔"

"میری شیکھر سے کوئی...."

"مجھے صفائیاں مت دو، انہیں عدالت کے لیے سنبھال رکھو۔"

وہ زخمی سا مسکرایا۔ "تمہاری عدالت کے لیے۔" شاید وہ سمجھا نہیں تھا۔

"قانون کی عدالت کے لیے۔"

اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ "کیا مطلب؟"

"مت کہنا کہ تمہارے تھانے دار دوست نے تمہیں ایف آئی آر کے متعلق نہیں بتایا۔"

"میں واقعی لاعلم ہوں۔" اس کے چہرے پہ درد بھی آ گئی۔ پل بھر میں وہ ہندوستانی موہن بن گیا تھا۔ جھولے کی رسّی کب کی اس نے چھوڑ دی تھی۔

"تو جا کر اس ڈکیت سے پوچھو جو تھانے دار بادشاہ بن کر انگریز سرکار کی آنکھوں میں دھول جھونکتا ہے۔"

وہ جو کچھ کہنے لگا تھا، تلخی و ناگواری سے لب بھینچے تیزی سے واپس مڑ گیا۔

چند لمحوں بعد وہ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا، مگر وہ دیکھ چکی تھی کہ وہ تھوڑا سا لنگڑا رہا تھا۔ خالی جھولا ہولے ہولے ہلتا ٹھہر گیا تھا۔ بیلا نے دیکھا، جھولے کے پیچھے کچی زمین پہ بڑے بڑے جوتوں کے نشان رہ گئے تھے۔ اتنے تازہ اور صاف نشان جیسے ہاتھ سے منقش کیے گئے ہوں۔

وہ جیسے خواب سے چونکی۔

ایک خیال سرعت سے اس کے ذہن میں سر اٹھانے لگا۔ وہ ایک دم مڑی اور حویلی کی طرف بھاگی، لمبا دوپٹہ کاندھے سے لگا مٹی پہ جھاڑو دیتا گیا۔

"رام ناتھ!" نوجوان رام ناتھ حویلی کے دروازے پہ ہی اسے مل گیا۔ وہ کوچوان تھا، رتھ، بگھی، اور انگریزی گھوڑا گاڑی، سب چلاتا تھا، اور ہندوستانی ایسے شخص کو "بہل وان" کہا کرتے تھے، مگر وہ اسے کوچوان ہی کہتی تھی۔

"جی مالکن!" وہ آدھا کام چھوڑ کر حاضر ہوا۔

"تمہیں فضل الٰہی کے گھر کا پتہ ہے؟"

"کون جی؟"

"وہ جو کھوجی ہے۔"

"پولیس کا کھوجی فضل الٰہی؟ ہاں جی، علم ہے۔"

"جاؤ اسے بلا لاؤ، کہو میم صاحب نے بلا بھیجا ہے۔"

رام ناتھ الٹے قدموں مڑ گیا اور تھوڑی دیر بعد فضل الٰہی کے ساتھ اس کی واپسی ہوئی۔

"رام ناتھ! تم جاؤ، اب اپنا کام کرو اور آپ میرے ساتھ آیئے۔"

جب وہ کھوجی کے آگے چلتی املتاس کے اداس درخت کے پاس واپس آئی تو سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ سنہری چمکیلی کرنیں اس کے چہرے سے لپٹنے لگی تھیں۔

جھولا ابھی تک ہوا سے ہولے ہولے ہل رہا تھا۔ اس نے احتیاط سے وہاں قدم رکھتے ہوئے رسی تھام لی۔ جھولا رک گیا۔

"آپ کو وہ کھرا یاد ہے۔ جو کچے راستے پہ تھا، اس شخص کا جو آخری دفعہ شیکھر سے ملا تھا۔"

"یاد ہے۔"

"ٹھیک سے یاد ہے نا؟"

کھوجی فضل الٰہی دھیرے سے مسکرایا۔

"میم صاب! مجھے دس برس پرانے کھرے بھی یاد ہیں، آپ پوچھیے کیا پوچھنا ہے۔"

"اچھا یہ کھرا دیکھ کر بتایئے، کیا وہی کھرا ہے؟" اس نے جھولے کے عقب میں ثبت کھروں کی جانب اشارہ کیا۔

کھوجی آگے بڑھا، پہلے جھکا، پھر پنجوں کے بل زمین پہ بیٹھ کر غور سے مٹی کو دیکھنے لگا۔

"یہ کھرا؟"

"ہاں یہی۔" وہ بے صبری سے بولی۔

چند لمحے بعد وہ ہاتھ جھاڑتا کھڑا ہوا۔

"یہ وہ کھرا نہیں ہے۔"

"نہیں؟" وہ پریشان سی پیچھے ہٹی۔

"جی میم صاب! یہ وہ کھرا نہیں ہے۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا اور آنکھیں تھک کر میچ کر کھولیں۔

"ہو سکتا ہے اس نے کوئی اور جوتی پہن رکھی ہو۔"

"نہیں میم صاب! مٹی جھوٹ نہیں بولتی، دھوکہ نہیں دیتی۔ یہ کھرا کسی لمبے قد کے [illegible] آدمی کا ہے۔ جس نے کسی چیز کو [illegible] ادھر دیکھا، پھر نگاہ جھولے پہ ٹھہر گئی [illegible] جھولے کی رسی کو تھام رکھا ہے۔ وہ دوسرا کھرا [illegible] مختلف ڈیل ڈول کے آدمی کا تھا۔"

"مختلف ڈیل ڈول؟" وہ پژمردہ سا مسکرائی۔ [illegible] چند لکیریں دیکھ کر آپ قد کاٹھ اور ڈیل ڈول کا حساب کیسے کر لیتے ہیں؟"

"مٹی کی زبان پڑھنا کیا مشکل ہے میم صاب؟" وہ بولا تو اس کے انداز میں بلا کی سادگی تھی۔

"مجھے جو چند ٹیڑھی میڑھی اشکال نظر آتی ہیں، آپ انہیں زبان کہہ کر انہیں پڑھ اور سمجھ کر مطلب اخذ کر لیتے ہیں؟"

فضل الٰہی نے اسی سادگی سے دریافت کیا تھا۔ "کرنل صاحب کے کتب خانے میں جو انگریزی کی موٹی موٹی کتابیں رکھی ہیں، کیا وہ آپ سے پڑھی جاتی ہیں؟"

"ارے انگریزی پڑھنا کون سا مشکل ہے۔"

"جبکہ مجھے آپ کے انگریزی الفاظ ٹیڑھی میڑھی اشکال نظر آتے ہیں۔"

وہ بے ساختہ ہنس دی تو رسی ہاتھ سے پھسل گئی، جھولا ہوا میں جھول کر رہ گیا۔

"شکریہ۔" وہ اسے اپنے ساتھ لیے حویلی کی جانب بڑھ گئی۔ "اگر وہ کچے راستے والا کھرا کہیں آپ کو دکھائی دے تو ـــــ"

وہ دونوں چلتے چلتے دور ہوتے گئے، ملیا کی آواز مدھم پڑتی گئی۔

املتاس کا اداس درخت اور جھولا پھر سے ویران ہو گئے۔

☼ ☼ ☼

وہ برآمدے کی دوسری سیڑھی پہ بیٹھی تھی، پاؤں گھاس پہ اور کہنی گھٹنے پہ ٹکائے ہتھیلی تھوڑی تلے رکھے وہ سر جھکائے کتاب پڑھ رہی تھی، جب ٹھاکر رگھوناتھ اور گوپال آگے پیچھے گھاس قدموں تلے

وہ مندتے باغیچے میں داخل ہوئے اور اس کے قریب آن رکے۔

"مایا دیوی!" ٹھاکر رگھوناتھ نے اسے پکارا۔

اس نے ذرا سی نگاہ بلند کی۔ ان کے چہرے پہ ضبط اور دبا دبا غصہ تھا۔ صبح انہیں تھانے بلوایا گیا تھا یقیناً وہیں سے آ رہے تھے۔

"آپ نے ہمارے خلاف ایف آئی آر کٹوائی ہے؟"

"جی!" اس کے اطمینان کا وہی عالم تھا۔

گوپال تلملا کر بولا "آپ کو لگتا ہے ہم شیکھر کا خون کر سکتے ہیں؟"

اس نے نگاہ کا رخ گوپال کی جانب موڑا اور اس پہ سر سے پاؤں تک ایک گہری نظر ڈالی۔

"کر سکتے ہیں۔"

"کیوں کریں گے ہم ایسا؟"

"شیکھر کی دولت کے لیے۔"

"مگر اس نے تو پائی پائی آپ کے نام کر دی تھی، ہمارے لیے ایک دمڑی، ایک چھدام بھی نہ چھوڑا۔"

"آپ جانتے تھے ٹھاکر صاحب! کہ اس کی موت کی صورت میں میں واپس انگلستان چلی جاؤں گی، اور سب کچھ آپ کی نگرانی یا ملکیت میں دے جاؤں گی، دونوں صورتوں میں آپ ہر چیز کی بلا شرکت غیرے مالک ہوں گے۔"

"مگر......"

"آپ کے اور شیکھر کے درمیان جائیداد کے تنازعے برسوں سے موجود تھے۔" وہ بنے یار کے بغیر آرام سے کہے جا رہی تھی۔ "سو آپ نے اس کا ایک موزوں حل یہ ڈھونڈا کہ شیکھر کو ہٹانے کے بعد مجھے بھی یہاں سے بے زار کر کے بھیج دیا جائے۔"

"مگر ہم نے تو آپ کو کبھی تنگ نہیں کیا۔"

"کیا، بالکل کیا۔ مجھے ہراساں کیا گیا۔" اس نے گوپال پہ ایک تیز نگاہ ڈالی۔ "مجھے نوکرانیوں کی زبانی جنوں بھوتوں کے جھوٹے سچے قصے سنائے گئے، یہاں تک کہ ٹھاکر گوپال نے ایک خادمہ کے ذریعے شادی کی پیشکش بھی کر ڈالی۔"

بڑے ٹھاکر نے ایک قہر آلود نظر گوپال پہ ڈالی، وہ نگاہیں چرا کر رہ گیا۔

"مایا دیوی! ہم نے تو آپ کی بہت مدد کی۔ آپ کی جائیداد بکوانے کا انتظام بھی کر دیا تھا۔"

"وہ بھی اپنے بیٹے کے ہاتھوں؟"

"آپ کو واقعی لگتا ہے ہم شیکھر کا خون کر سکتے ہیں؟"

"مجھے واقعی لگتا ہے۔" وہ پھر سے کتاب پڑھنے لگی۔

گوپال پیر پٹختا وہاں سے چلا گیا۔ ٹھاکر رگھوناتھ بھی کچھ سوچتے ہوئے دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے چل دیے۔

"میم صاحب!" اسی لمحے بکاول کسی وردی میں ملبوس تھانے کے اہلکار کے ساتھ بے عجلت میں اس تک آیا۔

مایا نے کتاب بند کر کے گردن اٹھائی۔

"بولو۔"

"داروغہ صاحب نے بندہ بھیجا ہے، آپ کو تھانے بلاتے ہیں۔" سنہری پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

"میں تمہارے داروغہ کی ملازم نہیں ہوں جو دوڑی چلی آؤں، اس سے بولو اگر مجھ سے کوئی کام ہے تو حویلی آ جائے۔"

اہلکار قدرے تذبذب سے مڑنے لگا مگر کسی خیال کے تحت اس نے روک دیا۔

"سنو، تھانے میں کسی اور کو بھی اس وقت بلا رکھا ہے انسپکٹر نے؟"

"ٹھاکروں کو بلایا تھا، ڈی سی صاب بھی تھے مگر اب وہ چلے گئے ہیں، صرف چھوٹا ملک بیٹھا ہے ادھر۔"

"اچھا ٹھیک ہے، تم باہر انتظار کرو، میں آتی ہوں۔"

پھر بکاول کو مخاطب کیا "موزشر سے آ گئی؟"

"نہیں میم صاب!"

"اچھا پھر رام ناتھ سے کہو بگھی تیار کرائے میں

آئی ہوں۔"

کتاب ہاتھ میں پکڑے وہ اٹھ کر اندر چلی گئی۔

تیاری کیا کرنی تھی، بس کرتا پاجامہ تبدیل کر کے سفید ساڑھی زیب تن کر لی، چوٹی کھول دی تو موتیوں سے بھری لڑی پیچھے بالوں میں لٹکنے لگی۔ آنکھوں میں گہرا کاجل ڈالا اور باہر نکل آئی۔

☼ ☼ ☼

نادر شاہ اپنی کرسی پہ براجمان تھا، سامنے میز رکھی تھی اور میز کی دوسری طرف دو کرسیاں بچھی تھیں۔ بائیں کرسی پہ بدر ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھا تھا۔

جس وقت وہ کمرے میں داخل ہوئی، بدر ہاتھ اٹھا کر نادر شاہ سے کچھ کہہ رہا تھا، آہٹ پر خاموش ہوا اور گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

نادر شاہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"آیئے میم صاب۔"

وہ کرسی کھینچ کر بہت اعتماد سے اس کے بالکل برابر ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھ گئی۔

"مجھے کیوں بلوایا آپ نے؟"

"یہ چاہتے تھے، جو بات ہو آپ کے سامنے ہو۔"

"ہو لیے۔" وہ سامنے نادر شاہ کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"بدر کا کہنا ہے اس کا شیکھر کے قتل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ اگر اس معاملے کو یہیں حل کرنا چاہیے یا صلح کرنا چاہیں تو بسم اللہ۔" کہہ کر وہ پیچھے ہو کر بیٹھ گیا۔ مایا کو محسوس ہوا، اس کا انداز جان چھڑانے والا تھا۔

"مگر مجھے صلح نہیں کرنی۔"

"مجھے بھی نہیں کرنی۔" مایا کی بات پر وہ تیزی سے بولا۔ وہ دونوں سامنے نادر شاہ کو دیکھتے ہوئے ایک دوسرے کو بظاہر نظر انداز کر رہے تھے۔ "میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں لیکن اگر بات مقدمے کی ہے تو ٹھیک ہے، آپ اپنا استغاثہ کریں میں اپنا دفاع کروں گا۔"

"شوق سے کیجیے۔" وہ نادر کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"اور میں عدالت میں ثابت کروں گا کہ میں بے قصور ہوں۔"

"ضرور کیجیے۔"

نادر شاہ ہولے سے طنزیہ مسکرایا۔ "میں نے تم سے کہا تھا بدر! اہل فرنگ کی دوستی خطرناک ہوتی ہے۔"

"بات مقدمے کی ہو رہی ہے نادر!" بدر کو برا لگا تھا۔

"دیکھیے میم صاب!" نادر کرسی پہ آگے ہوا، اس کی بات نظر انداز کر دی۔ "مجھے بھی علم ہے کہ شیکھر کی موت حادثاتی نہیں، آگ خود بخود نہیں لگا کرتی۔ بطور ایک تھانے دار مجھے شک کی فہرست میں ہر ایک کو گھسیٹنا پڑتا ہے، یہاں تک کہ اس کو بھی جس کو شیکھر کی موت سے سب سے زیادہ فائدہ ہوا ہے۔"

"کس کو؟" وہ چونکی۔

"آپ کو میم صاب۔ شیکھر کی ساری جائیداد آپ کو ملی ہے۔ سب سے زیادہ فائدہ تو آپ کو ہے۔"

"مگر سامنے کی بات تھی کہ اس کے مرنے کے بعد میں نے واپس چلے جانا تھا اور میں کیا لندن میں اس جائیداد کی رکھوالی کرتی یا سنبھالتی پھرتی۔ جائیداد ہر صورت ٹھاکروں کے پاس رہنی تھی، سب سے زیادہ فائدہ تو انہیں ہو گا۔"

"یہ محض مفروضے اور "بعد" کی باتیں ہیں میم صاب! قانون اندھا ہوتا ہے، وہ صرف پہلا فائدہ دیکھتا ہے۔"

"تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ شیکھر کو میں نے قتل کیا ہے۔" وہ ذرا بھی نہ گھبرائی تھی۔

"نہیں، کیونکہ آپ اس روز امرتسر میں تھیں، میرے پاس گواہیاں موجود ہیں۔ آپ کا alibi بہت مضبوط ہے کہ آپ بیلی میں تھیں ہی نہیں۔"

"alibi تو میرے پاس بھی ہے۔" وہ تیزی سے بولا اور چہرہ مایا کی طرف موڑا۔ "میں بھی اس روز گاؤں سے باہر تھا۔"

"ہاں میں جانتی ہوں آپ کہاں تھے۔"

"آپ کیا سب جانتی ہیں کہ بیلی کے ڈاکو کون ہیں لیڈی شیکھر! نادر کو بھلے نہ جانتے ہوں، مجھے سب جانتے ہیں۔"

نادر کے چہرے کا رنگ پل بھر کو بدلا "میرا اس معاملے سے کوئی سروکار نہیں ہے۔" مگر بدر نے بغیر ہی کہے جا رہا تھا، اس نے شاید نادر کا انداز محسوس ہی نہیں کیا تھا۔

"مگر...... کسی نے آج تک میرے خلاف پرچہ نہیں کٹوایا۔ کیا کسی ایک شخص نے بھی بیلی میں آپ سے ذکر کیا کہ جنگل کے ڈاکوؤں کا سردار بدر رعنا زان ہے؟ جانتی ہیں کیوں؟ اس لیے نہیں کہ وہ مجھ سے ڈرتے ہیں بلکہ اس لیے کہ وہ مجھ سے پیار کرتے ہیں۔ انہیں میری صورت میں گاؤں کا ایک محافظ مل گیا ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ جب تک بدر رعنا زان بیلی میں ہے، ان کے کسی گودام میں نقب نہیں لگے گی۔"

پایا نے ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھا۔

"آپ یہاں کے ڈاکوؤں کی نفسیات نہیں جانتیں۔ ہندوستان کے ڈاکو جو پولیس کے لیے دردِ سر ہوتے ہیں، ان کے سب سے بڑے محافظ خود ان کے اپنے گاؤں والے ہوتے ہیں، اس لیے کہ اس گاؤں میں نہ تو وہ ڈکیت خود واردات کرتا ہے، اور اگر ڈکیت طاقتور ہو تو دور دور کے کسی ڈاکو کو ہمت نہیں ہوتی کہ وہ اس گاؤں کے قریب بھی پھٹک سکے۔ پولیس سے زیادہ تو ڈاکو حفاظت کرتے ہیں گاؤں کی۔ یہ ڈاکوؤں کا کلچر ہے، اور پایا دیوی! آپ مانیں یا نہ مانیں، فرنگیوں سے ہم سب نفرت کرتے ہیں، وہ غاصب، چور اور جابر ہیں اور انہی فرنگیوں کے خلاف جب ہم بغاوت کرتے ہیں تو یقین مانیے کیا ہندو اور کیا مسلمان، سب ہمارا ساتھ دیتے ہیں۔"

وہ خاموشی سے لب کاٹتی، دو متضاد کیفیات کے درمیان گھری تھی۔ پھر چند ثانیے بعد بولی۔

"مگر تمہارے اور شیکھر کے درمیان کوئی تنازعہ تو بہرحال تھا۔"

"اگر آپ غصہ کرنے کے بجائے مجھ سے پوچھ لیتیں تو بہتر ہوتا۔" اس نے گہری سانس لی۔ "وہ زمین ٹھاکر رگھوناتھ نے ایک چوہدری کو بیچی اور اس نے مجھے، بعد میں شیکھر نے دعوا کیا کہ زمین اس کی ہے اور اس پہ میرا قبضہ ہے۔ ٹھاکروں نے اس چوہدری کو ساتھ ملا لیا اور مکر گئے کہ مجھے کسی نے زمین بیچی ہے۔ مقدمہ ابھی تک عدالت میں ہے، جس کا فیصلہ میرے حق میں جلد یا بدیر ہو ہی جائے گا، پھر شیکھر کو مارنے سے کیا ملتا مجھے؟ اصل فریق تو ٹھاکر ہیں۔"

اور وہ جیسے ہار گئی۔

"پھر کیا اسے ٹھاکروں نے مارا ہے؟"

"میری رائے مانگ رہی ہیں؟" بدر کا لہجہ متوازن تھا، پہلے کی طرح دوستانہ نہیں تھا، مگر ناراضی بھی مفقود تھی۔

"اگر مانگوں تو......؟"

"تو میں کہوں گا، نہیں...... ٹھاکر شیکھر کو قتل نہیں کر سکتے۔"

"مگر کیوں؟" وہ حیران رہ گئی۔

"اس لیے نہیں کہ ٹھاکروں کے ہاتھ کچھ نہ آتا تھا، بلکہ اس لیے کہ وہ اتنے جی دار نہیں ہیں۔"

"لیکن شیکھر کہتا تھا۔" اسے یاد آیا کہ "اگر ان باپ بیٹے کا بس چلے تو اسے قتل کر کے جائیداد ہتھیا لیں۔"

"شیکھر کہتا تھا نا، سو غلط بھی کہہ سکتا ہے۔"

"وہ ان کو جانتا تھا تو کہتا تھا۔"

"وہ گاؤں میں رہتا تو کسی کو جانتا ہوتا۔ ٹھاکر گاؤں کے ساتھ جتنے برے ہوں، اس کے ساتھ اتنے برے نہیں تھے، جتنا اس کو اس کے منشی بھڑکاتے تھے۔"

"اچھا۔" پایا نے شانے اچکا دیے۔ "مجھے امید نہیں تھی کہ تم ٹھاکروں کی حمایت کرو گے۔"

"میں صرف اپنی رائے دے رہا ہوں۔"

"آپ کیا کہتے ہیں داروغہ صاحب؟" اس نے بہت دیر سے خاموش بیٹھے نادر کو مخاطب کیا۔

"میں ابھی تفتیش کر رہا ہوں۔ ٹھاکر بظاہر مجھے

بے قصور لگتے ہیں مگر انہیں یکسر نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

"اور یہ قبرستان کے بھوت کا کیا قصہ ہے؟"

"میم صاحب! میرا خیال ہے ادھر کوئی نہیں ہے۔ یہ گاؤں والوں کا من گھڑت قصہ ہے۔ بہرحال میں ان تینوں سے مزید تفتیش کروں گا اور اگر یہ مجھے بے قصور لگے تو انہیں کیس سے خارج کر دوں گا۔ اگر یہ ملزم نکلے تو انہیں سزا ملے گی۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔" وہ بدر کو کیس سے خارج کرنے کا کہنا چاہتی تھی مگر انا آڑے آ گئی تو فیصلہ نادر شاہ پہ چھوڑ کر باہر چلی آئی، اسے معلوم تھا' یہ تینوں نام وہ جلد ہی خارج کر دے گا۔

"بڑی زیادتی کی آپ نے لیڈی شیکھر!" وہ اس کے پیچھے آیا تھا۔

"مایا!" اس نے رک کر تصحیح کی اور پھر چل پڑی۔ وہ جو چند قدم عقب میں تھا' مسکرا کر رہ گیا۔

چلتے چلتے ٹھہر گئی اور خفگی سے گردن موڑی۔

"تم مسکرائے کیوں؟"

"حالانکہ میں آپ کے مڑنے سے قبل ہی اپنی مسکراہٹ چھپا چکا تھا' آپ کو کیسے علم ہوا؟"

"مجھے سب علم ہوتا ہے' جانے تم مجھے کیا سمجھتے ہو۔"

وہ پھر سے مسکرا دیا۔

"مسکرائے کیوں؟"

"آپ بیا پہلے؟"

"میں تمہارے ساتھ کسوٹی کھیل رہی ہوں؟" وہ زچ ہوئی۔

بدر کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ سفید ساڑھی میں سیدھے سنہری بال لیے وہ خفا خفا سی اسے دیکھ رہی تھی۔

"آپ کی وجہ سے آج میرے اتنے اچھے دوست کو مجھ پہ طنز کرنے کا موقع ملا۔"

"نہیں۔" وہ تیزی سے بولی۔ "وہ تمہارا دوست نہیں ہے۔"

"ارے نہیں۔" وہ مسکرا رہا تھا۔ "نادر میرا بہت اچھا دوست ہے۔"

وہ کچھ کہنے لگی' پھر ٹھہر گئی' اسے لگا وہ اسے جتنا خبردار کرے' وہ یقین نہیں کرے گا۔

"شاید۔" اس نے شانے اچکائے اور سفید ساڑھی کا پلو درست کیا۔ بدر کی نگاہ اس کے سراپے پہ پھسلتی چلی گئی۔

"اتنے سفید رنگ پہنتی ہو تو بالکل کوئی۔۔" وہ لمحے بھر کو ٹھہرا۔

"کہہ دو بدروح لگتی ہوں۔"

"پری لگتی ہو۔"

مایا نے ابرو اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ شاید پہچان گئی تھی، مگر اس کا اعتراف خلاف انا ہوتا تو وہ کر ہی ڈالتی۔

"صحیح کہہ رہا ہوں۔ زہرہ کہتی ہے ٹھاکروں کی یہ مہارانی تو ساحرہ ہے' میں سوچ رہا تھا وہ ٹھیک کہتی ہے۔"

وہ چند قدم اس کے قریب آیا۔

"کیسی ہے زہرہ؟"

"خوب صورت ہے۔"

"میں نے حال پوچھا ہے۔"

"وہ بھی بہت اچھا ہے۔"

"منگیتر ہے تمہاری' تو شادی کب کرو گے اس سے؟"

"آپ نے اس روز کہا تھا کہ قبرستان میں رات ٹھہر کر اس بھوت کی گھات لگاتے ہیں۔" اس نے بات بدل دی۔

"معلوم نہیں کوئی بھوت ہے بھی یا نہیں' میں تو بستی کے لوگوں کی ٹوکنیوں سے تنگ آ گئی ہوں۔ چلتی ہوں۔"

وہ اسے دور جاتے دیکھتا رہا۔

"زہرہ ٹھیک کہتی ہے۔" اس نے سوچا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تھانے دار نے تذکرہ کیا تھا کہ آپ نے میرا اور بابا جی کا نام مشتبہ افراد کی فہرست سے نکال دیا ہے۔"

کھانے کی میز پہ گوپال نے کرسی کھینچتے ہوئے قدرے مصالحتی انداز میں بات شروع کی۔

کھانے کا کمرہ بے تحاشا انگریزی فرنیچر سے بھرا پڑا تھا۔ فرنگی ایسے ہی گھروں کو بے جا چیزوں سے بھرنے کے لیے بدنام تھے۔ چیزیں اچھی خریدتے مگر سجانے کا ذوق ناپید تھا۔ اور شیکھر ان ہندوستانیوں میں سے تھا جو اہلِ فرنگ کی نقالی میں پیش پیش رہتے تھے۔

"بدر غازان کا بھی واپس لے لیا ہے۔"

گوپال رکابی اپنے سامنے رکھتے رکھتے چونکا۔ "اس کا نام بھی تھا؟"

"ہاں!" وہ سر جھکائے کھاتی رہی۔

"تو واپس کیوں لیا؟"

"مجھے لگا وہ بے قصور ہے۔"

"اور ہمارا نام؟"

"بدر کو لگا آپ بھی بے قصور ہیں۔" گوپال کو جھٹکے پہ جھٹکے مل رہے تھے۔

"بدر... بدر کو لگا۔"

وہ رومال سے ہاتھ صاف کر کے، کرسی دھکیل کر اٹھی۔

"جی بدر کے کہنے پہ میں نے نام تو واپس لے لیا مگر شک بہرحال مجھے ابھی تک آپ پر ہے۔"

گوپال جز بز ہوتا سالن ڈالنے لگا۔ وہ سر جھٹک کر باہر نکل آئی۔ ابھی سیڑھیوں پہ چڑھی ہی تھی کہ روپ وتی نے روک لیا۔

"میم صاب! یہ چھوٹے ملک نے بھیجا ہے۔" دبی آواز میں کہتے چاندی کی طشتری سامنے کی، جس پہ سرخ مخمل کا ٹکڑا بچھا تھا۔ اس پہ ایک بند رقعہ رکھا تھا۔

وہ پہلی سیڑھی پہ کھڑی تھی، قد دراز تھا ہی، اوپر کھڑے ہونے کے باعث مزید اونچی اور نیچے طشتری تھامے کھڑی روپا بہت چھوٹی لگ رہی تھی۔

ماہا نے رقعہ اٹھا کر کھولا۔

"اگر میرے سارے قصور معاف کر دیے ہیں تو کل صبح میں کنویں کے کنارے تم سے بات کرنے کا منتظر رہوں گا۔ بدر"

اس نے رقعہ مٹھی میں دبا لیا۔

"اس کا ایلچی باہر کھڑا ہے؟"

"جی میم صاب!"

"اسے کہو، اپنے مالک سے کہہ دے، پیغام وصول کر لیا ہے اور سنو، یہ چھوٹا ٹھاکر شکار پہ کب جا رہا ہے؟"

"غالباً" اسی بدھ وار کو۔"

"یعنی دو دن بعد۔" وہ مڑی اور سیڑھیاں چڑھتی گئی سفید ساڑھی کا پلو اس کے پیچھے پیچھے زینوں سے پھسلتا اوپر جا رہا تھا۔

اور جب وہ دروازے کے پیچھے گم ہو گئی تو روپ وتی باہر جانے کے بجائے، آہستہ سے کھانے والے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

صبح ابھی نیلی ہی تھی جب وہ کنویں پہ آ گئی۔ وہاں آج بھی کچی زمین پہ بیر بکھرے تھے۔

بیری کے درخت کے ساتھ بندھا سفید گھوڑا سر جھکائے گرے پتوں میں منہ مار رہا تھا۔ اس نے گھوڑے کو دیکھا تو فوراً" نگاہ اِدھر اُدھر گھومی، اور پھر وہ اسے نظر آ ہی گیا۔

کنویں کی جگت پہ بیٹھا، سر جھکائے جوتے سے پتے کو مسلتا۔

وہ دبے قدموں، ایک دم سے اس کے سامنے آ گئی۔

وہ بے اختیار کھڑا ہو گیا۔

"ماہا...؟"

وہ جس سفید ساڑھی میں ماتم کناں بیوہ کی توقع کر رہا تھا، وہ تو آج نرالی چھب میں تھی۔

گہرا سرخ کرتا پاجامہ، کہنی تک آتی آستینیں اور ان کے آگے کلائیوں تک سرخ چوڑیوں سے بھرے ملائم دودھیا بازو، آنکھوں میں گہرا کاجل اور کھلے چہرے کے دونوں اطراف میں گرتے بالوں میں ایک طرف

لٹکتی موتیوں بھری لٹ۔ وہ اکثر بال کھولتی تھی، ہندوستان میں کھلے بالوں والی عورت کو بے حیا اور آوارہ تصور کیا جاتا تھا۔

بیلی میں کوئی شریف عورت بال نہیں کھولتی تھی، مگر یہ وہ واحد لڑکی تھی جو کھلے بالوں میں بدر کو اور بھی زیادہ حسین لگتی تھی۔

"جب تم نے کہا میں رنگ نہیں پہنتی۔ تو میں نے سوچا، تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔ میں زندگی سے رنگوں کو نکال کر خود پر ظلم کر رہی تھی۔ میں کون سا ہندوستانی ہوں، مجھے لگا اگر رنگ پہننے لگوں تو یہاں کوئی خاص اعتراض نہیں کرے گا۔"

"نہیں کرے گا۔" بے اختیار لبوں سے پھسلا۔ وہ مبہوت سا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے سحر انگیز سراپے سے بے نیاز کنویں کی منڈیر پہ بیٹھی اور کلائی میں پڑی چوڑیاں ادھر ادھر سیدھی کرنے لگی، پھر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تم نے مجھے اس لیے بلایا ہے کہ یوں دربان کی طرح سامنے کھڑے رہو؟"

"ارے نہیں۔" وہ آہستہ سے ساتھ بیٹھ گیا۔

"پھر کس لیے بلایا تھا؟" اس نے ہاتھ سے سارے بال سمیٹ کر دائیں کندھے پہ ڈالے سرخ چوڑیاں کھنک اٹھیں۔

"معلوم نہیں۔" وہ سامنے دیکھنے لگا "بس اس روز تمہارے اچانک غصے پہ ابھی تک حیران ہوں۔"

"بدر! تمہیں میرے ساتھ صاف صاف بات کرنی چاہیے تھی۔ تمہیں اپنے اور شیکھر کے معاملے کے بارے میں مجھے آگاہ کرنا چاہیے تھا۔ پھر یہ سوچے بغیر کہ کوئی اور بھی شیکھر نام کا ہو سکتا ہے، تم نے سارا الزام شیکھر کے سر ڈال دیا۔ وہ میرا شوہر تھا بدر! مجھے دکھ ہوا ہے۔"

"میرا تنازعہ ٹھاکروں کے ساتھ تھا اور میں معافی چاہتا ہوں کہ نادانستگی میں میں نے تمہیں دکھ دیا، مجھے واقعی شیکھر پہ شک نہیں کرنا چاہیے تھا مگر اس کا نام پر یقین ہو کر میں نے تب ہی لیا تھا جب تم نے کسی کالی چادر والے کو گودام میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ مجھے لگا یہ سب شاید شیکھر کر رہا ہے۔"

"ہوں۔" اس نے لب سکیڑے، سارا جھگڑا جیسے ختم ہو گیا تھا "کون ہو سکتا ہے وہ شخص؟"

"اگر وہ ٹھاکر شیکھر نہیں ہے تو۔۔۔"

"بدر!" اس نے صدمے سے اسے دیکھا۔ "تمہیں اب بھی شک ہے کہ وہ شیکھر ہو سکتا ہے؟"

"میں معافی چاہتا ہوں۔ گوپال شکار پہ کب جا رہا ہے؟" بات پلٹ دی۔

"بدھ کو۔" وہ سامنے دیکھنے لگی۔ "میں اس رات بھوت کی گھات لگانے قبرستان جانا چاہتی ہوں۔"

"میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

"اچھا یہ شیکھر۔۔۔ میرا مطلب ہے یہ جوگی کیسا آدمی ہے؟"

"جادو ٹونے کرتا ہے، دوا وغیرہ بھی دیتا ہے۔"

"کیا تم مجھے اس سے ملوا سکتے ہو؟ ہم کم از کم اسے چیک تو کر سکتے ہیں یا اس کا گھر!۔۔۔ اوہ بدر تم نے کبھی اس بھوت کا گھر اپکڑنے کی کوشش نہیں کی؟"

"کی تھی، جب منگل سنگھ قتل ہوا تھا، مگر تماشائیوں نے گھیرے ... کر ڈالے تھے۔ ایسے ویسے تو ڈرتے ہیں مگر لاش کا سن کر تجسس میں سب اکٹھے ہو گئے تھے۔"

"کبھی اس بھوت کا گھر نہیں پکڑا؟"

"میں چند ایک بار کوشش کر کے دیکھ چکا ہوں، مگر وہ شخص اپنے گھر سے تماشا کر جاتا ہے، خاصا شاطر انسان لگتا ہے وہ مجھے لیکن شیکھر۔"

"لیڈی فرینڈز!" غیر ارادتاً تصحیح کی تو وہ بولتے بولتے ٹھہر سا گیا۔

"تم شیکھر کا نام اپنے ساتھ نہیں لگانا چاہتیں؟"

"میں تو اب سفید رنگ بھی نہیں پہننا چاہتی، تم کیا چاہتے ہو؟"

"ہر وہ چیز جس سے تم خوش ہو۔ ایک بات پوچھوں؟"

ڈلہوزی کی وہ ڈھلتی شام ان کے آس پاس منڈلانے لگی۔ پل بھر کو وقت ٹھہر سا گیا، وہ سوالیہ نگاہوں سے

اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ جانے کیا کہنا چاہتا تھا اور پھر کچھ اور کہنے کی خواہش لیے وہ بس اتنا پوچھ سکا۔

"راجپوت میری اور تمہاری شناسائی پہ اعتراض تو نہیں کرتے؟"

"کرتے ہیں۔"

"اور تم کیا کرتی ہو؟"

"میں؟ میں ہمیشہ تمہارے بلانے پہ آجاتی ہوں۔" وہ اس لمحے اتنی سادہ لگی تھی کہ وہ اپنی بے ساختہ مسکراہٹ نہ روک سکا۔

وہ کھڑی ہو گئی۔

"کدھر؟"

"چلو چل کر اس جوگی کو دیکھتے ہیں۔"

"اتنی صبح؟"

"کیا وہ دیر تک سوتا ہے؟"

"ارے نہیں۔" بدر ہاتھ جھاڑتا کھڑا ہوا۔ "اس کے پاس تو صبح تڑکے سے ہی لوگوں کا تانتا بندھ جاتا ہے۔ لمبی قطاریں لگ جاتی ہیں۔"

"بے چارے بے عقائد کے پسماندہ لوگ۔"

وہ دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

"اس کا ڈیرہ یہاں سے کتنا دور ہو گا؟"

"زیادہ نہیں۔ یہ گاؤں بہت بڑا نہیں ہے۔"

گاؤں پیچھے رہ گیا تھا' وہ دونوں آگے پیچھے کھیتوں کے بیچ پگڈنڈی سے گزر رہے تھے۔ وقفے وقفے سے اس کی سرخ چوڑیاں کھنک اٹھتی تھیں۔

"تمہیں جان کالس کیسا آدمی لگتا ہے بدر؟"

"ڈپٹی بہادر؟" وہ سوچ میں پڑ گیا۔ "ویسا ہی ہے جیسے کمپنی صاحب لوگ ہوتے ہیں۔ متعصب ہندوستانیوں کو نیچ سمجھنے والے' سخت گیر' مگر ایماندار' فرض شناس۔"

"تمہیں نہیں لگتا وہ شیکھر کے قتل کے کیس میں اچانک سے دلچسپی لینے لگا ہے؟"

"تم چاہتی ہو وہ نہ لے؟"

"لے' ضرور لے' مگر لے ہی کیوں؟"

"تمہیں کیسے لگا کہ وہ اس کیس میں دلچسپی لے رہا ہے؟"

"اس نے مجھے بلا کر یہ بتایا تھا کہ تمہارا اور شیکھر کا کیا تنازعہ تھا۔" بدر چلتے چلتے ٹھٹک کر پلٹا۔ "اس نے ایسا کیوں کیا؟"

"شاید گوپال نے اسے کہا ہو۔ اس نے بتایا تو یہی تھا۔"

"تم قبرستان میں جانے کے لیے گوپال کے شکار پہ جانے کا انتظار کیوں کر رہی ہو؟"

"میں نہیں چاہتی کہ اسے پتہ چلے۔ وہ عموماً میری تاک میں رہتا ہے۔"

"تمہیں اس سے اتنا فرق کیوں پڑتا ہے؟"

"وہ باپ بیٹا مجھے گاؤں سے نکالنا چاہتے ہیں اور میں انہیں ایسا کوئی موقع نہیں دینا چاہتی۔ میں شیکھر کے قاتلوں کو انجام تک پہنچائے بغیر یہاں سے نہیں جانا چاہتی۔"

"کیا تم صرف اسی لیے ادھر ہو؟" بدر کو جیسے دکھ ہوا تھا۔

"یہ صرف ایک وجہ ہے۔" وہ مبہم سا مسکرائی۔

"اور دوسری وجہ کیا..... یہ رہا اس جوگی کا ٹھکانہ۔" ادھوری بات اس کے لبوں پہ دم توڑ گئی کہ جھگیاں آ گئی تھیں۔

وہ جوگی کے ایک چیلے کی جانب بڑھا۔

"بابا سے ملنا ہے۔"

چیلے نے ذرا کی ذرا نظر اٹھائی۔

"بابا ابھی مصروف ہے' عمل کا وقت ہے' منگل کو آنا۔"

"منگل تو آج ہے۔"

"اگلی منگل کو آنا۔" وہ جھنجلایا تھا۔

"مگر مہاراج ہمیں بہت ضروری کام ہے۔"

"کہا نا' ابھی عمل کا.....؟" دفعتاً چیلے کی نگاہ دور سے آتی مایا پہ پڑی۔ سرخ کھلتے گلاب جیسا لباس' اس میں جھلکتی گوری جلد۔

"کیا ہوا؟ ہم اندر جا سکتے ہیں؟" وہ بیک وقت دونوں سے مخاطب ہوئی۔

"یہ تمہارے ساتھ ہے؟" آن کی آن میں چیلے کے تاثرات تبدیل ہوئے۔ بدر کا مثبت جواب پا کر وہ "اچھا ذرا دیر کو ٹھہر۔" کہہ کر فوراً اندر لپکا۔

"کیا کہہ رہا تھا؟"

"مجھے دیکھ کر کہا کہ جوگی مصروف ہے، مگر تمہیں دیکھ کر اسے یاد آیا کہ اس کا استاد اسے کچا چبا جاتا اگر اسے علم ہوتا کہ اس نے ایک خوب صورت لڑکی کو اندر کا راستہ نہیں دکھایا۔"

چیلا اسی پل باہر آیا۔

"مہاراج نے اپنی عمل میں قدرے توقف کیا ہے، آپ اندر جا سکتی ہیں۔"

"ہم ساتھ ہیں۔" بدر کٹیلے لہجے میں کہہ کر مایا کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

خیمہ خاصا بڑا تھا۔ دیواروں پہ عجیب و غریب سے حروف جن میں مختلف الفاظ لکھے تھے ایک کونے میں ہنڈیا رکھی تھی جس کے نیچے مدھم آگ جل رہی تھی۔ ہنڈیا کے ڈھکن کی درزوں سے نکلتے دھواں سے پورے خیمے میں عجیب تعفن زدہ بو پھیلی تھی۔

سامنے چوکڑی مارے چھوٹی چھوٹی داڑھی والا شخص بیٹھا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ گھٹنوں پہ رکھے تھے اور آنکھیں موندے زیرِ لب کچھ بدبدا رہا تھا۔ مایا اور بدر اس کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گئے۔

"بدر!" اس نے بغور جوگی کو دیکھتے ہوئے انگریزی میں سرگوشی کی۔ "اس نے چغہ پہن رکھا ہے۔"

بدر نے دیکھا، شیکھر بابا نے واقعی گہرے سبز رنگ کا میلا کچیلا سا جھولا سا پہن رکھا تھا۔ اس کی گردن میں عجیب و غریب پتھروں کا ہار تھا۔

"بولو کیا مسئلہ ہے؟" جوگی نے آنکھیں کھولیں، ایک گہری نگاہ مایا پہ ڈالی۔

"ہمارے ہاں اولاد نہیں ہے۔" بغیر تمہید کے وہ اتنی سادگی سے بولی کہ بدر حیران سا رہ گیا۔ "کوئی عمل بتا دیجیے مہاراج! میری ساس مولوی سے تعویذ لے کر کرتی ہے، وہ اس کی دوسری شادی کروا دے گی۔"

"ہوں۔ لمبا عمل ہے، مگر چھوکری کو کرنا ہو گا۔"

"کیا کرنا ہو گا مہاراج؟" وہ ادب سے استفسار کر رہی تھی۔

"چھوکری کو ہر تیسرے روز ہمارے پاس لانا ہو گا۔ ساتھ میں عمل کی دوسری اشیاء بھی تمہیں خود لانی ہوں گی۔"

"کیسی چیزیں؟"

جوگی کی نگاہیں اس کے صبیح وجود کے گرد طواف کر رہی تھیں، سوال در سوال کر رہی تھی اور وہ تو پہلے جھٹکے سے ہی نہیں سنبھلا تھا، خاموش سا بیٹھا تھا۔

"ہوں" جوگی نے ہنکارا بھرا۔ یہ یقینی تھا کہ اس نے مایا کو نہیں پہچانا تھا، وہ اپنی کٹیا میں مہاراجہ بن کر رہنے والا تھا، غالباً باہر زیادہ نہیں نکلتا تھا۔ "کسی کنواری عورت کی ہڈی لانی ہو گی جسے مرے ہوئے بس سات روز ہوئے ہوں، مگر آٹھواں روز نہیں ہونا چاہیے، ورنہ ایسی ہڈی پہ ہونے والے عمل سے تمہارے گھر ہونے والا بچہ بڑا ہو کر تم دونوں میں سے کسی ایک کا خون کر دے گا۔"

"کیا؟" وہ بے اختیار چلائی، پھر کھانسنے لگی۔ آنچل قدرے ڈھلکا تو جوگی کی آنکھیں مزید کھل گئیں۔

ناگواری کی ایک لہر بدر کے رگ و پے میں سرائیت کر گئی۔ اس نے ایک دم مایا کا ہاتھ پکڑا اور اسے کھینچتا ہوا باہر لے آیا۔

"رکو تو..." وہ جھگیاں دور چھوڑ آئے تو اس نے قدرے خفگی سے ہاتھ چھڑایا۔ "مجھے بات تو کرنے دیتے، ایسی بھی کیا جلدی تھی؟"

"اہلِ فرنگ کے ہاں اخلاقیات اور عزت کے جو اصول ہوں، مگر میں ایک ہندوستانی مرد ہوں اور کسی ہندوستانی مرد کو یہ گوارا نہیں ہوتا کہ کوئی اس کی عورت کو......"

وہ جو برہمی سے کہتا چلا جا رہا تھا، ایک دم رک گیا۔

"کس کی عورت؟" مایا کا لہجہ ایک دم بے تاثر ہو گیا تھا۔

"عورت ہندوستانی مرد کی عزت ہوتی ہے اور یہاں کی ہر عورت میری عزت ہے۔"

وہ بات بدل گیا۔

"مگر میں بیلی کی عورت نہیں ہوں۔" اس نے حویلی کی طرف جانے والے رستے پہ قدم بڑھاتے ہوئے بال سمیٹے تو سرخ چوڑیاں زور سے کھنکیں، پھر خاموشی چھا گئی۔ وہ اسے دور ہوتے دیکھتا رہا، پھر سر جھکا کر اپنے ہاتھ کو دیکھا۔

ڈلہوزی کی ڈھلتی شام کا سرا اس کے ہاتھوں سے پھسلتا جا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

نہ کوئی وقت طے پایا تھا اور نہ ہی جگہ۔ مگر اس رات وہ جیسے ہی کچے راستے پہ آئی، جانے کس طرف سے نکل کر وہ اس کے سامنے آ گیا۔

وہ ایک دم بدک کر پیچھے ہٹی، لبوں سے چیخ نکلی ہی تھی کہ اس نے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا۔

"بدر ہوں۔" چاندنی میں مایا نے اس کا چہرہ دیکھا تو وہ جو گھبرا کر ہاتھ ہٹانے لگی تھی، ڈھیلی پڑ گئی۔ بدر نے آہستگی سے ہاتھ ہٹا دیا۔ اسے اپنے ہاتھ سے اس کی مہک آنے لگی تھی۔

"تم میرا انتظار کر رہے تھے؟" مایا کا لہجہ مشکوک پا کر وہ ہنس دیا۔

"ہاں۔"

"مگر تمہیں کیسے پتہ تھا میں آؤں گی؟"

"مت شک کرو، میں نہیں ہوں وہ بھوت۔ آج چونکہ بدھ کی رات ہے تو میرا اندازہ تھا کہ تم ضرور آؤ گی۔"

"اور مجھے بھی علم تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔" اس نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ چاند کی مدھم روشنی میں اس کا نقش ڈھاتا سراپا نمایاں تھا۔ وہ اسے گلابی شب خوابی کے ریشمی لباس میں کسی گلاب کی طرح دمکتی لگی تھی۔ سنگھار سے بے نیاز چہرہ اور سمیٹ کر دائیں کندھے پہ ڈالے بال جن میں پروئے موتی چاندنی میں کبھی کبھی جگمگا اٹھتے تھے۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ کچے راستے پہ چلنے لگے۔

"کیا تم نے کسی بھوت کو قبرستان جاتے دیکھا؟"

"ابھی تو رات ہوئی ہے دیوی جی!! ابھی غالباً ہمیں انتظار کرنا پڑے گا۔ آسانی سے نکل آئیں حویلی سے؟"

"بس گوپال کی غیر موجودگی کی تسلی کر کے نکلی ہوں، شکر ہے کسی نے دیکھا نہیں۔"

بدر نے گردن ترچھی کر کے اسے دیکھا۔ کبھی کبھی وہ اسے کوئی معصوم سی چھوٹی سی بچی لگتی تھی، مگر وہ کیا تھی، وہ اب تک نہ سمجھ پایا تھا۔ بس ایک سحر سا تھا، ایک طلسم ہوشربا جو اس کے وجود سے پھوٹتا بدر کو اپنے حصار میں مقید کیے ہوئے تھا۔ اسے لگتا تھا وہ چاہے بھی تو صدیوں یہ ان دیکھی زنجیریں نہیں کھول سکے گا، وہ ہمیشہ اس سحر میں مقید رہے گا۔

دوسرے ہندوستانیوں کی طرح فرنگی عورتیں اسے بھی پھیکی، خنک، سرد مزاج اور سپاٹ لگتی تھیں۔ ان کی اکثریت بے حد گوری، مغرور اور فربہی مائل روکھی پھیکی سی ہوتی تھی اور بطور ہندوستانی مرد، اسے ایسی عورتیں ہرگز پسند نہ تھیں۔ اگر کوئی بھی ہندوستانی زہرہ اور مایا کا تقابل کرتا تو اسے زہرہ زیادہ حسین لگتی کہ اس کا حسن مشرقی تھا، وہ بال نہیں کھولتی تھی، سر کو آنچل سے ڈھکے رکھتی تھی۔ وہ بلاشبہ بیلی کی سب سے حسین لڑکی تھی، لیکن وہ اپنے دل کا کیا کرتا جسے مایا جیسا کوئی لگتا ہی نہ تھا۔ مایا درحقیقت اتنی حسین نہ تھی، مگر اس نے اپنے وجود کو کچھ ایسے تراشا تھا کہ خود سے پھوٹتی مقناطیسی شعاعوں سے وہ کسی کو بھی بس نگاہوں سے مقید کر لیتی تھی۔ بالکل ایسے جیسے...... جیسے بدر نے سوچا اور اس کے ذہن میں بس ایک ہی مثال آئی...... جیسے کوئی سنگ تراش کسی عام سے پتھر کو تراش کر "ماہ ملکہ" بنا ڈالے۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

وہ چونک کر حال میں واپس آیا پھر سر جھٹک کر مسکرا دیا۔ "سوچ رہا تھا تمہارے اوپر بیلی کا ایک Legend صادق اترتا ہے۔"

"کون سا لیجنڈ؟"

"پھر کبھی بتاؤں گا۔ ابھی یہ پھاٹک کھولو۔"
قبرستان آگیا تھا۔ لکڑی کا پھاٹک بند پڑا تھا۔ بند کنڈے میں ٹوٹا ہوا تالہ جھول رہا تھا۔

"کیسا بھوت ہے جسے اندر جانے کے لیے تالہ توڑنے کی ضرورت ہے یہ تالا ادھر تھا ہی کیوں؟"

"شاید نمبردار نے لگوایا تھا۔ اب تو وہ نسل ہی ختم ہو گئی جو اس قبرستان میں فاتحہ پڑھنے آتی تھی۔ یہ بہت قدیم قبرستان ہے مایا دیوی!"

قبرستان ویران پڑا تھا اور قبریں جانے کب سے کھنڈر بن چکی تھیں۔ چھوٹی سی کچی پکی چار دیواری کے ایک سرے سے لگا برگد کا بوڑھا درخت برسوں سے ویسے ہی جھکا کھڑا تھا۔

عجب ہو کا عالم تھا۔ سناٹا' تاریکی اور ہیبت بھرا احساس جیسے ارد گرد کوئی ہو۔۔۔ کوئی ان دیکھی سفید لبادے میں لپٹی روح۔۔۔

"آؤ ادھر بیٹھتے ہیں۔" وہ دونوں برگد کے تنے تلے بیٹھ گئے ایسے کہ پھاٹک سے داخل ہونے والے کسی بھی شخص پہ ان کی فوراً" نظر پڑ جاتی مگر وہ ان کو نہ دیکھ سکے۔

لمحے خاموشی سے سرکتے رہے۔ آدھے چاند کے اوپر بادل تیر رہے تھے۔ کبھی وہ ان کے پیچھے چھپ جاتا' کبھی نکل آتا۔

"بیلی کا آسمان کتنا خوب صورت ہے۔ جانتے ہو بدر! ایسا آسمان میں نے کہیں نہیں دیکھا۔" وہ تنے سے سر ٹکائے اوپر دیکھ رہی تھی۔ بدر خاموشی سے مسلسل پھاٹک پہ نظر رکھے ہوئے تھا۔

"اور ایسا چاند بھی مجھے کہیں نہیں دکھائی دیا' بدر!"

"تمہیں لگتا ہے ہم آج اسے دیکھ سکیں گے؟"

"چاند کو؟" وہ بے خیالی میں گویا ہوئی۔

"نہیں مایا! بھوت کو۔"

"اوہ۔" اس نے لب سکیڑے۔ "سنا تو تھا کہ رات کو ادھر آتا ہے۔ کیا معلوم آج بھی آجائے۔"

"کیا معلوم نہ آئے۔"

"تم مایوس کیوں ہو رہے ہو؟"

"کیا تم نہیں ہوئیں؟"

"نہیں۔" اس نے دھیرے سے شانے اچکائے تو بدر نے غور سے اسے دیکھا۔

"تمہارا مستقبل کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"کم از کم مایوس نہیں ہوں۔"

"ہونا بھی نہیں چاہیے۔" پھر قدرے توقف کیا۔ "شادی کرو گی؟"

"شاید۔" اس نے پھر سے شانے اچکا دیے' گردن ابھی تک اوپر اٹھی تھی۔

"بیلی میں کب تک رکو گی؟"

"شمکھر کے قاتلوں کی سزا تک۔"

"فرض کرو تمہیں وہ نہ ملیں' تمہیں وہ بھوت بھی نہ ملے' تمہیں کچھ بھی نہ ملے' تب کیا کرو گی؟"

"تو زندگی پھر سے شروع کر دوں گی۔"

"کیسی شادی کر لو گی؟"

"شاید۔"

"مایا۔۔۔؟" وہ بھی اب تاروں کو دیکھ رہا تھا۔ "تم مجھ سے شادی کرو گی؟"

بغیر تمہید کے اس نے اتنے اچانک سے کہہ ڈالا تھا کہ وہ خود بھی حیران رہ گیا تھا۔

"مگر تم تو منسوب ہو زہرہ کے ساتھ۔" ناراضی' نہ ناگواری' بس آرام سے پوچھا تو وہ مزید حیران ہوا۔

"میں۔۔۔ میں اس کی شادی کسی اچھے خاندان میں کروا دوں گا۔ اسے مجھ سے بہتر کوئی بھی مل جائے گا۔"

"تمہیں بھی مجھ سے بہتر کوئی بھی مل جائے گی۔"

"مجھے بہتر کی تمنا کہاں ہے مایا؟" وہ جیسے تھک کر بولا۔ "مجھے لگتا ہے میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں' مگر۔۔۔ مگر تم نہیں سمجھو گی۔ یہ محبت ہے ہی ایسی چیز' بہت حقیقی مگر حقیقت سے دور لے جانے والی۔۔۔"

وہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔ بدر نے گردن اونچی کر کے اسے سوالیہ نظروں سے تکا۔

"تم ابھی خود پُریقین نہیں ہو کہ تمہارے محسوسات کی حقیقت کیا ہے' تمہیں صرف یہ لگتا ہے

"تمہیں مجھ..."

الفاظ اس کے لبوں میں رہ گئے۔ پھاٹک کے اس پار ایک ہیولہ سا نظر آیا تھا۔

"ادھر کوئی ہے۔" وہ پھرتی سے پیچھے ہو گئی۔

"کون ہے یہ؟" وہ دونوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"بدر کیا ہم قبرستان کے بھوت کا اصل چہرہ دیکھنے والے ہیں؟"

کوئی تھا جو قبرستان کی چھوٹی سی چار دیواری کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا جیسے اندر جھانکنے کی کوشش کر رہا ہو۔ دور سے چہرہ واضح نہ تھا، مگر سفید کرتا صاف نظر آ رہا تھا۔

مایا نے آنکھیں سکوڑ کر دیکھا اور پھر اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"گوپال۔" وہ گوپال ہی تھا۔ چار دیواری سے جھانکنے کی کوشش میں دیوار کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

مایا نے اِدھر اُدھر مٹی پہ ہاتھ مارا، ایک پتھر اس کے ہاتھ لگا۔ اس نے کھینچ کر وہ پتھر گوپال کو دے مارا۔

پتھر اس کے کندھے سے ٹکرایا اور دوسرے ہی پل گوپال "بھوت بھوت" چلاتا بھاگ اٹھا۔

وہ دونوں ابھی تک بے یقینی سے گوپال کو بھاگتے تاریکی میں گم ہوتے دیکھ رہے تھے۔ کچے راستے پہ غبار کے بادل سے اٹھے تھے۔

"تو یہ تھا بھوت گوپال تھا۔" وہ متحیر زدہ سی تھی۔

"نہیں۔" بدر سوچتی نگاہوں سے زمین پہ واپس بیٹھتے گرد کو دیکھ رہا تھا۔ "وہ گوپال نہیں ہو سکتا۔ اس نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے اور بھوت کو جتنے بھی لوگوں نے دیکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ سیاہ لبادے میں ہوتا ہے۔ دوسری بات، جب تم نے گوپال کو بھگانے کے لیے پتھر مارا تو وہ بھوت بھوت چلاتا بھاگا، یعنی وہ سمجھا کہ اسے پتھر بھوت نے مارا ہے، اس کا مطلب ہے وہ خود بھوت نہیں ہے۔"

"پھر وہ قبرستان کیوں آیا؟"

"ہم کیوں آئے ہیں؟"

"بھوت کو رنگے ہاتھوں پکڑنے۔"

"اور وہ ہمیں پکڑنے۔"

اسے جیسے جھٹکا لگا۔ "مگر اسے کیسے پتہ چلا؟ وہ تو آج شکار پہ جا رہا تھا۔"

"اس نے یقیناً" وہ رقعہ پڑھا ہو گا اور چھپ کر تمہارا پیچھا کیا ہو گا۔ تمہیں واقعی راجپوتوں کی ملازموں پہ بھروسہ ہے؟"

"اوہ خدایا!" مایا پریشان سی بولی۔ "اگر وہ گاؤں میں ہے تو مجھے واپس جانا چاہیے۔ پھر کسی رات دوبارہ سے گھات لگائیں گے، ابھی تو مجھے خود خاصا خوف آ رہا ہے۔"

اس نے ٹوٹی پھوٹی قبروں کو دیکھ کر جھرجھری لی اور پھاٹک کی جانب بڑھ گئی۔

وہ چہرے پہ ڈھیروں تکان لیے اسے دور ہوتے دیکھتا رہا۔ اصل بات تو مایا کے لبوں پہ ادھوری دم توڑ کر کچے راستے کی دھول میں گم ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"گاؤں میں عجیب سی باتیں پھیل رہی ہیں۔"

صبح ناشتے کی میز پہ یہ پہلی غیر رسمی بات تھی جو ٹھاکر رگھوناتھ نے اس سے کہی تھی۔ گوپال آج ناشتے پہ نہیں تھا، ٹھاکر رگوناتھ نے اسے بتایا کہ وہ پچھلی شام سے شکار پہ گیا ہوا ہے اور اس نے فوراً" یقین کر لیا تھا۔

"کیسی باتیں؟" وہ آرام سے چھوٹے چھوٹے لقمے لیتی رہی۔

"جانے کس مردود نے پھیلائی ہیں، میں تو سوچ سوچ کر ڈر رہا ہوں کہ اگر یہ باتیں پھیلتی رہیں تو بھگوان جانے کیا نتیجہ نکلے گا۔"

"ارے کیا بات ہو گئی ٹھاکر صاحب؟ کیوں پریشان ہیں؟" ہمدردی سے کہتے مایا نے ہاتھ روک لیا۔

"ایک تو ایف آئی آر والی بات، بھلے ہم شریکوں کو وضاحت دیتے پھریں کہ ہماری بٹیا کو غلط فہمی ہو گئی تھی، مگر کیا کیجیے ان لوگوں کی، وہ کہتے ہیں کہ..." ہچکچا کر

انہوں نے ان الفاظ کا چناؤ کیا جو مایا کو گراں نہ گزریں ــــ کہ میم صاحب کو ٹھاکر قید کرنا چاہتے ہیں' اس کی جائیداد ہتھیانا چاہتے ہیں۔"

چنگیر پکڑے اندر داخل ہوتی روپا بے اختیار سینے پہ ہاتھ رکھتی خوف زدہ سی پیچھے ہوئی۔

"چچ چچ چچ ــــ" مایا نے رومال سے ہاتھ صاف کر کے بہت افسوس سے انہیں دیکھا۔ "یہ تو بہت برا ہوا۔ ایسی بات کس نے پھیلائی ہوگی؟"

دروازے کی اوٹ میں کھڑی روپ وتی سر سے پیر تک لرز گئی۔

"معلوم نہیں' آپ کو ہے کچھ اندازہ؟"

"میرے لیے تو یہ ایک خبر ہے ٹھاکر صاحب! اندازہ آپ کے کام کا ہے کو ہوگا۔"

"خیر' اگر کوئی آپ سے اس متعلق استفسار کرے تو اسے واضح ضرور کر دیجیے گا کہ یہ محض بے بنیاد باتیں ہیں' ہماری ساکھ کو تباہ کرنے کی سازش ہے۔" وہ چہرے پہ پریشانی و تفکر کی گہری لکیریں لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

ان کے کمرے سے نکلتے ہی روپ وتی دوڑتی ہوئی آئی اور اس کے پاؤں پکڑ لیے۔

"میم صاحب مجھے بچالو' میرے منہ سے غلطی سے نکل گیا تھا' شاید رادھا یا زہرو بی بی نے آگے کہہ دیا ہوگا' مگر بھگوان کے لیے میم صاحب بڑے ٹھاکر کو نہ بتایئے گا کہ یہ بات مجھ سے آگے ہوئی ہے۔" وہ رونے کو تھی۔

"بھئی مان گئے تمہارے ہندوستان کو۔" وہ رومال رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی' پاؤں آہستہ سے پیچھے کر لیے۔ "جہاں پرچہ ہوگا' نہ ہی ریڈیو' وہاں بھی شام ہونے سے پہلے ہر بات پھیل چکی ہوتی ہے۔ جو سنا تھا' آج دیکھ بھی لیا۔"

اور روپا ششدر سی اسے باہر جاتے دیکھتی رہی۔ وہ جو سمجھی تھی کہ اس نے میم صاحب کو استعمال کر کے چھوٹے ٹھاکر سے ڈھیروں روپے بٹور رہے ہیں' آج اس پہ یہ انکشاف ہوا تھا کہ استعمال تو وہ خود ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

لکڑی کی میز پہ چاچی کپڑا بچھا کر اس کا کھانا رکھنے لگی۔ وہ آستینیں کہنیوں تک موڑتے ہوئے چارپائی پہ آبیٹھا۔

راہداری سے آتی زہرہ ستون کے قریب ٹھٹک کر رکی۔

وہ صبح کا نکلا اب واپس حویلی آیا تھا۔ زہرو نے اسے دو روز بعد دیکھا تھا۔ وہ فجر کے ساتھ ہی چلا جاتا تھا' پھر جانے رات کو کس وقت آتا' اسے تو پتہ ہی نہ چلتا ــــ اور اب کتنی اچانک سے وہ اسے دوپہر میں گھر میں دیکھ رہی تھی۔

وہ جھٹ ستون کی اوٹ میں ہو گئی۔ ہاتھ بے اختیار شانے پہ ڈھلکے آنچل کی جانب بڑھا اور سر ڈھانپ لیا۔ اسے لگا ایک دم سے ہی آنگن میں کہکشاں کے سارے ستارے اتر آئے ہوں۔

"یہ ڈاک آئی تھی شہر سے' فاضل دے کر گیا ہے۔" چاچی نے پیلا لفافہ اس کے سامنے رکھتے ہوئے شاپنگی کا نام لیا۔

"اچھا۔" وہ کھانے سے ہاتھ روک کر لفافہ الٹ پلٹ کرنے لگا۔

"پہلے روٹی تو کھا لے پتر۔" چاچی ساتھ ہی چارپائی پہ بیٹھ گئی۔

"کھاتا ہوں۔" وہ مصروف سا لفافہ چاک کر کے اندر سے عدالتی کاغذ نکالنے لگا۔

"کیا لکھا ہے؟"

"کچھ خاص نہیں' سوموار کو پیشی ہے' شہر جانا ہوگا۔" وہ روٹی توڑنے لگا۔

"کدھر مصروف رہتا ہے آج کل' ماں کے لیے گھڑی دو گھڑی بھی نہیں ہے۔"

"بس کچھ کام تھے۔ خیر' گھر میں سب ٹھیک ہے۔"

"کرم ہے مولا کا۔"

"بلقیس کی بیٹی کی شادی ہو گئی۔" اس نے اپنی دائی کھلائی کا نام لیا تو چاچی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہاں' کل ہی رخصت ہوئی ہے۔"

"پیسے دے دیے تھے؟"

"ہاں۔"

"اور زہرہ ٹھیک ہے؟ نظر نہیں آرہی؟"

اور ستون کی اوٹ میں چھپی زہرہ کو لگا' اس کی ساری دعائیں مقبول ہو چکی ہوں۔ من زور زور سے دھڑکنے لگا۔ یہ فکر بھری بے فکری اور اپنائیت بھری لاتعلقی...... یہی سب تو اسے بدر میں اچھا لگتا تھا اپنے لیے' یا پھر اس کی آنکھیں اسے وہی دکھاتی تھیں جو دل و دماغ دیکھنا چاہتے تھے۔

"اچھی ہے۔"

اور وہ جو اندر آنے لگی تھی' بدر کی اگلی بات پہ رک گئی۔

"زہرہ کا کیا سوچا ہے؟"

"سوچنا کیا ہے' سارا زیور کپڑا تیار ہے۔ اس جاڑے شادی کروں گی۔"

بدر کا منہ کو جاتا نوالہ لیے ہاتھ رک گیا۔ "کس کے ساتھ؟"

"بدر!" چاچی کو دھکا لگا تھا۔ "تیری اور زہرہ کی بات بچپن سے طے ہے۔"

"اور جیسے بچپن گزر گیا' ویسے ہی وہ بات بھی گزر گئی اماں!"

"خبردار جو تونے ایسی بات منہ سے نکالی۔ وہ جان دیتی ہے تجھ پر' اس کا ذہن تیرے حوالے سے بن چکا ہے۔"

"تو میں نے نہیں بنایا ذہن۔ تونے اور ابا نے مجھ سے پوچھے بغیر فیصلہ کیا تھا' میں نے تو کبھی اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ پھر میرا کیا قصور؟"

"تجھے وہ کسی قصور کی سزا لگتی ہے؟"

"میں یہ کب کہہ رہا ہوں۔"

"تو کیا کہنا چاہ رہا ہے؟"

"اماں اسے مجھ سے بہتر بر مل جائے گا۔"

"مگر وہ تیرے نام سے منسوب ہے' تو کیوں اس سے ناخوش ہے؟ ہے کوئی پورے گاؤں میں اس سی سگھڑ' سلیقہ مند اور حسین لڑکی؟"

"وہ تیرے ساتھ ہی خوش رہے گی۔"

"پھر میں خوش نہیں رہوں گا' اگر تو یہ چاہتی ہے تو کردے میری اس سے شادی۔" وہ تیزی سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔

چاچی سینے پہ ہاتھ رکھے پریشان سی اسے جاتے دیکھتی رہی اور وہ جو ستون کی آڑ میں کھڑی تھی' نڈھال سی پیچھے بیٹھتی چلی گئی۔

"تو پھر میں خوش نہیں رہوں گا۔"

"تو پھر میں خوش نہیں......"

"میں خوش نہیں......"

اس فقرے کی تکرار اس کے کانوں پہ ہتھوڑے برسا رہی تھی۔ بہت سی آوازیں شامل ہو گئی تھیں۔ بچپن کی لڑکپن کی' شعور کی چوکھٹ کی' حسین پیاروں کی' آوازیں اور پھر آوازوں کو اس ہجوم میں ایک مدھم مغموم سی آواز ابھری۔

"تمہاری چاچی ٹھیک کہتی ہے زہرہ! تم بھی کس کا غم کرتی ہو۔"

اور وہ چونک سی گئی۔

"میم صاب!" نفرت' رقابت اور حسد کی ایک بھرپور لہر اس کے وجود میں دوڑ گئی۔ "میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" مٹھیاں بھینچ کر اٹھی اور بھاگتی ہوئی حویلی کے پچھواڑے کھلنے والے دروازے کی طرف بڑھی۔

☼ ☼ ☼

بڑے ٹھاکر کو ہرگز علم نہ تھا کہ آج جب قسمت کی وہ دیوی ان کے در پہ دستک دے گی تو دروازہ وہ خود کھولیں گے۔

انہوں نے اتفاق سے اسی وقت پھاٹک کھولا ہی تھا کہ دستک دینے کو اٹھا زہرہ کا ہاتھ نیچے گر گیا۔

"کون؟" وہ حیران ہوئے۔

سر کو سیاہ آنچل سے ڈھکے' سنہری دمکتی رنگت' بڑی بڑی سیاہ آنکھیں' پیشانی پہ پڑے بل' اور انگارے پھوٹتی آنکھیں یہ سندر سی میلا کون تھی بھلا؟ انہوں نے پہلے تو اسے گاؤں میں کہیں دیکھا تھا۔

"میم صاب کہاں ہے؟" وہ غرائی۔ شاید جنون اور دیوانگی میں اس کے ہوش و حواس کام کرنا چھوڑ چکے تھے۔

"میم صاب سے ملنا ہے؟ رتن بوا!" وہ حیرت چھپائے شائستگی سے بوا کو آواز دینے لگا۔ "ان کو میم صاب کے کمرے میں لے جائیو۔"

"میں اس ڈائن کا کمرہ خود ڈھونڈ سکتی ہوں۔" وہ تیزی سے برآمدے کی سیڑھیاں پھلانگتی اندر بھاگتی چلی گئی۔

"یہ کون ہے؟"

رتن بوا آگے بڑھی "یہ ملکوں کی دھی ہے ملک بدر غازان کی منگیتر ہے۔"

ٹھاکر رگھوناتھ کو جیسے کرنٹ لگا تھا۔

بدر کی منگیتر اور ان کی حویلی میں میم صاحب کو ڈائن کہتی جارحانہ انداز میں داخل ہوئی ہے؟ کیا تُک تھی بھئی؟ مگر جب ذہن کے پردوں پہ مایا اور بدر کی ملاقاتوں کے چرچے لہرائے تو بطور اس کی منگیتر اس لڑکی کا فطری ردِعمل جان کر جیسے ساری کہانی ان کی سمجھ میں آنے لگی۔

ہندوستان کے ہر گاؤں کی طرح ان کے گاؤں میں بھی کسی کا پردہ نہیں رہتا تھا۔ کون کیا کرتا ہے اس کا علم ہر کسی کو نہ سہی کسی نہ کسی کو تو ضرور ہوتا تھا۔

وہ تیزی سے اندر لپکے۔

سیڑھیوں کے اوپر مایا کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ زہرہ کی غصے میں بلند ہوتی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"تم کیا سمجھتی ہو؟ تم بدر کو مجھ سے چھین لو گی؟"

ساری کڑیاں مل گئی تھیں۔ وہ فوراً باہر کو دوڑے زندگی نے انہیں بدر غازان سے سارے بدلے چکانے کا ایک سنہری موقع دیا تھا وہ اسے ضائع کیسے کر سکتے تھے؟

"رام ناتھ..... جسونت۔" وہ نوکروں کو آوازیں دینے لگے۔ ایک انوکھا خیال ان کے ذہن میں بن رہا تھا۔ اگر سب چیزیں ویسی ہو جائیں جیسے وہ سوچ رہے تھے تو.....

"جی مہاراج!" رام ناتھ دوڑتا ہوا آیا۔

"جا کر تھانے دار سے بولو فوراً حویلی آئے، بڑے ٹھاکر نے بلوایا ہے' ان کی جان سے قیمتی اور اہم کام ہے۔ ان کو بولو دیر نہیں کرنی اور تازہ دم گھوڑا لے جاؤ۔ جلدی۔"

ہدایات دے کر وہ تیزی سے اندر کی جانب بڑھ گئے۔

(تیسری اور آخری قسط آئندہ ماہ)

زہریلا سانپ کاٹتا ہے تو عین وقت پر مایا دیوی پہنچ کر اس کی جان بچاتی ہے۔ وہ مایا کی بہادری اور حکمت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ چوہدری منگل سنگھ کا جائیداد کے معاملے پر شوبھا سنگھ سے تنازعہ اتنا الجھتا ہے کہ شوبھا سنگھ اس کی جان کے درپے ہو جاتا ہے۔ اس کے آدمی گھات لگائے رات گئے بیٹھ جاتے ہیں۔ منگل سنگھ کو گھر جاتے ہوئے پرانے قبرستان میں کسی کے داخل ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ قبرستان کے بھوت کا چرچا پورے گاؤں میں ہے۔ منگل سنگھ حقیقت جاننے کو اس اجنبی کا پیچھا کرتا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ اس پر قابو پاتا شوبھا سنگھ کے آدمی تیز دھار آلے سے اسے شدید زخمی کردیتے ہیں۔ حملے سے قبل وہ اس اجنبی کی شکل دیکھ لیتا ہے۔ منگل سنگھ کی موت کے بعد گاؤں میں خبر پھیلتی ہے کہ بھوت نے منگل سنگھ کو مار ڈالا۔ یہ افواہ مایا دیوی کو بھی ششدر کردیتی ہے۔ نوکرانی روپ وتی اسے بتاتی ہے کہ منگل سنگھ نے مرتے ہوئے بدر غازان کو یہ بات بتادی تھی۔ مایا دیوی حقیقت جاننے ملکوں کی حویلی پہنچ جاتی ہے۔ بدر اس کی آمد پر بے حد مسرور ہوتا ہے۔ بدر' مایا دیوی کو بتاتا ہے کہ قبرستان کا بھوت درحقیقت ایک انسان ہے' جس کا نام منگل سنگھ مرتے ہوئے اسے بتا چکا ہے۔

بدر' مایا کو فوری طور پر قبرستان کے بھوت کا نام نہیں بتاتا' لیکن مایا اس سے گوپال کی نازیبا حرکتوں کا ذکر کرتی ہے تو اسے بتانا پڑتا ہے۔ مایا کا خیال ہے کہ گوپال بھوت کا روپ دھارے ہوئے ہے۔

بدر اسے بتاتا ہے کہ وہ کوئی اور نہیں شیکھر ہے' مایا دنگ رہ جاتی ہے۔ اس کا دل شیکھر کو زندہ ماننے سے انکاری ہے۔ وہ سرعام بدر غازان سے ملتی ہے۔ اس پر تایا رگھوناتھ اور گوپال کو تلملاہٹ ہوتی ہے۔

گوپال' نوکرانی روپ وتی کے ذریعے اپنا رشتہ مایا کو بھجواتا ہے تو مایا' نوکرانی کو جھڑک دیتی ہے۔ زہرہ کو بدر کا آئے دن مایا فرینڈز سے ملنا پسند نہیں ہے۔ مایا اسے یقین دلاتی ہے کہ وہ بدر سے شادی نہیں کر رہی۔ وہ کبھی جھک کر خواہش کرنے کی قائل نہیں ہے۔ گوپال' روپا کے ذریعے مایا اور بدر کی ملاقاتوں کا پتا چلواتا ہے۔

تایا رگھوناتھ اور گوپال' مایا کو بتاتے ہیں کہ شیکھر اور بدر غازان کے مابین زمین کا تنازعہ تھا' اور اس کے بعد شیکھر کا قتل ہوا۔ جذبات میں آکر مایا' بدر کو تھپڑ مار دیتی ہے اور تایا رگھوناتھ' گوپال اور بدر کے خلاف قتل کا پرچہ درج کروادیتی ہے۔ کھوجی فضل الٰہی' بدر کے پیروں کے نشان دیکھ کر بتاتا ہے کہ یہ قاتل کے پیروں کے نشانوں سے مختلف ہیں۔ وہ پرچہ واپس لے لیتا ہے۔

شوہر کے قاتل اور قبرستان کے بھوت کا معمہ حل کرنے کے دوران مایا اور بدر ایک دوسرے کے نزدیک آجاتے ہیں۔

بدر' مایا سے شادی کی خواہش کا اظہار کرتا ہے تو وہ کوئی واضح جواب نہیں دیتی۔

بدر' ماں کے سامنے زہرہ سے شادی سے انکار کردیتا ہے۔ زہرہ یہ برداشت نہیں کرپاتی اور غصے میں راجپوتوں کی حویلی پہنچ جاتی ہے۔ تایا رگھوناتھ بدلہ لینے کا یہ موقع ضائع نہیں کرنا چاہتے' اس لیے تھانے دار کو فوراً حویلی بلوا لیتے ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

تیسری اور آخری قسط ۳

"تم کیا سمجھتی ہو؟ تم بدر کو مجھ سے چھین لوگی؟"

زہرہ دھاڑ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی اور وہ جو پلنگ پہ ٹیک لگائے بیٹھی کسی کتاب کے مطالعے میں مگن تھی بے اختیار سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔

"تم خود کو سمجھتی کیا ہو میم صاحب؟ تمہیں لگتا ہے تم اسے مجھ سے چھین سکتی ہو؟" آنچل سر سے ڈھلک

رونق بخش دی ہے بٹیا۔ کہیے کیا پئیں گی؟"

"ہاں؟" وہ ویران نگاہوں سے بڑے ٹھاکر کو دیکھتی رہی۔ اس کے حواس سن ہو چکے تھے۔ صبیح تملط حتیٰ کہ شانوں پہ ڈھلکے آنچل تک کا خیال نہ رہا تھا۔

"روپا دیوی۔" بڑے ٹھاکر نے آواز دی تو روپا فوراً بغلی دروازے سے نکل کر حاضر ہوئی۔

"جی مہاراج!"

"ہماری بٹیا کے لیے شربت لے آئے۔"

روپا نے ایک متاسف نگاہ زہرہ کے خود سے بیگانہ وجود پہ ڈالی۔ (کدھر پھنس گئی ہے یہ؟ جی چاہتا ہے جھنجوڑ کر جگا دوں، مگر۔۔۔) اور ہاتھ باندھے پلٹ گئی۔

"چھوٹے ملک کو علم ہے کہ آپ ادھر ہیں بٹیا؟"

اس نے آہستہ سے نفی میں گردن ہلائی۔ بدر کی بے رخی اور خود پہ ڈھایا جانے والا یہ ظلم اسے جیسے بے خوف اور بے حس کر چکا تھا۔ سارے احساسات ہی مر گئے تھے۔

"بتایئے گا بھی نہیں اسے، وہ ہمیں پسند نہیں کرتا۔" وہ قدرے رازداری سے گویا ہوئے "اور چنتا مت کیجیے گا ہم بھی نہیں بتائیں گے۔"

اس نے بے توجہی سے اثبات میں گردن ہلا دی۔ وہ تو شاید ٹھیک سے سن بھی نہیں رہی تھی کہ وہ کیا کہہ رہے تھے۔ ذہن میں وہی آواز گونج رہی تھی۔

"تو پھر میں خوش نہیں رہوں گا۔"

"بدر اچھا آدمی ہے، اس نے ہمیں بچا لیا ورنہ میم صاحب نے تو ہم پہ کیس کر دیا تھا کہ ہم نے شکھر کو مارا ہے۔ اجی ہم کاہے کو کریں گے ایسا شیطانی کام؟ مگر یہ تو بدر کا بڑا پن تھا کہ اس نے میم صاحب پہ زور دے کر معاملہ سنبھال لیا۔ میم صاب بہت مانتی ہے بدر کی۔"

زہرہ نے اب کی بار سر بھی نہ ہلایا، وہ دیوار کو تکتے کہیں دور گم تھی۔

"تم بھی کس کا غم کرتی ہو زہرہ! مایا لوگوں کو اپنے ساتھ چلنے تو دیتی ہے انگران کا ہاتھ نہیں پکڑتی۔"

روپا نے چاندی کی طشتری اس کے سامنے کی جس میں شربت کیوڑہ سے بھرا جام تھا۔ زہرہ نے میکانکی انداز میں جام اٹھا لیا مگر منہ سے نہیں لگایا۔

"بدر بھی مایا دیوی کی بہت مانتا ہے، حالانکہ یہ حق تو آپ کا تھا بٹیا رانی، بُرا مت مانیے گا مگر بدر تو چلو مرد ہے، اس ڈائن کی باتوں میں آ گیا، مگر آپ جیسی اچھی بچی کا اس عورت سے دوستانہ؟"

"نہیں۔" وہ بے اختیار بولی۔ "دوست نہیں ہے ہرگز نہیں ہے۔" اور سختی سے نفی میں سر کو جنبش دی۔ تانبے کا منقش ٹھنڈا جام اسی طرح دونوں ہاتھوں میں جکڑا تھا۔ "میں تو حکیم صاحب سے صرف یہ کہنے آئی تھی کہ وہ۔۔۔"

"کہنے؟" ٹھاکر رگھوناتھ نے حقے کی نے منہ سے نکالی اور حیرت سے اسے دیکھا۔ "اجی وہ عورت تو کہنے سننے کی حد سے نکل چکی ہے۔ ہمارا تو جینا حرام کر رکھا ہے۔ حویلی پہ قبضہ، ملازموں پہ قبضہ، مال مویشی پہ قبضہ، ارے یہ فرنگی کہاں جانیں، زمین، جائیداد کے معاملات؟ ہم سے بہتر انہیں کون سنبھال سکتا ہے؟ مگر نہیں جی یہ عورت کہاں باز آنے والی ہے؟ مگر آپ کے ساتھ کیا ہوا اس سے؟"

"بدر نے مجھ سے شادی سے انکار کر دیا ہے۔" بدر اور چاچی کے آپس کا راز کب اس مردہ سی ہوتی لڑکی کے لبوں سے پھسلا، اسے خبر بھی نہ ہوئی۔ گوپال کا اس کے ساتھ رویہ، برسوں پرانی خاندانی دشمنی، اسے سب بھول گیا۔ شاید یہ بھی احساس نہ تھا کہ اس وقت وہ ٹھاکر رگھوناتھ کے سامنے بیٹھی ہے۔ بس یاد رہا تو صرف یہ کہ بدر نے اسے جس عورت کے لیے مسترد کیا ہے، اس کا یہ بھی دشمن ہے، سوائے اس وقت ٹھاکر رگھوناتھ اپنے سب سے بڑے ہمدرد لگے تھے۔

"اور اس انکار کی وجہ یہ ہی عورت ہے؟" ٹھاکر رگھوناتھ نے بے پناہ حیرت سے اسے دیکھا۔ "آپ جیسی سندر سی بٹیا کو وہ اس چھپکلی گوری میم کے لیے چھوڑ سکتا ہے؟ ہائے بھگوان یہ کیا ظلم کر دیا اس نے؟"

کیا اسے نظر آنا بند ہو گیا ہے؟ کیا اس کی عقل ساتھ چھوڑ گئی ہے؟ ارے وہ آپ پہ یہ غضب کیسے ڈھا سکتا ہے؟"

زہرہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"وہ اس سے شادی کرلے گا۔"

"اور آپ کو لگتا ہے ہم اپنی بیٹی کے ساتھ یہ ظلم ہونے دیں گے؟ ہمارے ہوتے ہوئے میم صاحب آپ کے ساتھ ایسا کر سکتی ہے؟"

"آپ... آپ اسے روک سکتے ہیں؟ آپ کچھ کر سکتے ہیں؟" اس کی دیوانی محبت بلبلانے لگی۔

"کیوں نہیں؟ ہم اپنی بٹیا کے لیے سب کچھ کریں گے۔" پھر حقہ گڑگڑایا اور کچھ سوچ کر بولے۔ "بدر کو اس کے سحر سے نکالنے کا واحد طریقہ یہ ہی ہے کہ میم صاحب واپس ولایت چلی جائے۔"

"کیسے؟ کیسے جائے گی وہ؟"

"اس پہ کوئی زور دے' اسے کوئی زبردستی واپس بھیج دے' تب ہی وہ دفعان ہوگی' ورنہ تو کوئی امکان نظر نہیں آتا۔"

"کون' کون زور دے سکتا ہے اس پہ؟" وہ بے صبری سے بولی۔

"وہی جو بیلی کا بے تاج بادشاہ ہے۔"

وہ زیر لب مسکرائے۔ اسی رخ پہ حالات کو لے جانے کے لیے تو انہوں نے یہ بساط بچھائی تھی۔ ابھی چند روز قبل ہی تو گوپال نے انہیں بتایا تھا۔

"پتا جی! آج تو غضب ہی ہو گیا۔ بھگوان نے بچا لیا' ورنہ وہ ملک بدر کی منگیتر ایک آفت شے ہے' میں چوہدری بوٹے کے کھیت سے گزر رہا تھا' روی ساتھ تھا۔ (گوپال کا دوست) کہ تانگے پہ وہ اپنی خادمہ کے ساتھ جا رہی تھی' وہیں بیچ راہ کے تانگے کا پہیہ ٹوٹ گیا' ہم مدد کے لیے گئے تو اس نے تو مانو جوتا اتار لیا۔ ایسی اتھری کڑی ہے' روی اور میں جھٹ پیچھے ہٹ گئے۔ وہ تو شکر کیجو کہ داروغہ جی ادھر سے گزر رہے تھے' ہم نے انہیں آگے کر دیا' پھر وہی مدد کرتے رہے'

مگر ایک بات ہے پتا جی' وہ لڑکی بہت سوہنی ہے تب ہی تو یہ پتھر سا نادر اسے دیکھ کر مبہوت سا کھڑا تھا' بعد میں پوچھا بھی کہ یہ تھی کون' میں نے تو کہہ دیا' میں کیا جانوں' مسلمانوں کی لڑکی لگتی ہے۔ وہ چپ ہی کر گیا مگر مسرور بھی تھا۔ لیکن سارا سرور نکل جائے گا جب علم ہوگا کہ وہ ملک بدر غازان کی منگیتر ہے۔ لکھ لیجو پتا جی' اس لڑکی کے لیے کوئی قتل کر بھی سکتا ہے۔ اور ہو بھی سکتا ہے۔ یہ ملک بدر کو خون خرابے میں ضرور پھنسائے گی۔"

اور وہ بات ان کے دل کو ایسے لگی کہ وہ کوئی سبب بننے کی دعا کرتے رہے' اور آج ان کی ساری دعائیں مقبول ہو چکی تھیں۔ بس اگر سب کچھ ویسا ہی ہو جائے جیسے وہ سوچ رہے تھے تو۔

"کون ہے بیلی کا بے تاج بادشاہ؟"

"وہی بٹیا رانی جو ہمارے بند کے ہر گاؤں کا بادشاہ ہوتا ہے۔ تھانے دار بادشاہ۔" اور اسی پل خادم نے اطلاع دی۔

"داروغہ جی تشریف لاتے ہیں مہاراج۔"

"اندر لے آؤ۔" وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔

خادم کے پیچھے انسپکٹر نادر شاہ داخل ہوا۔ ہاتھ میں چھڑی تھی اور وردی میں ملبوس تھا۔

"آداب بڑے ٹھاکر۔"

بڑے ٹھاکر نے ہاتھ جوڑ کر جواب دیا۔ "بیٹھیے مہاراج۔"

نادر شاہ نے صوفے پہ بیٹھتے ہوئے ارد گرد جائزہ لیتی نگاہ دوڑائی اور ایک دم ٹھٹکا۔

سامنے صوفے پہ وہ گم صم سی لڑکی بیٹھی تھی جس کی سیاہ چادر شانوں پہ ڈھلکی تھی اور ڈھیلے جوڑے میں سے بال نکل کر چہرے کے گرد بکھرے تھے۔ کچی عمر کی معصومیت چہرے پہ بکھری تھی۔ ماہم کنال سی سوگوار آنکھیں دیوار پہ مرکوز کیے وہ کہیں دور گم تھی۔

نادر شاہ کو بے اختیار وہ سالی شام یاد آگئی جب اس نے یہ چہرہ پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ ایک منظر اس کی نگاہوں

کے سامنے لہرایا۔

تانگے کے ایک طرف کھڑی جھنجلاتی لڑکی۔۔۔ سیاہ چادر کے ہالے میں مقید سنہری دمکتا چہرہ اور چادر میں سے جھلکتے بڑے بڑے چاندی کے جھمکے۔ بار بار ماتھے جھولتی لٹ کو کان کے پیچھے اڑستی۔۔۔ مدد کے لیے شکر گزار ہوتی، عجلت میں تانگے پہ دوبارہ چڑھتی لڑکی، اسے ایک ایک پل یاد تھا۔ وہ اسے بھولا ہی کب تھا۔

بڑے ٹھاکر نے اس کا ٹھٹکنا اور مبہوت ہونا بہت غور سے دیکھا تھا۔ وہ زیر لب مسکرا دیے، تیر بالکل نشانے پہ لگا تھا۔

"مہاراج۔" ان کے پکارنے پہ وہ سنبھل گیا۔

"جی ٹھاکر صاحب! ان سے ملوانا تھا آپ نے؟"

نادر شاہ کا معاملہ بدر سے مختلف تھا۔ وہ بیلی کا تھانے دار بادشاہ تھا اور اس بادشاہت کو قائم و دائم رکھنے کے لیے جہاں اس کو سب پہ اپنا رعب و دبدبہ رکھنا ہوتا تھا۔ وہاں در پردہ دوستیاں اور تعلقات بھی قائم رکھنے تھے۔ ٹھاکروں سے اس کی اتنی ہی اچھی دوستی تھی جتنی بدر غازان سے تھی۔ اسے علم تھا کہ ٹھاکر اس کی ڈکیتی کی وارداتوں سے آگاہ تھے۔ سو وہ بھی ان کے کئی دھندوں سے آنکھیں بند کر لیتا تھا۔ غیر قانونی شراب کے بنانے میں ٹھاکروں کا پورا خاندان ملوث تھا۔ مگر کوئی انہیں گرفتار نہ کرتا تھا۔

نادر شاہ سے علاقے کے لوگوں کو شکایت ہرگز نہ تھی۔ وہ تفتیش اور سراغ رسانی کے امور کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ نقب لگے راہزنی کی واردات ہو یا دن دہاڑے قتل کا واقعہ ہو، وہ پوری جانفشانی سے تفتیش کر کے مجرموں کو پکڑ لیا کرتا تھا۔ ایک طرف اس نے لوگوں کو ان کے کام کر کے رام کر رکھا تھا، تو دوسری طرف ٹھاکروں اور بدر غازان کو ان کی کمزوریاں ڈھونڈ کر۔

بدر غازان جیسا شخص اسے اپنی ڈکیتیوں کا پردہ رکھنے کے لیے چاہیے تھا۔ ایسا شخص جسے وہ ایک باغی ہیرو کے طور پہ پیش کر سکے، جو بس یہ جانتا ہو کہ یہ سب کچھ کسی خاص مقصد کے لیے کیا جا رہا ہے، جسے انگریزی سامراج سے بغاوت کا جھانسہ دے کر وہ تئیں رابن ہڈ بنا کر وہ ہتھیایا ہوا سارا مال خود ہضم کر لے، اتنی صفائی سے کہ کسی کو علم نہ ہو۔

گاؤں میں نادر شاہ اور بدر غازان بہت مضبوط حلیف تصور کیے جاتے تھے، اتنے بہترین دوست جن کے پکے اتحاد کے باعث ان کو ضرر پہنچانا مشکل تھا، اس پکے اتحاد میں جب راہزنی کی ادھوری واردات کی دراڑ پڑی تو بڑے ٹھاکر کو یہ خبر سنتے ہی ایک امید کی بندھ چلی تھی کہ وہ کوئی پتا کھیل کر نادر شاہ کو بدر کی پشت پناہی سے ہٹا سکتے ہیں۔

"ہماری بٹیا رانی آپ سے کچھ کہنا چاہتی تھیں، انہیں کچھ شکایتیں تھیں بولو بٹیا۔"

زہرہ جیسے کسی خواب سے جاگی تھی۔

سامنے صوفے پہ بیٹھا تھانے دار اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

اس نے گھبرا کر ڈھلکا آنچل سر پہ درست کیا۔ اسے احساس ہونے لگا تھا کہ کہیں کچھ بہت غلط ہو گیا تھا۔ اسے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا، وہ غلط جگہ پہ غلط لوگوں کے بیچ پھنس گئی ہے۔

"بتائیے بٹیا! داروغہ جی کسی کو بھی گھنٹے بھر میں دھکے دے کر گاؤں سے نکلوا سکتے ہیں۔" اور اس نے یقین کر لیا۔

"داروغہ جی! آپ بابا میم صاحب کو یہاں سے نکلوا دیں۔"

نادر شاہ بری طرح سے چونکا۔ "میم صاحب کو؟ مگر کیوں؟"

"وہ ڈائن میرے گھر میں فساد ڈال رہی ہے۔"

بڑے ٹھاکر اس اثنا میں اٹھ کر ساتھ والے کمرے میں چلے گئے، تاکہ دونوں کو بظاہر تنہائی دے کر وہ پردے کے پیچھے سے تمام گفتگو بھی با آسانی سن سکیں۔

"کس قسم کا فساد؟ بی بی کچھ وضاحت کریں۔"

(جانے یہ اتنی خوب صورت لڑکی کون تھی۔)

"وہ میرے منگیتر پہ ڈورے ڈال رہی ہے، وہ اسے مجھ سے الگ کر دے گی۔"

"منگیتر؟" یہ لفظ نادر کو چابک کی طرح لگا تھا۔
"کون۔ کون ہے آپ کا منگیتر؟ ٹھاکروں کا کوئی لڑکا؟ آپ ٹھاکروں کی کیا لگتی ہیں؟"
"نہیں، نہیں ٹھاکر نہیں۔ میں تو مسلمان ہوں، زہرہ۔ زہرہ ہے میرا نام۔" وہ بے ربط بول رہی تھی۔
"زہرہ۔" نادر نے زیر لب دہرایا۔ "کون ہے آپ کا منگیتر؟"
"بدر جی، ملک بدر غازان۔ وہ میرے چاچے کا لڑکا ہے۔"
"کیا؟" نادر شاہ کو کرنٹ لگا تھا۔ تو یہ تھی بدر کی وہ منگیتر جس کے حسن کے قصے اس نے سن رکھے تھے۔ اور دل میں کئی بار دیکھنے کا اشتیاق بھی پیدا ہوا تھا۔
"مگر تم ادھر ٹھاکروں کی حویلی میں، کیا یہ تمہیں زبردستی لائے ہیں؟"
"جی ہم زبردستی لائے ہوتے تو آپ کو تو نہ بلاتے داروغہ جی۔" بڑے ٹھاکر اسی پل کمرے میں داخل ہوئے، زہرہ سے کچھ بعید نہ تھا وہ کیا کہہ دے۔ "اس میم صاحب کی وجہ سے اگر اس بچی کی منگنی بدر سے ٹوٹ گئی تو شریکوں میں کتنی بدنامی ہوگی۔ وہ اسی لیے تو خود حویلی آئی تھی کہ مایا دیوی کو خبردار کر سکے، مگر وہ عورت تو۔ بھگوان کی سوگندھ کہنے سننے کی حد میں ہی نہیں ہے۔ یہ اس سے بات کر کے روتی ہوئی نیچے آئی تو ہمیں تو مانو بہت دکھ ہوا، سو فوراً آپ کو بلا بھیجا کہ اس معاملے کو حل کروائیں۔ بدر کو تو بلانے سے رہے جی، وہ تو ہماری شکل دیکھنے کا روادار نہیں ہے۔"
یہ وہ وقت تھا جب گاؤں کے سارے مسئلے حل کروانے لوگ تھانے دار کے پاس شکایت لے کر جاتے تھے۔
نادر، زہرہ کی جانب متوجہ ہوا۔
"بدر کو علم ہے کہ تم ادھر ہو؟"
"نہیں۔" وہ گھبرا اٹھی۔ "خدارا آپ انہیں مت بتائیے گا۔"
"تمہیں ادھر نہیں آنا چاہیے تھا، تمہارے اور ٹھاکروں کے خاندان کی عداوت بہت پرانی ہے۔"
"اور جب وہ خود میم صاحب کے ساتھ ہوتا ہے، تب وہ عداوت کہاں جاتی ہے؟" اس کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔
"میم صاحب کی بات اور ہے، وہ راجپوت نہیں ہے۔ آج ادھر ہے تو کل چلی جائے گی پھر۔"
"وہ واقعی چلی جائے گی؟" اس نے بے صبری سے بات کاٹی۔ "کیا آپ اسے یہاں سے بھیج سکتے ہیں؟"
"میں دیکھوں گا، کیا کسی اور کو علم ہے کہ تم ادھر ہو؟"
"نہیں۔" وہ بے اختیار گھبرا کر کھڑی ہوئی۔ شربت کا جام قالین پہ رکھ دیا۔ "میں، میں چلتی ہوں۔" کہہ کر وہ بیرونی دروازے کی سمت بھاگتی چلی گئی۔
"میں ابھی آیا۔" نادر اس کے پیچھے لپکا۔ وہ برآمدے تک ہی پہنچی تھی، جب اس نے اسے روکا۔
"زہرہ۔ سنو۔"
"جی؟" وہ پلٹی۔ چادر کا گھونگھٹ تھوڑی سے ذرا اوپر اس نے انگلیوں سے پکڑ رکھا تھا۔
"شام کو تھانے آجانا، وہیں پوری بات کریں گے، فکر نہ کرو میں اس معاملے کو سنبھال لوں گا۔"
"آپ بدر کو مت بتائیے گا۔" وہ قدرے خوف زدہ نظر آرہی تھی۔
"میں اسے نہیں بتاؤں گا، مگر آئندہ ٹھاکروں کی حویلی مت آنا نادان لڑکی، ان کا لڑکا اچھے قماش کا نہیں ہے۔"
"میں تو بس میم صاب سے۔"
"ارے جہنم میں گئی میم صاب۔ اس الٹی کھوپڑی کی عورت سے سر نہ پھوڑو۔ جاؤ گھر اور بعد میں تھانے آجانا۔"
وہ شرمندہ سی ہو گئی، اور خائف بھی۔ "مگر خدارا آپ بدر کو نہ بتائیے گا۔"
"نہیں بتاؤں گا۔" اسے معلوم تھا اب اسے بدر سے بہت کچھ چھپانا پڑے گا۔
وہ سیڑھیاں اترتی چلی گئی اور نادر شاہ اس کانچ سی لڑکی کو یک ٹک دیکھے گیا۔ یہاں تک کہ وہ پھاٹک پار

کر گئی' اور اسے لگا کہ پل بھر میں راجپوتوں کی اونچی حویلی ویران ہوگئی ہے جیسے وہ سندر ناری سارے رنگ اپنی کالی چادر میں چھپا کر لے گئی ہو۔

جب وہ بڑے ٹھاکر سے رسمی باتیں کر کے رخصت ہوا تو اسی وقت گوپال اندر داخل ہوا۔

"پتا جی! ابو ابتا رہی تھی کہ ملکوں کی دھمی آئی تھی۔"

وہ حیران سا ان کی جانب آیا۔ "اور داروغہ جی؟"

ٹھاکر رگھو ناتھ کے چہرے پہ گہری ہوتی شاطر مسکراہٹ دیکھ کر اس نے فقرہ لبوں پہ روک دیا۔

"کیا چکر ہے پتا جی؟" وہ متجسس سا ان کے قریب آ بیٹھا۔

"ہمارے بڑے کہہ گئے ہیں پتر کہ انسانوں میں تین طرح کے جھگڑے ہوتے ہیں' زن' زر اور زمین کے۔ ہم نے سوچا' اگر بدر غازان اور نادر شاہ زر اور زمین پہ نہیں جھگڑتے تو زن پہ ضرور جھگڑیں گے۔"

"معلوم نہیں پتا جی۔" وہ کچھ کچھ سمجھ رہا تھا۔ "وہ سالا کیوں جھگڑے گا اس عورت پہ' وہ تو میم صاحب کے چکر میں ہے۔"

"بھاڑ میں جائے میم صاحب۔" وہ بدمزہ ہوئے۔ "سالی نے ہمیں کس گورکھ دھندے میں پھنسا دیا ہے۔ جانے کون مار گیا شیکھر کو' اور اس عورت نے عذاب کے ڈال دیا۔ نادر شاہ جتنا ہمارا دم بھرے' اس کا اپنا مفاد ہوا تو ہمیں دھرنے سے گریز نہیں کرے گا اور ابھی ہم مکمل طور پر اس کیس سے نہیں نکلے۔"

اور اوپر اپنے کمرے سے نکلتی مایا ٹھہر گئی۔

"تو کیا یہ دونوں شیکھر کے قتل میں واقعی ملوث نہیں؟" وہ حیران سی سوچتی رہ گئی۔ "پھر کون قتل کر سکتا ہے اسے؟"

پھر سر جھٹک کر سیڑھیاں اترنے لگی۔ اس کی جوتوں کی ٹک ٹک پر ان دونوں نے چونک کر سر اٹھایا اور اسے نیچے اترتے پا کر بالکل خاموش ہوگئے۔ وہ انہیں مکمل طور پر نظرانداز کیے باہر نکل آئی۔

ابھی رو پانے اسے بتایا تھا کہ کھوجی کرم الٰہی اس سے ملنے آیا ہے۔ کہتا ہے کوئی ضروری کام ہے وہ اسی لیے نیچے آئی تھی۔

"روپا!" اس نے برآمدے کی سیڑھیاں اترتی روپا کو روکا۔ "کھوجی کدھر ہے؟"

"وہ کھڑا ہے جی۔" اس نے پھاٹک کی جانب اشارہ کیا جہاں کھوجی پنجوں کے بل زمین پہ بیٹھا تھا۔

"اچھا' اور سنو' زہرہ چلی گئی؟"

"ہاں جی۔"

"اور کس کو بلوایا تھا بڑے ٹھاکر نے؟ مجھے دیوان خانے سے بولنے کی آوازیں اوپر آرہی تھیں۔" انداز سرسری سا تھا۔

"داروغہ جی آئے تھے' معلوم نہیں خود آئے تھے کہ بلوایا گیا تھا۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے' جاؤ۔" وہ اس کی بات پہ غور کرتی کھوجی کی طرف آئی۔ اسے آتا دیکھ کر وہ بے چینی سے اٹھ کر اس کے قریب آیا۔

"سلام میم صاب!"

"خیریت کرم الٰہی۔" اس کی ساری حسیات جاگ اٹھیں۔

"جی میم صاب۔" اس کے انداز میں دبا دبا سا جوش تھا۔ "کچھ دکھانا تھا آپ کو۔"

"کیا؟" وہ چونکی۔ کیا وہ کھرے کا کوئی سراغ پا چکا تھا۔

کھوجی نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے' پھر ادھر ادھر دیکھا۔ جگہ رازدارانہ گفتگو کے لیے نامناسب تھی۔ سو اشارہ کیا ادھر آئیے۔ وہ سمجھ کر اس کے ساتھ باہر چلی آئی۔

چند کچی دھول اڑاتی پگڈنڈیوں پہ اسے اپنے عقب میں اسے چلاتا وہ اسے مرکزی تھانے سے قریب لے آیا۔

"یہ کھرا دیکھیے۔" زمین پہ پنجوں کے بل بیٹھ کر کھوجی نے کچی پگڈنڈی کی طرف اشارہ کیا۔

مایا نے قدرے جھک کر پلکیں سکیڑ کر دیکھا۔ وہ کسی جوتے کا صاف اور واضح نشان تھا جو مٹی نے خود پہ ثبت کر لیا تھا۔

"یہ وہی کھرا ہے جو اس روز ہم نے کچے راستے پہ تلاشا تھا۔"

"ہوں۔" وہ سوچ میں گم کھرے کو دیکھتی رہی۔ ایک قطار میں تازہ کھرے بنے تھے جو تھانے کی طرف بڑھتے جا رہے تھے۔

"یہ کس کا کھرا ہو سکتا ہے؟"

"معلوم نہیں میم صاب، لیکن یہ بالکل تازہ کھرا ہے، ابھی ہوا نے اسے نہیں چھیڑا۔ معلوم پڑتا ہے کہ کوئی ادھر سے گزر کر ابھی تھانے گیا ہے، مگر واپسی کا کھرا نہیں ہے، یا تو وہ شخص کسی دوسرے راستے سے واپس گیا ہے یا پھر ابھی وہ تھانے میں ہی ہے۔"

"تم نے نادر شاہ کو آگاہ کیا؟"

"نہیں، میں نے سوچا، پہلے آپ کو خبر کر دی جائے۔" وہ عاجزی سے بولا۔

"بہت اچھا کیا، ابھی تھانے دار کو آگاہ بھی مت کرنا۔ مجھے خود اس کھرے کو ڈھونڈنے۔"

"کوئی آ رہا ہے میم صاحب، ادھر آ جائیے۔"

وہ دونوں بے اختیار درختوں کی باڑھ کے پیچھے ہو گئے، تاکہ آنے والا ان کو نہ دیکھ سکے۔

"یہ تمہارا انعام۔" مایا نے اپنے بٹوے میں سے کچھ روپے نکال کر اسے دیے۔

"نہیں میم صاب! میں نے اس لیے تو نہیں بتایا تھا۔" مگر اس کا انکار رسمی تھا، اس نے روپے پکڑ ہی لیے اور جب وہ سر جھکائے بٹوہ بند کر رہی تھی، کھوجی لپک کر آگے گیا اور جانے والے کا کھرا پڑھنے لگا۔

"میم صاب۔" یک دم وہ آہستہ آواز میں جوش سے چیخا۔ "یہ ہی ہے اس کا کھرا ہے، یہی وہ شخص ہے جو ٹھاکر شیکھر سے ملا تھا۔"

مایا درخت کی اوٹ سے نکل کر اس کے قریب آئی اور کھرے کے تعاقب میں تلاشنا چاہا۔

"کون؟ کدھر؟" وہ ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

"وہ اس طرف وہ جو ادھر جا رہا ہے۔" یہ ہی وہ شخص ہے۔ کھوجی نے انگلی سے اشارہ کیا۔ مایا نے اس کی انگلی کے تعاقب میں گردن قدرے اونچی کر کے دیکھنا چاہا اور اگلے ہی پل وہ ساکت رہ گئی۔

"نہیں۔" اس نے بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ نہیں ہو سکتا۔" وہ سخت استعجاب کے عالم میں کھوجی کی جانب مڑی۔ "یہ۔۔۔ یہ شخص نہیں ہو سکتا، تم سے غلطی ہوئی ہے۔"

"برسوں سے یہ کام کر رہا ہوں میم صاب! اب غلطی نہیں ہوتی۔"

کھوجی نے قدرے برا مانا، مگر پھر اس نے محسوس کیا وہ اس کی طرف متوجہ ہی نہیں تھی۔ وہ بے یقینی سے نفی میں سر ہلاتی پگڈنڈی پہ دور ہوتے فرد کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ ایسی بے بسی تھی کہ جیب میں نوٹ اڑستے کرم الٰہی کو لگا وہ پل بھر میں کسی دوسری عورت سے متعارف ہوا تھا۔ وہ تنتنے اور رعب داب والی میم صاب تو کچی مٹی پہ گم ہونے والے نشانوں کی طرح کہیں دھول میں کھو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"زہرہ کیسی ہے؟"

شام میں جب وہ حسب معمول کنویں کی منڈیر پہ بیٹھے تھے، اس کی کسی بات کے جواب میں مایا نے اچانک پوچھا، ساتھ ہی بغور اسے دیکھا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے لاپروائی سے شانے اچکائے۔

"نظر نہیں آئی کافی دنوں سے؟" وہ پلک جھپکائے بغیر بدر کا چہرہ پڑھ رہی تھی۔

"ہمارے خاندان کی عورتیں زیادہ باہر نہیں نکلتیں۔"

"مگر جب میں نے پہلی دفعہ اسے دیکھا تھا تو وہ مجھے باہر ہی ملی تھی۔"

"کسی کام سے نکلی ہو گی، قدرے لاپروا ہے، مگر شعور کے ساتھ ساتھ سمجھ داری آتی جا رہی ہے۔"

"اچھا۔" وہ ہولے سے ہنسی۔ "خیریت پوچھ لینا اس کی میری طرف سے۔"

"پوچھ لوں گا۔" اور رات میں کھانا کھاتے ہوئے اسے یاد آیا تو ایک دم زہرہ کو پکار بیٹھا۔

"کمرے میں ہے، شاید حاجراں سے لڑائی ہو گئی ہے، جب سے اس کے گھر سے آئی ہے، کمرہ بند کرکے بیٹھی ہے، ٹھہر، میں بھیجتی ہوں۔" چاچی کا لہجہ خوشی سے کھل اٹھا۔ اسے لگا شاید بدر کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔

"اٹھ زہرہ! بدر بلا رہا ہے۔" چاچی نے اس کے کمرے کا دروازہ کھولتے ہی خوشی خوشی بتایا۔

وہ جو آنکھوں پہ بازو رکھے ست سی پلنگ پہ لیٹی تھی، ایک دم اٹھ بیٹھی۔ دماغ میں کہیں خطرے کی گھنٹی بجی۔ دوپہر کی نادانی ابھی بھولی کہاں تھی۔

"مم، مجھے کیوں بلا رہا ہے؟"

"کوئی بات کرنا چاہتا ہوگا" اس کی ہچکچاہٹ دیکھ کر چاچی نے تسلی دی۔

"اسے بول دو میں سو رہی ہوں۔" وہ گھبرا اٹھی تھی۔

"غلط ہے زہرہ، چل اٹھ، جلدی کر۔"

اور چار و ناچار اسے جانا ہی پڑا۔

"جی۔" بمشکل ہی وہ اس کی چارپائی کے کنارے ٹکی جیسے ابھی بھاگنے کو تیار ہو۔ "کوئی کام تھا؟"

"نہیں کام نہیں تھا۔ بابا۔۔۔" پھر رک کر تمہید باندھی۔ "دراصل شام میں بابا میم صاب سے ملاقات ہوئی تھی، وہ تمہارا پوچھ رہی تھی۔"

زہرہ کا تو جیسے خون خشک ہو گیا۔ اسے یہ کیوں بھول گیا تھا کہ تھانے دار اور ٹھاکر جی کو منع کرنے سے پہلے تو بدر کو میم صاب بتائے گی، خدایا وہ کہاں جائے؟

"کک۔۔۔ کیا پوچھ رہی تھیں؟"

"حال پوچھ رہی تھی، کہہ رہی تھی، عرصہ ہوا تم سے ملاقات نہیں ہوئی۔ سو تمہاری فکر تھی۔" وہ کھانا ختم کرکے ہاتھ صاف کر رہا تھا۔

زہرہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"بس یہ ہی کہا انہوں نے؟"

"ہاں۔"

"اور کچھ نہیں کہا؟"

"اور کیا کہنا تھا؟" وہ برتن پرے کھسکاتا اٹھ کھڑا ہوا۔ زہرہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"حویلی آنے کا نہیں بتایا؟" بے اختیار لبوں سے پھسلا۔

"کیا؟" وہ سمجھا نہیں تھا۔

"میرا مطلب ہے انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ وہ ہماری حویلی کب آئیں گی؟" پورے دن میں اس نے پہلی عقل کی بات کی تھی۔

"نہیں۔" وہ بنوہ جیب میں ڈالتا باہر چلا گیا۔ وہ اس کے قدموں کی چاپ سنتی رہی۔

"میم صاحب نے بدر کو کیوں نہیں بتایا؟"

وہ برآمدے کی خاموش دیواروں سے پوچھ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ تھانے میں چوہدری دلاور کے ساتھ بیٹھا کسی جھگڑے کی صلح صفائی کروا رہا تھا، جب ایک سپاہی نے آکر اطلاع دی۔

"باہر کوئی عورت آئی ہے شاہ صاب، آپ سے ملنا چاہتی ہے۔"

"کون ہے؟" وہ جو دوسرے معاملے میں پوری طرح سے منہمک تھا الجھ کر پوچھنے لگا۔

"نام نہیں بتایا۔"

"جا کر اس کو کہو سویرے آنا، میرے پاس ابھی وقت نہیں ہے۔ جی چوہدری صاب، گل ایسہ ہے کہ۔" وہ کوفت چھپاتا واپس ادھر متوجہ ہو گیا۔ سائلین صبح شام شکایات لے کر آتے رہتے تھے۔ کسی بڑی واردات یا قتل کا قصہ ہوتا تو وہ عورت یقیناً کسی اہلکار کو بتا دیتی۔ یقیناً کوئی ذاتی نوعیت کا کام ہوگا، سو اس نے اہمیت نہ دی۔

چوہدری دلاور کا معاملہ نپٹا کر وہ نقب زنی کی ایک جائے واردات پہ چلا گیا۔

سکھوں کے ایک سرکردہ خاندان کی حویلی میں نقب لگا کر رات کو چوری ہوئی تھی۔ کچھ عرصہ قبل مرنے والا چوہدری منگل سنگھ اسی خاندان کا فرد تھا۔

اس نے کھرے اٹھوائے، تفصیل سے رپورٹ بنائی، گھر والوں کے بیانات لیے، نمبردار کو تھانے بلوا کر اس خاندان کے بارے میں چند معلومات لیں، غرض جب وہ اس کارروائی سے فارغ ہوا تو شام ڈھل گئی تھی۔

"وہ عورت چلی گئی تھی؟" ابتدائی تفتیش کی رپورٹ رقم کرتے ایک دم یاد آنے پہ اس نے سپاہی کو بلا کر دریافت کیا۔

"ہاں جی۔ وہ کچھ کہے بنا ہی چلی گئی۔"

"اچھا۔" وہ حیران ہوا۔ "جانے کون تھی۔ کوئی نام بتا نہیں بتایا۔"

"نہیں جی۔"

"شکل، حلیہ کیسا تھا؟" وہ اندازہ کرنا چاہ رہا تھا کہ وہ کون تھی۔

"چہرہ چھپا رکھا تھا' آواز سے تو کم عمر لگتی تھی، آنکھیں خوب صورت تھیں، کالی چادر اوڑھ رکھی تھی۔"

"کالی چادر۔" وہ بے اختیار چونکا۔

"یا خدایا! کیسے بھول گیا ہے کہ وہ تھانے آئے گی، شاید اسے اندر سے امید ہی نہ تھی کہ وہ واقعی آجائے گی اور اب اگر آئی تھی تو کیسی غلطی ہو گئی رب۔"

"یہ بات تم مجھے پہلے نہیں بتا سکتے تھے؟ کل اگر وہ آئے تو مجھے فوراً اطلاع کرنا۔" وہ خوامخواہ سپاہی پہ غصہ نکالنے لگا۔ پھر اس کے جانے کے بعد اکتا کر فائلیں پرے کردیں اور کرسی پہ دراز ہو کر آنکھیں موند لیں۔

ذہن کے پردوں پہ فلم کی طرح کل کے مناظر چلنے لگے۔ وہ گم صم سی گھبرا کر کھڑی ہونے والی لڑکی ہچکچاتی انگلیوں سے تھاما کالی چادر کا کونہ، بڑی بڑی سندر آنکھوں میں اتری وحشت۔

نادر شاہ نے اپنی زندگی میں ایسی لڑکی پہلی دفعہ دیکھی تھی۔ پہلی دفعہ کسی نے اس کے دل پہ دستک دی تھی اور پہلی دفعہ اسے بدر سے شدید نفرت محسوس ہوئی تھی۔

شاید وہ لاشعوری طور پر اپنا اور بدر کا موازنہ کرنے لگا تھا۔

٭ ٭ ٭

گھنیری رات پھر سے پرانے قبرستان پہ اتر آئی تھی۔

برگد کی چھایا تلے وہ دونوں پھر سے موجود تھے۔

گوپال اس رات جانے کہاں تھا' بدر نے پوچھنا ضروری نہ سمجھا تھا۔

"ایک سوال کروں مایا؟" وہ قبرستان کے نادیدہ بھوت کی باتیں کرتے کرتے ایک دم سے گفتگو کو کسی اور موڑ پہ لے جانے لگا۔

"پوچھو۔" وہ تنے سے سر ٹکائے اوپر آسمان کو دیکھ رہی تھی جو کالے بادلوں سے ڈھکا تھا۔ چاند اور تارے جانے کہاں گم ہو گئے تھے۔

"تم نے کبھی مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میں اس شام ڈلہوزی میں کیوں تھا؟"

"میں نے تو یہ بھی نہیں پوچھا کہ تم اس صبح جنگل میں کیوں تھے؟"

بدر نے دیکھا' وہ موتیوں کی لڑی اسی طرح اس کے بالوں سے لٹک رہی تھی۔

"یہ لڑی کتنی لمبی تھی نا۔" بدر نے انگلی سے موتیوں کو چھوا۔ وہ بے حس و حرکت اوپر دیکھتی رہی۔

"تم نے کیوں توڑا تھا اسے؟"

"پہلے بتایا تھا نا' یہ شاہی خاندان کا دستور ہوتا ہے۔"

اس نے لڑی چھوڑ دی' وہ ہولے سے مایا کے کندھے پہ آن گری۔

"تم اس شام ڈلہوزی میں کیوں تھے؟" سیاہ بادل ہلکے ہلکے گرجنے لگے تھے۔

"دوستوں کے ساتھ سیر و تفریح پہ گیا تھا' وہ آگے

نکل گئے اور میں پیچھے رہ گیا' معلوم ہی نہ ہوا کہ کب سانپ نے کاٹا اور۔۔۔"

"اور تمہارے دوست؟"

بارش ہولے ہولے برسنے لگی۔ برگد کی بوڑھی شاخوں نے بوندوں کا راستہ روک لیا' مگر سامنے قبریں گیلی ہونے لگیں۔

"تم نے نیچے جاکر جن لوگوں کو بھیجا تھا' وہ مجھے اسپتال لے گئے تھے' بعد میں میرے دوست بھی مجھے تلاش کرتے ادھر آگئے تھے۔"

"تمہارے دوست کون؟ وہ نادر شاہ؟"

"ارے نہیں' وہ بس گاؤں کا یار ہے۔ ہم دونوں میں مماثلت یہ ہے کہ دونوں کو فرنگیوں سے نفرت ہے' اور ان کا یہاں بالخصوص شکار کے لیے آنا سخت ناپسند ہے۔ مگر جب ہم نے ماکھا کے ساتھ مل کر ان کو لوٹنا شروع کیا تو فرنگی یہاں آنے سے گھبرانے لگے۔ ماکھا یہاں کا ایک نامی گرامی ڈاکو ہے' اس روز برچھیت وہی تھا۔"

"میں بھی تو فرنگی ہوں بدر۔"

ایک لمحے کو بجلی زور کی چمکی' پورا قبرستان روشن ہوگیا۔ گیلی قبروں پہ قطرے موسلا دھار برس رہے تھے' دوسرے ہی پل اندھیرا چھا گیا۔

"تمہاری بات اور ہے' کمپنی بہادر کے صاحب لوگ کاروبار کرنے ادھر آئے تھے' پھر یہاں قبضہ کرکے بیٹھ گئے۔"

"ہندوستان کے باقی لوگ بھی کمپنی بہادر سے نفرت کرتے ہیں؟"

"کرتے تو سب ہی ہیں۔ اظہار کوئی کوئی کرتا ہے۔"

"تو اس صورت حال کا کیا بنے گا؟"

"جب فرنگی یہاں سے جائیں گے تو مسلمان ادھر ہندوستان میں ایک الگ ریاست بنائیں گے' پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ زور سے ہنس پڑی۔

"تم کس دنیا میں رہتے ہو بدر؟ فرنگی یہاں سے کبھی نہیں جائیں گے' وہ سو سال بعد بھی ادھر ہی ہوں گے۔"

"اور تم۔ تم کب تک ہوگی ادھر؟" اس نے لاحاصل سی بحث سے بچنے کو بات پلٹ دی۔

بارش مدھم ہوتے رک چکی تھی۔ ٹھنڈی ہوا چلنے لگی تھی۔

"معلوم نہیں۔"

"میرے ایک سوال کا جواب تم پہ ادھار ہے۔"

وہ کچھ نہیں بولی تو وہ تھک کر خود ہی کہنے لگا۔

"جب میں نے ٹھاکر شیکھر کی دلہن کے بارے میں سنا تو مجھے لگا کہ یہ بیلی کی وہی مہارانی ہے' جس نے میری جان بچائی تھی۔ اور جبھی میں تمہارا چہرہ دیکھ کر مجھے یقین سا ہو چلا تو میں لاشعوری طور پہ تمہارا انتظار کرتا رہا' ہر جگہ' ہر وقت۔ میں نہیں جانتا کہ یہ سب کیا ہے۔ بس میں چاہتا ہوں کہ تم یہاں سے کبھی نہ جاؤ۔"

"اور زہرہ کہاں جائے گی؟"

"اسے کوئی بھی مجھ سے بہتر مل جائے گا۔ میں بس۔۔۔" بات اس کے لبوں پہ ہی رہ گئی۔

قبرستان کے پھاٹک کے ساتھ ساتھ ایک ہیولہ سا گزر رہا تھا۔

"یہ کون ہے؟" مایا سرگوشی میں بڑبڑائی اور حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگی۔

"شاید وہی بھوت۔" بدر کے اندر جوش سا ابھر گیا۔

"یہ تو۔۔۔" وہ جیسے پہچان گئی' اور اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا وہ تیر کی تیزی سے اٹھی اور لپک کر دوڑتی ہوئی اس تک جا پہنچی' اور وہ جو اسے دیکھ کر الٹے قدموں واپس مڑنے کو تھا' اسے موقع ہی نہ مل سکا۔

مایا نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔

"تم ادھر کیا کر رہے ہو؟" وہ انگریزی میں غرائی' مگر جواب دینے کے بجائے اس شخص نے اس کے ہاتھ جھٹک کر اپنا گریبان چھڑایا اور بھاگتا ہوا اوجھل ہوگیا۔

بدر دیکھ چکا تھا' وہ لمبی سبز برساتی پہنے شخص ڈپٹی کمشنر جان کارلس تھا۔

"یہ یہاں کیا کر رہا تھا؟"

"معلوم نہیں۔" وہ اسی طرح غصے میں سرخ پڑتی اس کو دور گم ہوتے دیکھتی رہی۔

"کیا یہی وہ بھوت تھا؟"

"معلوم نہیں۔" وہ مزید کچھ کہے بنا پھاٹک پار کر گئی۔

وہ تمام سوچوں کو ذہن سے جھٹک کر آہستہ سے اس کے پیچھے ہو لیا۔

☆ ☆ ☆

"تجھے زہرہ پہ کیا اعتراض ہے میرا پتر؟"

اس دوپہر والا منظر پھر سے سج گیا تھا۔ وہ اسی طرح برآمدے میں چارپائی پہ بیٹھا میز پہ رکھا کھانا کھا رہا تھا اور فکر مندسی چاچی پاس بیٹھی پوچھ رہی تھی۔ اور وہ اسی طرح اندر دیوار کی اوٹ میں کھڑی تھی۔

"کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"پھر تو کیوں انکار کرتا ہے؟"

"اسے مجھ سے بہتر—"

"بات بہتر کی نہیں ہے پتر! بات اعتراض کی ہے۔ تجھے اعتراض کیا ہے؟ وہ سوہنی نہیں ہے؟ سلیقہ شعار نہیں ہے؟"

"اس میں کوئی برائی نہیں ہے اماں!" اس نے تھک کر توڑا ہوا لقمہ واپس رکھ دیا تھا۔

"نہ برائی تو ہے نا اس میں، وہ ولیت سے نہیں آئی پتر! انگریزی نہیں بولتی، گوری دھی جتنی اچھی ہو جائے، وہ میم نہیں ہے تو تو کیوں کرے گا اس سے شادی؟"

"اماں! میں نے ایسا کب کہا ہے؟" وہ پریشان سا ہو گیا۔

"بس کر بدر!" چاچی برتن سمیٹنے لگی۔ "تو ماں کو بے وقوف سمجھتا ہے۔ سارا گاؤں جانتا ہے تو میم صاب سے ملتا ہے۔ کل نذیراں پانی بھرنے کنویں پہ گئی تو تجھے ادھر دیکھا، الٹے قدموں واپس آئی وہ۔ تو بتا، تو میم صاب سے بیاہ کرنا چاہتا ہے؟"

وہ خاموش رہا۔ جواب تو اسے خود بھی معلوم نہ تھا۔

"تو جا کر پوچھ لے میم صاب سے، کرے گی وہ تجھ سے بیاہ؟"

اس نے سر اٹھایا۔ "میں اس سے پوچھ چکا ہوں۔"

چاچی صدمے سے اسے دیکھتی رہ گئی اور اندر زہرہ کا دل ڈوبتا گیا۔

"تو نے کیا پوچھا اس سے؟"

"یہی کہ میں... میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

چند لمحے خاموشی سے سرک گئے۔

"وہ مان گئی؟" بہت دیر بعد چاچی بولی تو اس کی آواز میں ٹوٹتے مان کی کرچیاں تھیں۔

"نہیں۔"

زہرہ نے بے اختیار دیوار کا سہارا لیا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"اس نے انکار کر دیا؟" چاچی حیرت زدہ رہ گئی، بھلے وہ نہ چاہتی ہو مگر اسے امید نہیں تھی کہ کوئی عورت اس کے بانکے سجیلے پتر کو انکار کر سکتی ہے، وہ بھی وہ گوری چمڑی والی پھیکی میم صاب، زہرہ کے آگے کہاں وہ شہزادی اسے حسین لگ سکتی تھی۔

"نہیں۔" وہ سر جھکائے بیٹھا تھا، کھانا کب کا اس نے چھوڑ دیا تھا۔

"کیا مطلب پتر؟"

"اس نے جواب ہی نہیں دیا اماں!" وہ تھکا تھکا سا کہہ رہا تھا۔ شب بے داری کے باعث اس کی آنکھیں سرخ پڑی تھیں۔

چاچی کو ایک دم اس پر بے پناہ ترس آیا۔ زہرہ کتنی لاڈلی سہی، وہ اس کا بیٹا تھا۔ اکلوتا بیٹا۔ پہلوٹھی کی اولاد باقی چار بچے تو پیدا ہوتے ہی مر گئے تھے۔ ایک وہی تو تھا جو اس کے پاس تھا۔

"میرا پتر!" وہ برتن چھوڑ کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔ "یہ فرنگی یہاں رہنے کے نہیں ہیں، وہ اول تو تجھ سے شادی نہیں کرے گی۔ تیری ماں دنیا دیکھے ہوئے ہے پتر، وہ بھلا کیوں کسی ہندوستانی سے شادی کرے

گی؟"

"شیکھر کیا تھا پھر؟"

"تو مجھے بتا شیکھر سے کیوں کی تھی اس نے شادی؟ زیادہ مال و دولت والا تھا کیا اس سے؟" چاچی نے الٹا سوال کر دیا۔

"نہ نہیں' وہ تو محبت کی۔۔۔" وہ رک گیا چاچی اس سے یہی کہلوانا چاہتی تھی۔

"ہاں تو محبت تو اس نے شیکھر سے کی تھی' عورت زندگی میں بس ایک بار ہی محبت کرتی ہے بدر! وہ بھلے بعد میں کسی کو کتنا ہی چاہنے کا دعوا کرے' اس کے سارے جذبے استعمال شدہ اور پرانے ہوتے ہیں' وہ ساری عمر اس پہلے مرد کو دل سے نہیں نکال پاتی۔ تو دوسرا مرد بنے گا؟"

"اماں! اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ہمارا مذہب۔۔۔"

"تاں کوئی مذہب نہ رہا۔" سارا پیار اڑنچھو ہو گیا' وہ پھر ماں سے ملکانی بن گئی اور غصے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تیری ماں نے دنیا دیکھی ہے۔ وہ عورت شکل سے ہی لومڑی لگتی ہے مجھے' یہی ڈر تھا وہ تجھے لے اڑے گی۔ جا جا کر لے اس سے بیاہ' مگر یاد رکھیو' وہ فرنگی ادھر رہنے کی نہیں ہے' وہ تجھے انگلستان لے جاوے گی' تب تجھے ماں یاد آوے گی۔"

"اماں!" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "اگر اس نے انکار کر دیا تو میں اس سے دوسری دفعہ نہیں کہوں گا' اور اگر اس نے اقرار کر لیا تب بھی تیری مرضی کے بغیر شادی نہیں کروں گا۔ تو فکر نہ کر اور اس کے بارے میں ایسے غلط اندازے نہ لگا۔ وہ دوسرے فرنگیوں سے بہت مختلف ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے چاچی کا مان رکھ لیا تھا' وہ قدرے پرسکون ہوئی' مگر لہجہ سخت ہی رکھا۔

"مگر یاد رکھیو' یہ سب فرنگی ایک ہی جیسے ہیں۔ چور' غاصب اور لٹیرے۔ تیری یہ میم صاب بھی اسی خصلت کی۔۔۔"

"رہنے دو اماں!" وہ بے زار سا باہر نکل گیا۔

چاچی نے تھک کر گہرا سانس لیا۔ وہ پرسکون تھی مگر زہرہ نہیں تھی۔

اسے لگ رہا تھا' بدر چاچی کو بھی منا لے گا اور وہ بھی مان جائے گی۔ ایسے میں وہ کیا کرے گی؟

"تھانے دار کے پاس جاؤں؟ مگر کل گئی تو ملاقات نہیں تھا۔ لیکن کیا معلوم وہ کوئی راستہ نکال دے اور میم صاب یہاں سے دفع ہو جائے۔"

"یا خدا!" اس نے تھک کر اوپر دیکھا۔

"ان فرنگیوں کو ہندوستان سے نکال باہر کر۔ اب اور برداشت نہیں ہوتے۔" اور کالی چادر اوڑھنے لگی۔

✡ ✡ ✡

وہ صبح سے دیگر کام نمٹاتا لاشعوری طور پر اس کی آمد کا منتظر تھا' اور کام کہاں نمٹا پا رہا تھا۔ کبھی نقب کے کیس میں تاریخ کا اندراج غلط کر بیٹھتا' کبھی گھر والوں کو تفتیش کے لیے بلوا لیتا اور غائب دماغی سے سوال کر بیٹھتا' غرض سارے کام آج خراب ہو رہے تھے۔

نادر شاہ خاصے مضبوط اعصاب کا حامل تھا لیکن اس دل کا کیا کرتا جو دوسرے انسانوں کی طرح اللہ نے اسے بھی دے رکھا تھا۔

سہ پہر میں جب وہ سکھوں کی حویلی سے واپس آیا تو اے ایس آئی نے بتایا۔ "وہ کالی چادر والی عورت جس کا آپ کہہ گئے تھے' اندر بیٹھی۔۔۔" اور وہ مکمل بات سنے بغیر تیزی سے اندر لپکا۔

وہ اس کی میز کے سامنے کرسی پہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ نادر شاہ نے تیزی سے میز کے اس طرف اپنی کرسی سنبھال لی۔

"آداب!" زہرہ نے چونک کر سر اٹھایا۔ کالی چادر نے سنہری چہرے کے گرد ہالہ سا کر رکھا تھا' آنکھوں میں مٹا مٹا سا کاجل تھا' اور ایک گھنگھریالی لٹ دوپٹے کے اندر سے نکل کر بائیں گال پہ جھول رہی تھی۔

"وعلیکم۔ میں کل آئی تھی آپ۔۔۔"

"بہت معذرت' مجھے علم ہوتا آپ آئی ہیں تو سارے کام چھوڑ دیتا۔" اسے احساس ہوا' اندر وئی

خوشی لہجے میں جھلکنے لگی ہے تو خود کو قدرے قابو کیا۔ "کہیے کیسے آنا ہوا؟"

وہ نگاہیں جھکائے، انگلیاں چٹخانے لگی، لب بار بار کھول کر بند کرتی۔ وہ زیر لب مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

"آپ... کسی طرح..." بے ربط سا انداز تھا۔

"میں... کسی طرح... کیا؟"

اس نے گھنیری پلکیں اٹھائیں، وہ اتنے غور و محویت سے اس پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا کہ زہرہ کی نگاہیں پھر سے جھک گئیں۔

"آپ کسی طرح میم صاب کو یہاں سے بھیج دیں۔"

"کہاں بھیج دوں؟"

"کہیں بھی بھیج دیں۔" وہ بے چین سی ہوئی۔

"لیکن کم از کم وہ ہم سب سے بہت دور چلی جائے۔"

"آپ سب سے یا صرف بدر سے؟"

"بس وہ بدر سے دور چلی جائے ورنہ..." وہ بے بسی سے بولی۔ "ورنہ میری منگنی ٹوٹ جائے گی، اور آپ کو معلوم ہے، میری کتنی بدنامی ہوگی۔" کل کی نسبت آج وہ عقل مندی کا مظاہرہ کرنے کا ٹھانے ہوئے تھی سوائے دلی جذبات کا اظہار کرنے کے بجائے اس نے معاشرتی نکتہ اٹھایا۔

"ہوں۔" نادر شاہ بغور اس کو دیکھتا پیچھے کو ہو کر بیٹھ گیا۔

"بدر کیا کہتا ہے؟"

"وہ کہتا ہے، وہ چاچی کی مرضی کے بغیر میم صاب سے شادی نہیں کرے گا۔"

"چاچی؟"

"وہ اس کی ماں جی۔"

"اچھا اور میم صاب کیا کہتی ہے؟"

"پتا نہیں۔" اس نے سر جھٹکا، انداز جلتا کڑھتا سا تھا۔

"اچھا فرض کرو، تمہاری منگنی ٹوٹ جاتی ہے، تو تم..."

"اللہ نہ کرے جی۔" وہ تڑپ کر بولی۔ "اسی لیے تو آپ کے پاس آئی ہوں کہ آپ کوئی سبیل نکالیں آپ تو تھانے دار ہیں جی، آپ تو سارے پنڈ کے لوگوں کے مسئلے حل کرتے ہیں۔"

کچی عقل اور کچی عمر کی وہ چھوٹی سی لڑکی... وہ بے اختیار مسکرایا۔

"بھئی، اگر بدر سے منگنی ٹوٹ جائے گی تو کسی اور سے ہو جائے گی، ایسا بڑا مسئلہ تو نہیں ہے نا یہ۔"

"اللہ نہ کرے۔" وہ برا مان کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ تو..."

اسی پل اے ایس آئی دستک دے کر اندر داخل ہوا، زہرہ نے چہرہ چھپا لیا۔

"کیا بات ہے؟" نادر شاہ نے اکتا کر پوچھا۔

اور زہرہ کے قدموں تلے زمین نکل گئی، خود نادر شاہ بھی پریشان سا اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا کہتا ہے؟"

"آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"اچھا دوسرے کمرے میں بٹھاؤ، میں آتا ہوں۔" اے ایس آئی کو رخصت کر کے اس نے زہرہ کو دیکھا جس کی رنگت سفید پڑ گئی تھی۔

"اسے پتا چل گیا کہ... خدایا! اب کیا ہوگا۔"

"تسلی رکھو لڑکی! وہ دن میں دس دفعہ میرے پاس آتا ہے۔ تم یہاں بیٹھو، میں ذرا اسے اندر کمرے میں بٹھاتا ہوں، پھر تمہیں بتادوں گا، تم پچھلے دروازے سے نکل جانا۔"

"وہ دن میں دس دفعہ آپ کے پاس کیوں آتا ہے؟"

وہ دروازے کی طرف بڑھا تو زہرہ کی حیران آواز نے اس کے قدم زنجیر کر دیے۔

"وہ میرا... دوست" کہتے کہتے وہ رک گیا، اس کے دل نے اسے روک دیا تھا، دوستی تو بہت خالص رشتہ تھا، جانے اب رہا بھی تھا یا نہیں کہ اب تو ان کے درمیان ایک عورت آگئی تھی۔

"میں آتا ہوں۔" وہ چلا گیا اور زہرہ اس کے

ادھورے جملوں پہ غور کرتی رہ گئی پھر چند لمحے گزرے اور اے ایس آئی نے آکر اسے بتایا کہ وہ جا سکتی ہے تو وہ اچھی طرح چادر لپیٹے باہر چلی گئی۔ صد شکر کہ بدر نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ بدر اسے تھکا تھکا سا لگا تھا' جیسے قدرے پریشان ہو۔

نادر شاہ نے اس سے نہیں پوچھا کہ اس کو کیا پریشانی ہے' اس کا دل اس کی پریشانی حل کرنے کو ہی نہیں چاہا تھا۔ تلخیاں تو اسی روز ان کے تعلق میں گھل گئی تھیں جب بدر نے میم صاب کو جانے دیا تھا' حالانکہ یہ ان کا اصول تھا کہ مقصد پہ ذاتی شناسائی کو ترجیح نہیں دی جائے گی' لیکن بدر نے عہد شکنی کی تھی۔ اب تو خیر سارے معاملے ہی مختلف ہو گئے تھے۔

"چوہدری منگل سنگھ قتل کیس کا کیا بنا نادر؟" چند رسمی جملوں کے بعد وہ پوچھنے لگا۔ پژمردگی اور تھکان اس کے چہرے سے عیاں تھی' نادر کو لگا وہ ذہنی طور پہ تھکا ہوا ہے' اور شاید بیمار بھی ہے۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں' اور خوبرو چہرہ قدرے کمزور دکھ رہا تھا۔

"قاتل پکڑا گیا۔ شوبھا سنگھ تھا' جس سے اس کا درخت پہ جھگڑا ہوا تھا۔"

"ہاں سنا تو تھا۔" وہ کہہ کر چپ ہو گیا۔

"کوئی مسئلہ ہے اس سے متعلق؟" نادر کا لہجہ محتاط سا تھا اور لیا دیا بھی۔

"نہیں۔" بدر نے سر جھکائے نفی میں سر ہلایا۔ "بھوت کا کیا قصہ تھا؟"

"تمہارے خیال میں یہ کون ہو سکتا ہے؟"

"اب اتنا وقت کہاں ہے اپنے پاس کہ گاؤں والوں کی ہوائیوں پہ ضائع کروں۔" نادر شاہ کا لہجہ روکھا سا ہو گیا مگر وہ اپنے خیال میں اتنا گم تھا کہ دھیان نہیں دیا۔

"معلوم نہیں کون ہے؟" وہ دھیمے سے بڑبڑایا۔

"تم تو نہیں ہو؟" نادر شاہ نے کہا۔

اس نے بے یقینی سے نادر کو دیکھا۔ "تمہیں لگتا ہے میں ایسا کام کر سکتا ہوں؟"

"ایسا کوئی غلط کام تو بھوت نے ابھی تک نہیں کیا۔ قبریں کھود کر زیادہ سے زیادہ لاشیں ہی نکال لے جائے گا' یا ہڈیاں اب یہ اتنا بڑا جرم تو نہیں ہے۔"

"اور میں ہڈیاں کیوں لے کر جاؤں گا؟" وہ سمجھا تھا نادر مذاق کر رہا ہے۔

"وہ جو جوگی ہے نا' جو سندھ کے اس پار رہتا ہے' سنا ہے ہڈیوں پہ عمل کر کے دیتا ہے' میں سمجھا شاید تم عمل لینے میم صاب کے ساتھ اس کے پاس گئے تھے۔" نادر کا لہجہ بظاہر مذاق کرنے والا تھا مگر اندر طنز اتنا واضح تھا کہ بدر کو اچھا نہ لگا۔

"اچھا مجھے تو نہیں معلوم۔" اس کا لہجہ خشک ہو گیا۔

"باقی تو پورے پنڈ کو معلوم ہے۔ خیر اب یہ بھی جانے سچ ہے کہ نہیں' سنا ہے تم شادی کر رہے ہو۔"

"کس سے؟" بدر کا لہجہ محتاط ہو گیا۔

"تم شاید اپنے خاندان میں کہیں منسوب ہو۔"

"ہاں' ہوں۔"

"تو شادی وہیں خاندان میں کرو گے؟"

اب کے بدر کو واضح برا لگا۔ وہ شادی جس سے بھی کرے یہ اس کا ذاتی معاملہ تھا' اور بیلی کے ہر غیرت مند مرد کی طرح اسے تھانے کچہری میں اپنا ذاتی معاملہ اچھالنا گوارا نہیں تھا۔

"ظاہر ہے خاندان میں ہی کروں گا۔" وہ مایا سے اپنی جذباتی وابستگی کا اظہار کر کے اسے خود پہ مزید کوئی طنز کرنے کا موقع نہیں دے سکتا تھا۔

"اچھا۔" نادر کے دل کو دھکا سا لگا۔ "گاؤں والے تو کہتے ہیں تم میم صاب کے چکر میں ہو' مجھے تو خیر تب بھی یقین نہیں آیا تھا۔"

نادر کا لہجہ اتنا کڑوا تھا کہ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"گاؤں والے تو یہ بھی کہتے ہیں کہ آج کل داروغہ جی کے ٹھاکروں کی دعوتوں پہ بہت چکر لگ رہے ہیں' لیکن مجھے بھی تب یقین نہیں آیا تھا' چلتا ہوں۔ رب راکھا۔"

پھر ایک لفظ کہے بغیر' یہاں تک کہ مصافحہ بھی کیے بغیر وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

نادر نے زور سے میز کو ٹھوکر ماری۔
"ڈاکو کی اولاد نہ ہو تو۔"
اسے بھول گیا تھا کہ بدر کو ڈاکو اسی نے تو بنایا تھا۔

☼ ☼ ☼

زہرہ نے برآمدے سے دیکھا تھا' وہ پائیں باغ میں جھولے کے ساتھ کھڑا اپنے کتے کے سر پہ ہاتھ پھیر رہا تھا' اور وہ گوری لمبی سی سنہرے بالوں والی لڑکی ساتھ کھڑی ہنس رہی تھی۔ وہ کتے کے بالوں پہ ہاتھ پھیرتے کچھ بتا رہا تھا اور وہ ہنستی جا رہی تھی۔

وہ تھکے تھکے قدموں سے چلتی رسوئی میں آئی۔ پیڑھی کھینچی اور بیٹھ گئی' کھلے دروازے سے پائیں باغ کا منظر اب بھی واضح تھا۔

چاچی روٹی کے لیے توا رکھ رہی تھی' خادماؤں کے ہوتے ہوئے بھی روٹی وہ خود ہی ڈالتی تھی' کہتی تھی بدر اس کے علاوہ کسی کی روٹی نہیں کھا سکتا' اور زہرہ نے سوچا' میم کو تو روٹی ڈالنی بھی نہیں آتی ہوگی' پھر وہ اس کے ساتھ کیسے زندگی بسر کرے گا؟

شاید وہ دونوں کا ساتھ تسلیم کر چکی تھی۔

"جی بھر کے دیکھ لے ان کو زہرہ!" چاچی لکڑیوں کو پھونکیں مار کر سلگا رہی تھی' دھواں نکل نکل کر اس کے اوپر آ رہا تھا۔ "یہ منظر بس چند روزہ ہے' تو اپنی چاچی کی بات لکھ کے رکھ لے' یہ میم یہاں ٹکنے والی نہیں ہے۔"

زہرہ یک ٹک کھڑکی سے نظر آتے منظر کو دیکھ رہی تھی۔ اب مایا جھک کر کتے کے سر پہ ہاتھ پھیر رہی تھی' مگر کتا ایک دم غرایا تو وہ دو قدم پیچھے ہٹی۔ بدر نے کتے کو زنجیر سے کھینچ کر پیچھے کر لیا۔ زہرہ کے لبوں پہ اداس مسکان آگئی۔

"تو جانتی ہے چاچی' شیرو اجنبی لوگوں سے بہت دیر میں گھلتا ملتا ہے' خونخوار ایسا ہے کہ جان ہی لے ڈالے' مگر مجھ سے ایسے پیار کرتا ہے جیسے میں بدر کا بر تو ہوں' بس ایک دفعہ بدر نے اسے بتایا تھا کہ یہ میری تمم زاد ہے' اس کو دکھ نہیں دینا' وہ دن اور آج کا دن' شیرو مجھ نہیں غرایا۔ چاچی! میں سوچتی ہوں' بدر نے یہ بات تہمیم صاحب کے لیے کیوں نہیں بتائی؟"

"اتنا نہ سوچا کر۔ زہرہ! بیمار پڑ جائے گی۔" وہ روٹی کو ہاتھ پہ پھیلا رہی تھی۔ "تمہیں ہونے والی بدر کو کسی اور کا؟"

"وہ تو ہو چکا کسی اور کا چاچی!" وہ دکھ سے ان دونوں کو دیکھے گئی "اب میرے پاس واپس آجائے تب بھی میرا ہو کر نہیں رہے گا۔ میں نے تجھے کہا تھا نا' تیری زہرہ بھلے زیادہ حسین ہو' لیکن یہ عورت تو ساحرہ ہے اور مجھے سحر کرنا کہاں آتا ہے۔"

"تو غم نہ کر' یہ چند دنوں کی مہمان ہے پھر چلی جائے گی۔" لکڑیاں آگ پکڑنے لگیں تو چاچی نے ہاتھ پہ پھیلائی روٹی گرم توے پہ ڈال دی۔

"اور پھر صدیوں وہ اسی کا اسیر رہے گا۔" اس نے دل میں کہا۔ پھر رخ موڑ کر چاچی کو دیکھا' وہ اب توے سے اترتی روٹی کو کپڑے سے دبا رہی تھی۔

"کسی کو جیتا کیسے جاتا ہے؟"

"اپنا دل ہار کر۔"

"اور دل کیسے ہارا جاتا ہے؟"

"اپنی ذات کو مٹی میں ملا کر۔"

"اور اگر تب بھی وہ نہ ملے جس کی تمنا کی ہو تو....؟"

"تو صبر کر لیا جاتا ہے میری دھی! اللہ کسی کی ریاضت کو رائیگاں نہیں کرتا۔" روٹی جگہ جگہ سے سنہری ہونے لگی تو چاچی نے اسے اتار دیا۔

زہرہ گردن موڑ کر پھر سے دونوں کو دیکھنے لگی۔ بدر کتے کو پیچھے لے کر جا رہا تھا' کیونکہ مایا دور کھڑی تھی۔ شاید شیرو اس کو دیکھ کر بہت زیادہ بھونکنے اور غرانے لگا تھا۔

زہرہ کو یاد آیا' شیرو اسے دیکھ کر کبھی نہیں غرایا تھا۔ شیرو کو زہرہ کی عادت تھی' جانے کیسے بدر اپنے ارد گرد کے لوگوں کو مایا کی عادت ڈالے گا۔

☼ ☼ ☼

نادر شاہ نے بیلی کی ایک کٹنی کو بلا بھیجا تھا۔

نام تو جانے کیا تھا، اب تو لوگ اسے چھمن ہی کہتے تھے۔ رشتوں کے پیغام اِدھر اُدھر لے کر جاتی تھی، لڑکے لڑکیوں کے درمیان خطوں کے تبادلے کراتی، جہاں کسی نے کسی سے ملنا ہوتا وہاں پہرہ دیتی۔ تحفے تحائف اِدھر اُدھر لاتے۔ ہر گھر کی فکر، ہر معاشقے کی خبر ہوتی تھی۔

چھمن فوراً ہی حاضر ہوئی تھی۔

"حکم حضور! آج بڑے دنوں بعد ہماری یاد آئی۔"

وہ ہاتھ جوڑے بولی تو نادر شاہ نے گویا ناک سے مکھی اڑائی۔

"فضول باتیں چھوڑو، تم سے ایک خاص کام ہے۔"

"حکم کیجیے حضور!"

"تو بتاؤ۔" وہ کچھ سوچتا ہوا کرسی پر آگے کو ہوا۔ "یہ ملکوں کی دھی زہرہ کیسی لڑکی ہے؟"

چھمن نے آنکھیں گھمائیں۔ "پورے گاؤں میں اس سے سندر لڑکی کوئی نہیں ہے، ایسی موہنی صورت، سلیقہ شعار اور سب سے بڑھ کر پاکیزہ اور باکردار۔"

"ہوں۔ کسی کے ساتھ کوئی چکر وکر؟"

"نہ جی نہ، وہ بڑی پکی لڑکی ہے۔" چھمن رازداری سے بتانے لگی۔ "ایک دفعہ میں نے کوشش کی تھی۔ شمس الدین کے بیٹے کا خط لے کر گئی تھی۔" اس نے ایک زمین دار کا نام لیا۔ "مگر نہ جی، ایسی پکی اور کھری لڑکی ہے، نہ صرف خط میرے منہ پہ دے مارا بلکہ درانتی اٹھا لائی اور بولی، تیرا گلا کاٹ کر اپنے کتے کو کھلا دوں گی، اگر پھر کبھی اِدھر آئی تو۔ شمس الدین کے الو کے پٹھے بیٹے کو بتا دینا کہ بدر عازان کی منگ کی طرف ٹیڑھی آنکھ بھی کی نا تو اچھا نہیں ہو گا۔ میں تو بس برقع اٹھا کر بھاگ ہی پڑی۔"

"تو شمس الدین کے بیٹے نے کیا کہا؟"

"اجی ملک بدر سے تو سب ڈرتے ہیں، رعب دبدبہ بھی تو کم نہیں ہے۔ وہ تو توبہ کرنے لگا جب اسے علم ہوا کہ وہ بدر کی منگ ہے ورنہ گاؤں والے تو اس بات سے عموماً لاعلم ہی تھے نا جی۔"

ایک کمّی کے منہ سے بدر کی ستائش نے نادر شاہ کے اندر کڑواہٹ گھول دی۔

"کب ہوا تھا ان کا رشتہ؟" وہ ناگواری چھپائے پوچھنے لگا۔

"بچپن کی بات ہے جی، اب تو سب کو علم ہو چکا ہے۔"

"زہرہ کے ماں، باپ؟"

"نور پور میں رہتے تھے، دریا کے کنارے پہ گھر تھا۔ وہاں سیلاب آیا تو سب بہہ گئے، بس یہ بچ گئی، سو بدر کا ابا اسے گھر لے آیا۔ تب سے اس کو بیٹی بنا کر رکھا ہے۔"

"اچھا، ایک اور بات بتاؤ۔" وہ بظاہر سرسری انداز میں استفسار کرنے لگا۔ "یہ میم صاب کیسی عورت ہے؟"

چھمن نے برا سا منہ بنایا۔ "وہ تو پھیکی میم ہے جی۔ عجیب مزاج عورت ہے۔ راجپوتوں کے ایک لڑکے نے جو ٹھاکروں کا دور پار کا رشتہ دار ہے، اس کے لیے پیغام بھیجا۔ (ساتھ میں سونے کا ہار بھی تھا) تب کی بات ہے جب ٹھاکر شیکھر زندہ تھا۔ میں نے پیغام لا دیا۔ وہ کتاب پڑھ رہی تھی۔ اس نے کھول کر پڑھا، اچھا کہہ کر رکھ دیا اور سونے کا ہار نوکرانی کی گود میں ڈال دیا۔ اور پھر سے کتاب پڑھنے لگی۔ میں نے جواب کا پوچھا تو بولی، کل آنا۔ میں اگلے روز گئی اور جواب پوچھا تو مجھے اندر ٹھاکر شیکھر کے پاس لے گئی اور رقعہ اس کے سامنے رکھ کر اپنی معصومیت سے بولی۔ "یہ عورت کل لائی تھی، پڑھ کر بتا دیں، میری تو سمجھ میں نہیں آیا۔" حالانکہ رقعہ انگریزی میں تھا، اور پھر نہ پوچھو ٹھاکر نے میرا کیا حال کیا۔"

"یہ بتاؤ۔" نادر تفصیل سے اکتا کر بولا۔ "اس کا بدر کے ساتھ کیا چکر چل رہا ہے؟"

"ارے جی!" چھمن کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ "چکر ہی تو چل رہا ہے۔ صبح شام ساتھ ساتھ پھر رہے ہوتے ہیں، دیکھ لیجیے گا۔ یہ فرنگی میم اسے کہیں کا نہیں چھوڑے گی۔"

"تمہیں لگتا ہے اب بدر زہرہ سے شادی کرلے گا؟" اس نے وہ بات پوچھی جس کے لیے اس نے کمی کو بلوایا تھا۔

"ہاں جی۔ ضرور کرلے گا۔"

"مگر وہ تو میم صاب سے..." نادر شاہ کو جھٹکا لگا۔

"ارے یہ میمیں کہاں ٹکنے والیاں ہوتی ہیں، آج نہیں تو کل یہ یہاں سے چلی جائے گی، ابھی بھی تو فرنگی دفع ہوں گے نا! اور شادی تو آخر میں بدر زہرہ سے ہی کرے گا۔"

"وجہ؟" اس کا لہجہ سرد ہو گیا تھا۔

"شاہ صاب! ان کے ہاں شادیاں خاندان میں ہوتی ہیں اور زہرہ کے جوڑ کا اور کوئی اس کے خاندان میں نہیں ہے۔ دوسرے بدر ماں کی بہت مانتا ہے، وہ ماں کو دکھ نہیں دے گا، شادی زہرہ سے ہی کرے گا، نہ کی تو زہرہ کہاں جائے گی؟ وہ خاندان سے باہر شادی نہیں کرتے۔"

"کون؟ کون نہیں کرتے؟ زہرہ کی تو ماں پیو ہی نہیں ہے اور ملکانی ٹھہری عورت ذات۔ کون فیصلہ کرے گا کہ بدر سے نہ ہوئی تو زہرہ کی شادی کس سے کرنی ہے؟"

"بدر خود فیصلہ کرے گا، اس کا باپ تو کئی برس ہوئے خاندانی جھگڑے میں قتل ہو گیا تھا نا! اب ہی تو وہ ولایت سے تعلیم ادھوری چھوڑ کر آ گیا تھا، اب وہی تو ہے اپنے خاندان کا بڑا اور بدر کے ہوتے ہوئے زہرہ کی شادی کیسے کسی اور سے ہو سکتی ہے؟"

"اور اگر بدر نہ رہے تو؟" لاشعور میں تیرتے اس خیال نے شعور پہ دستک دی تو الفاظ پھسل پڑے، چھمن نے آنکھیں سکوڑیں تو وہ سنبھل گیا۔

"اگر بدر بیچ میں نہ رہے اور میم سے شادی کر لی، تب؟"

"ایسا نہیں ہو گا حضور، لکھ لی جیو۔"

"اچھا! ایک کام کرنا ہے تمہیں۔"

اور پھر چھمن کے جانے کے بعد اس کے ذہن میں اس ایک فقرے کی تکرار گونجتی رہی۔

اگر بدر نہ رہے۔

اگر وہ بیچ میں سے نکل جائے۔

☼ ☼ ☼

بی چھمن اپنا برقع سنبھالتی، خادمہ کے پیچھے اندر برآمدے میں داخل ہوئی تو ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کر دیکھا کہ کیا منظر ہے اور منظر میں موجود ہر شخص اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

چارپائی پہ بیٹھی سبزی کاٹتی چاچی نے چھری رکھ دی تھی۔

کسی زمین کے کاغذوں سے کچھ پڑھتا بدر صفحے پلٹتے پلٹتے رک گیا تھا۔

برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے چڑیوں کو باجرہ ڈالتی زہرہ نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"سلام ملکانی، کیسی ہو؟ ٹھیک تو ہو؟" وہ پان چباتی، برقع پکڑے اندر داخل ہوئی تو بدر نے ایک ناگوار نگاہ اس پہ ڈال کر ماں کو دیکھا، چاچی نے حیرت سے شانے اچکائے کہ وہ لاعلم تھی۔

"ہاں چھمن، کہو کیسے آنا ہوا؟" چاچی کا لہجہ محتاط اور روکھا سا تھا۔ چھمن جیسی بدکردار اور بدنام عورت کا ان کی حویلی میں اچھا سواگت ناممکن بات تھی۔

"ارے بیٹھنے کو نہیں کہو گی؟ سلام چھوٹے ملک۔" چارپائی پہ بے تکلفی سے بیٹھتے نگاہ بدر پہ پڑی تو جھٹ سلام جھاڑ دیا۔ اچھا ہی ہوا کہ وہ ادھر ہی تھا، داروغہ جی نے یہ ہی تو تاکید کی تھی کہ ساری بات چیت اس کے سامنے ہونی چاہیے۔

اس کے باپ کو مرے عرصہ ہو گیا تھا، لیکن گاؤں والے اسے آج بھی چھوٹا ملک ہی کہتے تھے۔

"کیا کام ہے؟" ماں کے بولنے سے قبل وہ بول پڑا۔

"بہت گرمی پڑ رہی تھی آج، آتے میں تو گھڑی بھر میں پسینہ پسینہ ہو گئی ہوں۔" وہ برقع ایک طرف رکھتی، آنچل درست کرتی تمہید کی غرض سے یوں بولی جیسے برسوں سے میل ملاقات ہو۔

وہ جیسے ضبط کر کے رہ گیا۔ کاغذات ایک طرف

کھسکا دیے۔

زہرہ قدرے پریشان سی ہو گئی تھی، عرصہ پہلے چھمن اس کے لیے کوئی رقعہ لائی تھی، جانے اب کیوں آئی تھی، کہیں چاچی اور بدر اسے ہی قصوروار نہ سمجھیں؟ اللہ عزت رکھنا۔

"کوئی کام تھا؟" چاچی جیسے اکتا گئی تھی۔ چھمن خوامخواہ دیر کیے جا رہی تھی، کبھی برقع ادھر ادھر کرتی تو کبھی پسینہ پونچھتی۔

"آں ہاں، بڑا خاص کام تھا، اے ذرا پانی تو پلاؤ، قسم سے بڑی گرمی ہے۔"

"جو بات کرنی ہے، جلدی کرو اور اپنا راستہ پکڑو۔" بدر بات کاٹ کر سختی سے بولا تو چھمن گڑبڑا گئی۔

"آں ہاں وہی، وہ اپنا...." پھر ٹھہر کر جیسے الفاظ مجتمع کیے۔ "ساتھ والے گاؤں کے رئیس ہیں، انہوں نے رشتہ بھجوایا ہے۔"

"کس کا رشتہ؟" چاچی نے حیرت سے چھری رکھی۔

"اپنی.... اپنی زہرہ کا۔" چاچی کے چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھ کر اس کی زبان لڑکھڑا گئی۔ باجرے کے دانے اس کے ہاتھ سے گر رہے تھے۔

چاچی کے تو مانو سر سے لگی تلووں پہ بجھی۔

"ہاں ان کی ہمت کیسے ہوئی رشتے کی بات ڈالنے کی؟ جانتی نہیں ہے تو۔ بتایا نہیں تھا ان کو کہ چڑھی نہ ماریں؟ زہرہ تو بدر کی منگ ہے۔"

"ہاں بتایا تو تھا انہیں۔"

"لیکن کیا؟" بدر [illegible] ہوئے لہجے میں بولا۔

"لیکن وہ دراصل...." حالات ناموافق دکھائی دینے لگے تو وہ برقع دبوچ کر یوں چوکنی ہو بیٹھی کہ اگر جو ملکانی نے چھری کھینچ کر ماری تو بھاگ اٹھے گی۔ "دراصل گاؤں والے کہتے ہیں کہ چھوٹا ملک تو اب شاید میم صاب سے، اس لیے انہوں نے رشتہ بھجوا۔"

اور بدر کی برداشت جواب دے گئی۔ میز کو ٹھوکر مارتا وہ کھڑا ہوا۔ "اٹھو!"

چھمن نے پریشان سی ہو کر بدر کو دیکھا۔

"چھوٹے ملک گل تو سن لو، بڑا اچھا رشتہ۔"

"میں نے کہا ہے اٹھو۔"

وہ اتنی زور سے دھاڑا کہ چھمن برقع پکڑے کھڑی ہو گئی، اسے علم ہوتا کہ ایسی بے عزتی ہو گی تو نادر شاہ کے پانچ روپے لیتی، نہ ادھر آتی۔

"آئندہ اس حویلی کا رخ کرنے سے پہلے سو دفعہ سوچنا۔ اور اگر تم پھر کبھی زہرہ کے لیے اپنے جیسے بدکردار لوگوں کا رشتہ لائیں تو میں تمہاری بوٹیاں کرا کے اپنے کتوں کے آگے پھینک دوں گا۔ دفع ہو جاؤ ادھر سے۔"

وہ دروازے کی چوکھٹ سے جا لگی۔ "مگر ملک صیب جواب کیا دوں ان لوگوں کو۔"

"ان سے کہو، ہمارے اوپر ابھی اتنا برا وقت نہیں آیا کہ تم جیسے بدنام لوگوں سے رشتہ جوڑ بیٹھیں جا دفع ہو جا۔"

اور وہ "اچھا جی" کہہ کر کانوں کو ہاتھ لگاتی بھاگ کھڑی ہوئی۔

وہ غصے سے کھولتا اسے جاتے دیکھتا رہا۔

زہرہ کی نگاہیں اسی پہ جمی تھیں۔ اس نے انکار تو کر دیا تھا لیکن اس باعث کہ رشتہ ایک کٹنی کے توسط سے آیا تھا اور بات لاج کی تھی، خدا معلوم اپنے جیسوں کا رشتہ ہی لائی ہو گی، بدر نے تو پوچھنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا کہ کس کا رشتہ تھا، لیکن اس نے ایک دفعہ بھی یہ نہیں کہا تھا کہ وہ اس کی منگیتر ہے۔

زہرہ کے اندر کچھ زور سے ٹوٹا تھا، تو وہ بالآخر اس رشتے کو بھلا چکا تھا۔

وہ خاموشی سے سر جھکائے اندر چلی گئی۔ چاچی نے افسردگی سے اسے دیکھا۔

"اب تو گاؤں کے لوگ بھی کہنے لگے ہیں کہ تو میم صاب...."

"بھاڑ میں گئے لوگ۔ آئندہ اس عورت کو اندر داخل ہونے دیا تو اچھا نہیں ہو گا۔ شریفوں کا گھر ہے یہ۔ رہ گئی زہرہ، تو بھلے میری اس کی شادی ہو یا نہ ہو۔ اتنا خود غرض نہیں ہوں کہ کسی بوجھ کی طرح اسے سر

سے اتار دوں؟ ایسے لوگوں کا رشتہ قبول کرلوں۔"
کھولتا بڑبڑاتا وہ باہر نکل گیا۔ چاچی تاسف سے سر جھکائے سبزی کاٹنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"وہ کہتا ہے اتنا برا ویلا نہیں آیا ہم پہ کہ بدنام' بدکردار لوگوں میں رشتہ کر بیٹھیں' زمانہ تھو تھو کرے گا ہم پہ' بے عزت کرکے نکال دیا جی۔ توبہ توبہ۔"
چھمن' نادر شاہ کے دفتر میں کرسی پہ آلتی پالتی مارے بیٹھی' پان چباتے ہوئے عادت سے مجبور بڑھا چڑھا کر بتا رہی تھی۔
"تو نے بتایا کہ کس کا رشتہ ہے؟"
"ارے نہیں جی' انہوں نے موقع ہی نہیں دیا۔"
"ٹھیک ہے' رشتے کا تو معاملہ تھا ہی نہیں' اصل بات تو ملک بدر کا میم صاب کے نام پہ بھڑکنا سننا تھا' تو نے اچھا کام کیا۔"
اور اس کے جانے کے بعد ساری باتیں نادر شاہ کے ذہن میں پھر سے گونجنے لگیں۔
"بدکردار' بدنام لوگ۔"
وہ ایک فیصلہ کرکے کھڑا ہوا۔ "اب یہ تو وقت بتائے گا ملک بدر غازان کہ بدنام کون ہوتا ہے اور زمانہ کس پہ تھوکتا ہے۔"
پھر باہر آکر ایک اہلکار کو بلایا۔ "چھوٹے ملک کی زمینوں پہ جاؤ' کمدار کو ڈھونڈو اور اس سے کہو کہ چھوٹے ملک کو بولے' نادر شاہ رات کو نہر پہ تمہارا انتظار کرے گا۔ جلدی آجانا' ضروری کام ہے' خود یہ پیغام اسے نہ دینا' کمدار کے ہاتھ یا اس کے کسی دوسرے ملازم مزارع کے ہاتھ کہلوانا' سمجھ گئے؟"
اس کا ذہن ایک نئی سوچ کے تانے بانے بُن رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

جس وقت اسے پیغام ملا' وہ کام سے گاؤں سے باہر جا رہا تھا' سن کر سوچا کیا کام ہو سکتا ہے نادر شاہ کو جو اسے یوں بلوایا ہے؟ اسے آخری ملاقات میں نادر شاہ کا بدلا لب ولہجہ یاد تھا' لیکن پھر یہ سوچ کر نظرانداز کر گیا کہ شاید اسے اپنی غلطی کا احساس ہو' وہ شرمندہ ہو اور تعلقات میں آئی سرد مہری ختم کرنا چاہتا ہو۔ ٹھیک ہے' چلا جاؤں گا۔
گاؤں کی حدود ختم ہوتے ہی گھنا جنگل تھا جس کے بیچ سے سڑک گزرتی تھی۔ وہ جنگل بھی بیلے کا ہی تھا۔ اس سڑک پہ قدرے آگے اس نے کئی روز گزرے مایا کی بگھی کو روکا تھا۔ گھوڑا سرپٹ دوڑاتے اسے وہ واقعہ یاد آگیا تو لبوں پہ آپ ہی مسکراہٹ بکھر گئی۔
وہ انجان فرنگی لڑکی اب اس کے دل و جان کا حصہ بنتی جا رہی تھی' اسے یاد آیا' دو روز گزر گئے وہ اس سے نہیں ملا۔ اس نے وجہ یاد کرنے کی سعی کی تو مایا کی آواز سماعت میں گونجنے لگی۔ وہ سر جھٹک کر رہ گیا' گھوڑا آہستہ کر دیا۔ اتنا اسے سوچنے لگا تھا کہ اس کی آواز جنگل میں بھی سنائی دیتی تھی اور...
یک دم اس نے گھوڑا روک دیا۔ وہ وہم نہیں تھا' اسے حقیقتاً" مایا کی آواز جنگل کے درختوں سے ٹکراتی سنائی دے رہی تھی۔
زور' زور سے ماری گئی تین چیخیں۔
وہ چلا رہی تھی۔ وہ جست لگا کر گھوڑے سے اترا اور آواز کی سمت کا اندازہ کرکے اس طرف دوڑا۔
سڑک کے قریب ہی چند درختوں کے درمیان اسے وہ نظر آئی۔
وہ شاخیں ہٹاتا' پتوں پہ پاؤں رکھتا اس کی طرف لپکا اور سامنے کا منظر دیکھ کر اس کا خون کھول اٹھا۔
وہ درخت سے لگی تھی' اور ایک آدمی اس پہ جھکا تھا' مایا کی گردن اس کے ہاتھ میں تھی' اور وہ انگریزی میں مغلظات بکے جا رہا تھا۔
"چھوڑو مجھے..... میں پولیس کو بتا دوں گی کہ تم ..."
"ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو تمہیں زندہ زمین میں گاڑ دوں گا۔"
اس کی گردن دبوچے ہوئے ایک جھٹکا دیا تو وہ زور سے چیخی' پھر نگاہ اس شخص کے کندھے پر سے ہوتی ہوئی پیچھے کھڑے بدر پہ پڑی۔

"بدر! مجھے بچاؤ۔" وہ چلائی تو گھبرا کر اس آدمی نے اس کی گردن چھوڑی اور پلٹ کر دیکھا۔

وہ جان کارلس تھا۔

وہ دونوں ہاتھوں سے اسے دھکیلتی بھاگ کر بدر کے پیچھے آکھڑی ہوئی اور جیسے خوف زدہ ہو کر سختی سے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"ڈی سی بہادر! میری بات کان کھول کر سنو۔" وہ اپنے غصے پہ قابو پاتا انگلی اٹھا کر بولا۔ "اگر آئندہ تم نے اس عورت کی طرف نظر بھی ڈالی تو تمہاری سرکار کو تمہاری لاش بھی نہیں ملے گی۔ چلو۔" مایا کو کہنی سے پکڑے، جان کارلس کے فق چہرے پہ ایک قہر آلود نگاہ ڈالتا، اسے جنگل سے نکال لایا، گھوڑے پہ اپنے پیچھے بٹھایا، اور ایڑ لگا دی۔

گھوڑا اتنا تیز دوڑ رہا تھا کہ اس نے بدر کے شانے اور کمر کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ وہ بالکل خاموش گھوڑا دوڑا رہا تھا، راستہ وہی تھا جو گاؤں سے باہر جاتا تھا۔ وہ واپس گاؤں نہیں جا رہے تھے، مگر اس نے ایک دفعہ بھی نہ پوچھا کہ اسے کدھر لے کر جا رہا ہے، بس وہ بے آواز رو رہی تھی، اور جب اس کی سسکیاں ہچکیوں میں بدلنے لگیں تو اس نے گھوڑا روک دیا اور نیچے اتر آیا۔

"ادھر، نیچے آجاؤ۔" وہ اکیلی گھوڑے کی پیٹھ پہ بیٹھی رو رہی تھی، بدر کو اس پہ ترس آیا۔ اس نے پہلی دفعہ اسے روتے دیکھا تھا۔ اور اس کا دل دکھا تھا۔

"مایا! نیچے اترو۔" نرمی سے کہہ کر اس نے ہاتھ بڑھایا، وہ اسی طرح سسکیوں سے روتی بدر کا ہاتھ تھام کر شانے کا سہارا لیے سڑک پہ نیچے اتر آئی۔ دونوں اطراف میں گھنا جنگل تھا۔

"ادھر آجاؤ۔" بدر نے ایک ہاتھ سے لگام تھامی، دوسرے سے اس کا کندھا اور اندر درختوں کے بیچ لے آیا۔

اونچے درختوں کے درمیان ایک قطعہ خالی تھا، سوکھے پتے ادھر گرے تھے، شاید کوئی درخت طوفان سے ڈھے گیا تھا، جسے بعد میں محکمے والے اٹھا کر لے گئے تھے اس کا ایک فٹ تنا کٹا پڑا تھا۔

اس نے لگام چھوڑ دی، گھوڑا اِدھر اُدھر گردن جھکائے گھاس میں منہ مارنے لگا۔ وہ مایا کو تسلی دیتا شانوں سے تھامے کٹے تنے تک لایا اور بٹھا دیا۔

"آرام سے بیٹھو اور مجھے ساری بات بتاؤ۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپائے روتی بلکتی ہوئی تنے پہ بیٹھی تھی، اور وہ پنجوں کے بل اس کے سامنے اس کے ہاتھ تھامے بیٹھا تھا۔

"مایا! خدارا! مجھے بتاؤ کیا ہوا تھا، تم ادھر کیوں گئی تھیں؟ ڈی سی ادھر کیوں؟"

اس کی بات ختم ہونے سے پہلے اس نے گیلا چہرہ اٹھایا۔

"بدر! شیکھر کو جان کارلس نے قتل کیا ہے۔"

"کیا کہہ رہی ہو؟" وہ ہکا بکا رہ گیا۔

"مجھے کھوجی اس روز ایک کھرا دکھانے لے گیا تھا۔ جو اس شخص کا تھا جو شیکھر سے کچے راستے پہ آخری دفعہ ملا تھا۔ میں نے وہ کھرا دیکھا اور جب اس کھرے کو چھوڑتے قدم دیکھ کر سر اٹھایا تو جان کارلس جا رہا تھا۔ میں نے کسی سے ذکر نہیں کیا، بس خاموشی اختیار کر لی، مجھے لگا کھوجی کو غلط فہمی ہوئی ہے، لیکن اس رات جان کارلس کو قبرستان میں دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ اس کا یقیناً اس معاملے میں ہاتھ ہے، وہی شیکھر کے قتل میں سب سے زیادہ دلچسپی لے رہا تھا، وہی ہے جو شیکھر سے آخری دفعہ ملا تھا۔ میں اس روز تو خاموش رہ گئی، مگر آج جب وہ مجھے راستے میں ملا تو میں نے کھرے کا ذکر کر دیا۔ وہ مجھے ایک ضروری بات بتانے کے لیے ادھر لے آیا اور پھر..." وہ پھر سے رونے لگی۔

"اس نے اقرار کیا اس نے شیکھر کو مارا ہے؟"

"نہیں۔" وہ سسکیوں کے درمیان بمشکل بول رہی تھی۔ "میں نے کہا اس نے قتل کیا ہے تو وہ بجائے انکاری ہونے کے مجھے مارنے کی دھمکیاں دینے لگا، میری گردن دبوچ لی، میں چلانے لگی تو تم آگئے، بدر، بدر اس درندے نے شیکھر کو مار ڈالا ہے شیکھر نے اس کا کیا بگاڑا تھا؟ وہ تو بہت مہربان تھا بہت

اچھا، بہت مخلص انسان تھا وہ' اس کو کیوں؟" وہ بچوں کی طرح بلک رہی تھی اور بدر کے لیے اس کو چپ کرانا مشکل ہو رہا تھا۔

"مایا! یہ بات کافی پیچیدہ ہے' جان کارلس کو ادھر آئے دو روز ہی گزرے تھے جب شیکھر کا قتل ہوا۔ اس کی شیکھر سے کیسی شناسائی تھی کہ دو روز میں ہی کوئی جھگڑا بھی ہو گیا۔ یقیناً" یہ لمبی کہانی ہے' کیونکہ اگر کارلس وہ بھوت ہے تو منگل سنگھ نے مرتے وقت شیکھر کا نام کیوں لیا تھا؟ ٹھاکر شیکھر اور کارلس میں کوئی گہرا تعلق ضرور ہے۔ کیا تمہیں کبھی شیکھر نے کارلس کے بارے میں بتایا تھا۔"

"مجھے کچھ نہیں پتا۔" وہ ماتھے پہ ہاتھ رکھے ابھی تک روئے چلے جا رہی تھی۔ "مجھے لگتا ہے شیکھر آج مرا ہے' ابھی میرے ہاتھوں میں دم توڑا ہے اس نے بدر! اس درندے نے اسے مار ڈالا ہے' میں جانتی ہوں۔"

"آرام سے مایا!" اس نے ہولے سے اس کا ہاتھ دبایا۔ پھر گردن اٹھا کر اونچے درختوں کے درمیان جھانکتے نارنجی سورج کو دیکھا' جو ڈوبنے کو تھا۔ "کچھ دیر میں شام ڈھل جائے گی' ہمیں واپس چلنا چاہیے۔ اندھیرے میں یہ جگہ خطرے سے خالی نہیں ہوتی۔ میں تمہیں ادھر اس لیے لایا تھا کیونکہ اب گاؤں میں سرعام ملنا مناسب نہیں لگتا' آؤ شاباش۔"

وہ کھڑا ہوا تو مایا بھی آنسو صاف کرتی کٹے تنے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب وہ خود کو کافی سنبھال چکی تھی۔ سو بدر کا ہاتھ نہیں پکڑا تھا' بس گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ گھوڑا تابعداری سے اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا تو وہ مسکرا دیا۔

"یہ تمہیں پہچاننے لگا۔"

وہ آنسوؤں سے بھیگے چہرے سے مسکرا دی۔

"اسے میری عادت جو ہو گئی ہے۔" آج وہ بدر کو بہت مختلف لگی تھی' اپنے جیسی عام سی سادہ سی لڑکی' وہ ملکہ والی تمکنت' غرور اور شان بے نیازی آج اس میں مفقود تھی' جس سے وہ اسے اپنی پہنچ سے بہت دور لگتی تھی۔

"تم کہاں جا رہے تھے؟"

"ساتھ والے گاؤں' کچھ کام تھا' لیکن اب وقت نہیں رہا۔ اب واپس چلتا ہوں۔"

"اوہ' میں نے تمہارا وقت ضائع کیا' لیکن بہتر نہیں ہوئی۔ تم اب بھی مجھے چھوڑ کر واپس جا سکتے ہو۔" وہ دونوں سڑک پہ آ گئے تھے' گھوڑا ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

"نہیں' کل چلا جاؤں گا' آج رات حویلی میں کام ہے۔"

"کیسا کام؟" وہ رک کر اسے دیکھنے لگی' آنسو اب خشک ہو چکے تھے۔

"کچھ خاص نہیں' نادر نے بلوایا ہے' آؤ چلیں۔" وہ ہاتھ آگے کیے اسے بٹھانے کا منتظر تھا' اس کے بعد اسے چڑھنا تھا' مگر اس نے اس کا ہاتھ نظر انداز کر دیا۔

"نادر شاہ نے کیوں بلوایا ہے؟"

"یہ تو نہیں پتا' جا کر پوچھوں گا۔"

وہ چپ چاپ متفکر سی اسے دیکھے گئی۔

"کیا ہوا مایا؟"

"تم نادر شاہ پہ کتنا بھروسا کرتے ہو؟"

"وہ میرا دوست ہے۔"

"وہ تو ٹھاکروں کا بھی دوست ہے' کوئی سچا اور مخلص دوست آپ کے دشمن سے دوستی نہیں گانٹھتا۔ اس روز وہ حویلی آیا بیٹھا تھا' تمہارا ذکر کر رہے تھے' تمہارے خلاف کوئی کھچڑی پک رہی ہے' میں پوری بات نہیں سن سکی' مگر وہ باپ بیٹا نادر شاہ کو رخصت کر کے بہت خوش تھے کہ انہوں نے تمہیں چت کر دیا۔"

"ہوں' اندازہ تو مجھے بھی ہے' خیر دیکھتے ہیں۔" اس کے انداز میں ہنوز لاپروائی تھی۔

"بدر!" وہ کسی انجانے خوف کے زیر اثر بولی۔ "تم مت جانا۔"

"کیوں؟"

"مجھے ... نقصان ... سکتا ہے۔"

"بڑی ذات اللہ کی ہے' تم کیوں فکر کرتی ہو' پھر وہ بتا تھا کروں کا دم بھرے' میرا وہ بہت اچھا دوست ہے' چلو بیٹھو۔"

وہ متذبذب سی اسے دیکھتی اوپر چڑھ گئی۔ وہ مطمئن تھا کہ اس کی فکر میں اس نے کارکس والے واقعہ کو فراموش کر دیا تھا۔

اسے حویلی کے باہر چھوڑنے لگا تو احتیاطاً" پوچھ

"گوپال کہاں ہے؟"

"وہ شکار پر گیا ہے' مگر واپسی رات تک ہو جائے گی۔" پھر ہلکا سا مسکرائی۔ "کیا میں تمہارا شکریہ ادا کروں؟"

وہ گھوڑے پہ بیٹھا تھا اور وہ گردن اٹھائے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اگر کیا تو مجھے لگے گا میں تمہارا اپنا نہیں ہوں' اپنا خیال رکھنا' خدا حافظ۔" اس نے گھوڑا موڑا' پھر پلٹ کر بولا۔ "اور ہاں اب رونا نہیں۔"

"اچھا۔" وہ اثبات میں سر ہلا کر مسکرا دی۔ وہ تھوڑی دور گیا تھا کہ پیچھے سے پکار اٹھی۔

"سنو' کل شام کنویں پہ آجانا۔"

وہ ہلکا سا مڑا۔

"نہیں۔ اب یہاں کے لوگ باتیں بنانے لگے ہیں۔"

"بنانے دو' تم آجانا۔"

"اچھا صبح آجاؤں گا' شام میں دوسرے گاؤں جانا ہے۔"

ماہا نے مسکرا کر ہاتھ ہلا دیا۔ اور وہ اس خوشگوار صبح کا تصور لیے گھوڑے کو ایڑھ لگاتا وہاں سے چلا گیا جو بدر عازان کے لیے کل نہیں آنی تھی۔

☼ ☼ ☼

رات اس نے کھانا جلدی کھا لیا۔

"کہیں جانا ہے؟ ابھی تو آیا تھا۔" چاچی اس کو جانے کی تیاری پکڑتے دیکھ کر بوکھلا سی گئی۔

"ہاں اماں! گھڑی دو گھڑی تک آجاؤں گا' تم فکر نہ کرنا' سو جانا۔" وہ شال گردن کے پیچھے سے گزار کر دونوں سرے آگے لے آیا' پھر جوتی پہننے لگا۔

"پر جا کدھر رہا ہے۔" چاچی بے چین سی اس کے ارد گرد پھر رہی تھی۔ "کہیں پھر اس ڈائن کے پاس تو نہیں۔"

"نادر کے پاس جا رہا ہوں' کچھ کام ہے۔" پھر ماں کا پریشان چہرہ دیکھ کر ہلکا سا مسکرایا۔ "اماں! نہ فکر کر' جلدی آجاؤں گا۔" اسے تسلی دے کر وہ باہر نکل آیا۔

اس کا رخ نہر کی طرف تھا۔

نہر گاؤں کے آخری سرے پہ تھی' جو شخص باہر سے گاؤں آتا' وہ نہر کے ساتھ سے گزر کر آتا تھا' نہر کے آگے گاؤں ختم ہوتا تھا اور وہاں سے جنگل کا آغاز تھا۔ نادر نے اسے پہلے کبھی نہر کنارے نہیں بلایا تھا۔ کوئی خاص کام ہوگا۔

وہ سوچ کر جیسے مطمئن سا تھا۔

نہر کنارے درختوں کی قطار تھی' ان کے پیچھے جھاڑیاں اور سرکنڈے اگے تھے۔ وہ نہر پار کر کے جھاڑیوں تک پہنچا تو اسے نادر وہاں بیٹھا نظر آیا۔

"بدر!" وہ گرم جوشی سے مسکراتے ہوئے اور اس سے گلے ملا۔ "کیسے ہو؟"

اور وہ سلام کا جواب دیتے ہوئے اپنے اندازے کی درستی پہ مسکرا دیا۔ (تو نادر شرمندہ تھا اور معذرت کرنا چاہتا تھا۔)

"اور سنا یار! کتنے دن بیت جاتے ہیں تجھ سے ملاقات نہیں ہو پاتی۔ میں خود کام میں اتنا مصروف رہا' اس روز بھی ٹھیک سے بات نہیں کر سکا' بعد میں بڑا افسوس ہوا۔" وہ دونوں درختوں تلے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے تھے' نادر کی نگاہیں سامنے نہر کے اس پار راستے پہ تھیں۔

"چھوڑ یار!" اسے اس روز برا تو لگا تھا' مگر کسی کو اپنی وجہ سے کیوں اتنا شرمندہ کرتا۔ "اور سنا ٹھاکروں کا کیا حال ہے؟"

"برا کھڑا لگا ہے ان کو شیکھر کے قتل کے سلسلے

میں، مگر نہیں مانتے، مجھے وہ بے قصور لگتے ہیں۔ میم صاحب کے پاس بہت سے گواہان ہیں اور وہ واقعی امرتسر میں تھی، ورنہ اسے شامل تفتیش کر لیتا۔"

"مجھے وہ اس معاملے میں بے قصور لگتی ہے۔" وہ کارلس کا شک گول کر گیا۔

"ہوں۔" نادر مسلسل سامنے راستے پہ دیکھ رہا تھا۔ بدر نے دیکھا ایک رومال میں لپٹا پستول اس کے ہاتھ میں تھا، جسے وہ عادتاً انگلیوں کے درمیان گھما رہا تھا۔

"تو آج کل کیا کرتا پھر رہا ہے؟"

"کچھ خاص نہیں، بس قبرستان والے بھوت کے پیچھے لگا ہوا ہوں۔"

"ارے چھوڑ یار، مجھے نہیں لگتا وہاں واقعی کوئی بھوت ہے۔"

"مجھے بھی نہیں لگتا کہ وہاں واقعی بھوت ہے، مگر میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ بھوت کا ناٹک کرنے والا کون ہے۔"

"مجھے تو یہ اس جوگی کا کام لگتا ہے۔ بدر کا ایک چیلا حکیم ماجد کے قتل کے کیس میں پکڑا گیا تھا۔ قبر سے کھوپڑی نکالنے گیا تھا۔ مجھے لگتا ہے یہ جوگی کوئی چلہ کاٹ رہا ہے، جس کے لیے اسے ایسی چیزوں کی ضرورت ہے اور قبرستان میں کھدائی کے آثار ہیں۔"

پل بھر کو نہر کے کنارے خاموشی چھا گئی، اتنی خاموشی کہ بدر کو لگا ان دونوں کے پاس الفاظ ختم ہو گئے ہیں۔ اور اگر ایسا تھا تو وہ ایک ساتھ کیوں بیٹھے تھے؟ کیا نادر نے اسے صرف اسی لیے بلایا تھا کہ اسے ساتھ بٹھا کر راستے پہ نگاہ رکھ سکے۔

"تو نے مجھے بلایا کیوں تھا؟"

"آج رات اس راستے سے چندری سنگھ نے گزرنا ہے، اس کے لیے ناکہ لگایا ہے۔" چندری سنگھ ساتھ والے گاؤں کا نامی گرامی ڈاکو اور فراری تھا۔

"اور باقی نفری کدھر ہے؟"

"وہ پیچھے ناکا ہے، میں ادھر آ بیٹھا ہوں، تجھ سے ایک بات بھی کرنی تھی۔" پھر رک کر تصحیح کی "بلکہ پوچھنی تھی۔"

"ہاں بولو۔" بدر نے اس کا چہرہ دیکھا۔

نادر نے ایک گہری سانس لی، وہ ابھی تک راستے کو دیکھ رہا تھا۔

"آج بی چھمن تھانے آئی تھی۔"

"کیوں؟" وہ ایک دم چوکنا ہو گیا۔

"تو تو جانتا ہے، وہ ہماری مخبر ہے، ادھر ادھر کی خبریں لا کر دیتی ہے۔ اس نے آج ایک عجیب بات بتائی۔"

"کیا؟" اس نے محتاط ہو کر سوال کیا۔

"اس نے کہا۔" نادر نے رخ اس کی طرف موڑ کر بغور اس کے تاثرات دیکھے "کہ گوپال راج نے تمہاری منگیتر کے لیے پیغام بھیجا ہے، رشتے کا پیغام۔"

وہ سناٹے میں رہ گیا۔

"وہ پیغام گوپال نے بھیجا تھا؟ اس کی یہ ہمت؟ وہ جانتا نہیں کہ وہ ہندو ہے اور ہم مسلمان۔" اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح کا ردعمل ظاہر کرے، وہ پہلے حیران ہوا، پھر اسے غصہ آیا تھا۔

"وہ کہتا ہے وہ مسلمان ہونے کے لیے تیار ہے۔"

"دیکھ چھوڑ ایسوں کی تبدیلی مذہب۔" اس نے غصے سے سر جھٹکا "میں تو پوچھ ہی نہیں سکا کہ ایسا پیغام ڈالا کس نے ہے تو وہ گوپال تھا؟"

"تو نے انکار کیوں کیا جب تجھے علم نہیں تھا کہ وہ گوپال کا پیغام ہے۔"

"جو یہ جانتے ہوئے بھی کہ زہرہ میری منگ ہے ایک کنٹی کے ہاتھوں رشتہ ڈالے، وہ شخص اچھے قماش کا نہیں ہو سکتا۔"

نادر شاہ کے اندر جوار بھاٹا سا پکنے لگا۔ پستول اس کی انگلیوں میں ساکت ہو گیا۔

"مگر گوپال... اس کی یہ ہمت؟ اور وہ زہرہ کو کیسے جانتا ہے؟"

وہ غصے میں بھی تھا اور حیرت زدہ بھی۔

"جانتا تھا، جب ہی تو چند روز قبل زہرہ کو تمہارے گھر کی حویلی لے کر گیا تھا۔" بدر طیش سے کھڑا ہو گیا۔

"کیا بکواس ہے؟"

نادر شاہ اطمینان سے اٹھا۔ "کیا تم نہیں جانتے کہ تین روز قبل ٹھاکر تمہاری منگیتر کو بہلا پھسلا کر اپنی حویلی لے کے گئے تھے، دو تین گھنٹے ادھر رکھا بھی تھا اور..."

"آگے ایک لفظ نہ بولنا نادر۔" وہ لب بھینچے انگلی اٹھائے بولا، اس کا چہرہ شدت طیش سے سرخ پڑ گیا تھا۔ "زہرہ کہیں نہیں گئی، ٹھاکروں نے بے پر کی اڑائی ہے۔"

"تمہیں میم صاب نے نہیں بتایا۔ وہ بھی تو ادھر تھی۔" بدر سناٹے میں رہ گیا۔

"نہیں نادر! یہ جھوٹ ہے۔" اسے لگا اس کی عزت بیچ چوراہے پہ تار تار کر دی گئی ہے۔

اور اسی لمحے سامنے کچے راستے پہ ایک گھڑ سوار ست روی سے گھوڑا چلاتا نمودار ہوا۔ نادر نے ایک نگاہ بدر کے سفید پڑتے چہرے پہ ڈالی اور پھر بہت اطمینان سے رخ سڑک کی طرف موڑ کر پستول اونچا کیا اور گولی چلا دی۔

گھڑ سوار اوندھا ہو کر گھوڑے کے سر پہ آن گرا، نادر نے دوسری گولی چلائی، اب کے گھڑ سوار نیچے زمین پہ گر کر خون میں لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ گھوڑا ہنہنانے لگا۔ نادر نے تیسری گولی ماری تو زخمی کی حرکت رک گئی۔

پھر اس نے اسی اطمینان سے رومال میں لپٹا پستول بدر کی طرف بڑھایا جو چونک کر سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔

"ذرا پکڑنا" میں اتنے میں اے ایس آئی کو لے آؤں۔"

اس نے بظاہر عجلت میں پستول بدر کے ہاتھ میں دینا چاہا، مگر وہ اس پریشانی اور نادر کی ذہن کو ماؤف کر دینے والی باتوں سے ابتر ہوئی ذہنی کیفیت کے باوجود اتنا ہوش مند تھا کہ جھنجلا کر پیچھے ہٹا۔

"تیرا پستول ہے، میں کیوں پکڑوں؟"

"میں آتا ہوں۔" نادر نے پستول ادھر ہی زمین پہ گرا دیا اور تیزی سے ایک طرف کو نکل گیا۔

"زہرہ کو ٹھاکر اپنی حویلی میں لے گئے؟" عجیب بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ نادر جو بھی کہہ کر گیا تھا اس پہ یقین کرنے کو اس کا دل نہیں مانتا تھا، بہت بڑا بوجھ تھا جو اسے اپنے کاندھے جھکاتا محسوس ہوا تھا۔

درختوں کے پار پتوں کے کھڑکنے کی آواز آئی تو اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

دو گھوڑے سامنے سے چلے آ رہے تھے۔ ایک پہ نادر شاہ سوار تھا اور دوسرے پہ اس کا اے ایس آئی۔ تیسرا گھوڑا ان سے چند قدم پیچھے تھا۔ جس پہ ایک اہلکار سوار تھا۔

"یہ تو ملک بدر ہے۔" اس کی سماعت سے نادر شاہ کی حیران آواز ٹکرائی۔ وہ اپنے اے ایس آئی سے مخاطب تھا۔

بدر نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

اسی پل تیسرے گھوڑے کا سوار اہلکار جست لگا کر اترا اور لاش کی سمت گیا۔

"بدر!" اب نادر شاہ دور سے جیسے آواز دے کر اسے پکار رہا تھا۔

"ہاں۔" دور کہیں اس کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجی تھی۔ کہیں کچھ غلط تھا۔

"تو ادھر کیا کر رہا ہے؟"

"میں؟ تو نے ہی تو۔" اس کا فقرہ ادھورا رہ گیا۔

تیسرا اہلکار بھاگتا ہوا واپس آ رہا تھا۔

"شاہ صاب، لاش وہیں پڑی ہے۔" پھر بدر کو دیکھا اور نگاہ اس کے ہاتھوں کی طرف گئی جو خالی تھے۔

"پستول کدھر ہے؟"

اے ایس آئی بھی اتر کر آ گیا تھا۔ زمین پہ پڑا پستول اس نے ہی دیکھا اور جھک کر رومال سے اٹھایا۔

"یہ کیا کیا تو نے بدر؟ تو نے بندہ مار ڈالا؟" نادر شاہ گھوڑے سے اتر کر اس کی طرف آیا اور بہت ششدر اور دکھ سے پوچھا۔

"میں نے؟ نہیں نادر۔" وہ تیزی سے بولا۔ کہیں کچھ بہت غلط تھا۔ "یہ تم نے مارا ہے، یہ چندری گجھ ڈاکو تھا۔ تم نا کہ... یہ تمہارا پستول ہے۔ یہ میرا پستول نہیں ہے۔" اے ایس آئی جو اس کا ہاتھ پکڑ رہا تھا،

اس سے ہاتھ چھڑا کر وہ جیسے وضاحت دے رہا تھا۔
"میرا پستول؟" نادر نے حیرت سے اسے دیکھتے ہولسٹر سے پستول نکالا۔ "میرا پستول تو میرے پاس ہے۔"

"نہیں۔" اس نے ہتھکڑی لگانے کے لیے بڑھتے اے ایس آئی کے ہاتھ کو پھر جھٹکا۔ "میں نے قتل نہیں کیا۔ میری بات سنو میں نے۔۔۔"

"بس کرو ملک! ہم سب نے دیکھا ہے۔ ادھر گولی کی آواز آئی' ادھر ہم آئے تو یہ پستول تیرے سامنے پڑا تھا' تو نے بندہ مارا ہے' ہم سب جانتے ہیں۔" اے ایس آئی نے ڈپٹ کر اس کے ہاتھ پہ ہتھکڑی لگا دی۔

وہ ساکت رہ گیا۔

یہ سب کیا ہو رہا تھا' وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔
"تو نے قتل کیوں کیا بدر؟ تو ایسا تو نہ لگتا تھا۔" نادر شاہ بہت افسوس سے اسے دیکھتے آہ بھر کر بولا۔ "اسے تھانے لے چلو۔" پھر ساتھیوں کو حکم دیا۔ "اور جاؤ' جا کر دیکھو مرنے والا کون ہے؟ کس کو مارا ہے تو نے؟"

اب کے وہ کچھ نہیں بولا۔ اسے معلوم تھا۔ اب ساری وضاحتیں' ساری صفائیاں بے کار ہوں گی۔ وہ پھنس چکا تھا اور دور دور تک بچاؤ کا کوئی راستہ نہ تھا۔

"کیوں نادر؟" وہ دکھ سے اسے دیکھے گیا۔ "کیوں؟ تو تو میرا دوست تھا' پھر کیوں؟" صدمہ' دکھ' افسوس' وہ دوستی کی قبر پہ نوحہ پڑھ رہا تھا۔ "ہم تو اندھے جنگلوں کے ساتھی تھے' پھر کس نے الگ کر دیا ہمیں؟"

"دوست تھا' لیکن تو نے قتل کیا ہے' میں قانون کا محافظ ہوں' قانون کیسے توڑوں؟ ہاں بھئی' لاش کی شناخت ہوئی؟"

وہ بے گانہ سا ہوا اپنے ساتھی سے پوچھ رہا تھا۔
"جی صاب' شناخت ہو گئی ہے۔"
"کون تھا مرنے والا؟"
"ٹھاکروں کا لڑکا گوپال تھا۔"
"نادر! تو نے اچھا نہیں کیا۔" اس نے بے بسی اور نفرت سے نادر کو دیکھا' اس نے بے نیازی سے شانے اچکا دیے' اور تب بدر نے دیکھا' نادر کے پیچھے دور درختوں کے بیچ ایک ہیولہ سا حرکت کر رہا تھا۔

اے ایس آئی اور دوسرے اہلکار اسے لے کر چل پڑے تو وہ خاموشی سے چلتا رہا۔ چند قدم آگے جا کر اس نے کن اکھیوں سے دیکھا' وہ ہیولہ اب اٹھ کھڑا ہوا تھا اور جھکا جھکا سا ایک طرف کو تیزی سے چل رہا تھا۔ اس کا سیاہ چغہ پھڑپھڑا رہا تھا۔ اگلے ہی پل وہ درختوں کے اس پار اندھیرے میں گم ہو گیا تھا۔

تو یہ تھا قبرستان کا بھوت۔
ایک تسلی بخش احساس نے اس کی ڈھارس بندھائی۔
کوئی تھا ادھر جو اس کی بے گناہی کا گواہ تھا۔

☼ ☼ ☼

رات کا تیسرا پہر ابھی باقی تھا' جب نیچے سے شور سنائی دینے لگا' اونچی اونچی عورتوں کے رونے کی آوازیں' ماتم' بین۔۔۔

اس نے لحاف پھینکا' پلنگ کے پردے ہٹائے' نیچے اتری' اور جوتے پہنے بغیر ہی ننگے پاؤں دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔

سیڑھیوں کے اوپر کھڑے اس نے دیکھا' نیچے بڑے کمرے میں راجپوتوں کی دور قریب کی رشتے دار عورتیں جمع ہو رہی تھیں۔ بلند آوازیں' آہ و بکا' اونچے بین۔

"کیا ہو رہا ہے یہ؟" اس نے کوفت سے بلند آواز میں پوچھا تو ایک لمحے کو سناٹا چھا گیا' بہت سی گردنیں اوپر کو اٹھیں' جہاں وہ کھڑی تھی۔

گلابی ریشمی شب خوابی کا لباس پہنے سینے پہ ہاتھ باندھے وہ بے زاری سے نیچے دیکھ رہی تھی۔ سنہرے بال شانوں پہ بکھرے تھے اور موتیوں سے پروئی لٹ دائیں کندھے پہ آگے کو پڑی تھی۔ ستواں ناک چڑھا رکھی تھی اور پیشانی شکن آلود تھی۔

"بدر غازان نے گوپال کو قتل کر دیا ہے۔" ایک نسبتاً ادھیڑ عمر ٹھاکرائن بولی اور آنچل میں منہ

چھپائے رونے لگی۔ دفعتاً" سارے میں ماتم کناں آوازیں پھر سے گونجنے لگیں۔

"گیا؟" وہ تحیر میں رہ گئی۔ "کب ہوا یہ؟ کیسے ہوا؟"

رات کو گوپال شکار سے واپس آ رہا تھا۔ "وہیں گھات لگائے ملک بدر بیٹھا تھا۔"

"گوپال کو گولی مار دی۔"

"پولیس کی پیٹرول پارٹی قریب ہی تھی' فائر کی آواز اسے جا لیا۔"

"بدر غازان حوالات میں بند ہے۔"

"رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے' پھانسی چڑھ جائے گا۔"

بھانت بھانت کی آوازیں اس کی سماعت سے ٹکرائیں' جانے کون کیا کہہ رہا تھا۔ وہ بے اختیار بھاگتی ہوئی ننگے پاؤں سیڑھیاں اترنے لگی۔

"بڑے ٹھاکر کہاں ہیں؟" ایک ملازمہ کو روک کر پوچھا۔

"وہ مردان خانے میں ہیں' بری حالت ہے ان کی' ایک ہی تو پتر تھا ان کا۔"

"سنو' بدر غازان پکڑا گیا ہے کیا؟"

"ہاں جی میم صاب' سنا ہے وہ تھانے میں بند ہے۔" وہ کہہ کر عجلت میں آگے بڑھ گئی اور وہ متذبذب سی تاسف سے دیکھتی رہ گئی۔

جو ہو رہا تھا' بہت برا ہو رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس نے سگریٹ لبوں سے نکال کر میز کے کنارے سے مسلا اور ایش ٹرے میں رکھ دیا' پھر سپاہی کی جانب دیکھا۔ "جاؤ' ملک صاحب کو لے کر آؤ۔" لہجے میں طنز نمایاں تھا۔

وہ جتنا خوش ہوتا' کم تھا۔ سب کچھ اس کے حسب منشا ہوا تھا۔ بدر غازان قتل کے جرم میں رنگے ہاتھوں پکڑا گیا مجرم تھا اور اس کی کم سے کم سزا عمر قید اور زیادہ سے زیادہ پھانسی تھی۔ وہ حوالات میں بند تھا' اور زہرہ نادر شاہ کو اپنی دسترس میں لگ رہی تھی۔ بدر کی سزا پر مہر اس وقت لگنی تھی' جب وہ اقبالی بیان دے دیتا' لیکن

یہ کون سا مشکل تھا' زہرہ کا وجود تڑپ کے اس پتہ کی طرح تھا جو نادر شاہ کو ابھی بہت سی جگہوں پہ کھیلنا تھا۔

عرصہ پہلے جب وہ دونوں ایک جتنا حصہ ڈال کر فرنگیوں کے خلاف راہزنی کی وارداتیں کرتے تھے' تو بدر منہ نہیں چھپاتا تھا' نتیجتاً" اس کا نام لوگوں کی زبان پہ آنے لگا' وہ آن کی آن میں بیلی کا ہیرو بن گیا کہ کمپنی صاحب کو کون پسند کرتا تھا بھلا؟ اور وہ جو منہ چھپائے' آواز بدل کر بولتا تھا' پس منظر میں چلا گیا' اس کے دل کے نہاں خانے میں ایک احساس کمتری پیدا ہو چلا تھا' جسے بدر کی دوستی بڑھنے نہ دیتی تھی' لیکن اندر سے وہ اس پہ رشک کرنے لگتا تھا' سارے گاؤں کے مسلمانوں کے لبوں پہ بدر غازان کا نام ہوتا۔ وہ جو شہسوار ہے' وہ جو راہزن ہے' وہ جو ایسا بہادر ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے۔ ایسی ایسی باتیں سنتا تو کہیں نہ کہیں اسے اس سے حسد محسوس ہونے لگتا۔

پھر جب بدر نے ایک انگریز عورت سے شناسائی کی بنا پہ اسے جانے دے کر عرصہ پرانا اصول توڑا تو بات اتنی بڑی نہ تھی' لیکن نادر شاہ کے دل کو بری طرح لگی یا شاید اسے کوئی موقع چاہیے تھا بدر کو پکڑنے کا۔ بظاہر وہ اس کا سب سے بڑا حامی بنا رہا' ملیا کے کیس میں اس کی بہت مدد کی' لیکن جب اس حسین لڑکی نے بدر کا نام لیا تو اسے لگا' اب وہ اس کی مزید حمایت نہیں کر سکے گا۔ وہ بیلی کا تھانے دار تھا' تھانے دار بادشاہ۔ اس کے ہوتے ہوئے کیوں کوئی دوسرا ہیرو بنے؟

اور اس منصوبے سے اس کے سارے مسئلے حل ہو گئے تھے۔ اسے معلوم تھا گوپال شہر سے باہر گیا ہوا ہے اور بدر اور گوپال کی عداوت سے سب واقف تھے۔ اگر بدر اسے مار ڈالتا ہے تو سب کو یقین آ جائے گا۔ لیکن اگر نادر گوپال کو مارتا ہے تو کوئی یقین نہیں کرے گا۔

سپاہی اکیلا واپس آیا تو وہ چونکا۔

"ملک کہاں ہے؟"

"شاہ صاحب' وہ کہتا ہے۔" وہ سر جھکائے خاموش ہو گیا۔

"کیا کہتا ہے؟"

"وہ کہتا ہے نادر شاہ سے بولو میں تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہوں جو تمہارے بلانے پہ آجاؤں' ملنا ہے تو خود اندر آؤ۔"

نادر شاہ تلملا کر کھڑا ہوا' اور تیزی سے اندر کی جانب بڑھا۔ غصے کی ایک لہر اس کے اندر اٹھی تھی مگر وہ دبا گیا۔ ابھی اسے ٹھنڈا کر کے کھانا تھا۔

اس پل دروازہ کھلا اور اے ایس آئی کے پیچھے مایا اندر داخل ہوئی۔ وہ جاتے جاتے ٹھہر گیا۔

"شاہ صاحب! یہ ملک بدر سے ملنے آئی ہیں۔"

سفید ساڑھی میں ملبوس وہ شاید نماز منہ ہی اٹھ آئی تھی۔ ڈھیلا سا جوڑا گردن پہ پڑا تھا' ساڑھی کا پلو فرش پہ اس کے پیچھے پھسلتا آیا تھا۔ وہ اسے قدرے پریشان لگی تھی۔

"اچھا۔" کچھ سوچ کر اس نے واپس نشست سنبھال لی۔ "انہیں اندر لے جاؤ اور ملوا دو۔" پھر وہ مایا سے مخاطب ہوا "آپ سمجھایئے گا اسے کہ اب چونکہ رنگے ہاتھوں پکڑا ہی گیا ہے تو اقبالی بیان بھی۔۔۔"

"چلو۔" وہ انسپکٹر نادر شاہ کو نظر انداز کر کے خود ہی انداز" اندر کی جانب بڑھ گئی تو اے ایس آئی اس کے پیچھے لپکا۔

نادر شاہ تلملا کر رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

آہنی سلاخوں کے اس پار زرد دیواروں والا کمرہ تھا' وہ اسی دیوار کے ساتھ پشت ٹکائے' سر جھکائے زمین پہ بیٹھا تھا۔

وہ دھیرے سے چلتی ہوئی سلاخوں کے قریب آئی۔ "بدر۔۔۔"

اس نے سر اٹھایا۔

"مایا!" اس کی رت جگے سے سرخ آنکھوں میں زندگی کی ایک رمق دوڑ گئی۔

وہ اٹھ کر اس کے قریب آیا۔ اتنا قریب کہ دونوں کے درمیان بس سیاہ سلاخیں حائل تھیں۔

مایا نے دیکھا' اس کے دائیں رخسار پہ زخم تھا' بائیں آنکھ تلے نیل پڑا تھا۔ گردن پہ ایک زخم سے خون ابھی تک ہلکا ہلکا رس رہا تھا۔

وہ دکھ سے اسے دیکھے گئی۔ "کیسے ہو؟"

"جیسا دکھ رہا ہوں۔" وہ زخمی سا مسکرایا۔

چند لمحے کو اس تنگ و تاریک کوٹھری میں خاموشی چھا گئی' اسے مایا کی آنکھوں میں کرب سا دکھا تھا۔ وہ اسے ویسی ہی لگی تھی جیسے پچھلی شام بیلی کے جنگل میں اس کٹے تنے پہ بیٹھی لگی تھی' روئی روئی بلکتی سادہ سی لڑکی' پہلے والی مغرور' پراعتماد مہارانی سے چنداں مختلف۔ اب وہ رو نہیں رہی تھی' مگر آنکھیں ویران ویران سی تھیں' چہرے پہ زردی کھنڈی تھی اور ڈھیلے جوڑے سے بال نکل کر چہرے کے گرد بکھرے تھے۔

"بدر۔۔۔" اسی نے خاموشی کو توڑا۔ "یہ سب اچھا نہیں ہوا۔"

وہ خاموش رہا۔

"میں بھلے گوپال کو ناپسند کرتی تھی' وہ کتنا ہی برا کیوں نہ تھا' لیکن اسے قتل کرنا کہاں کا انصاف تھا۔"

"مایا؟" اس کے دل کو دھچکا لگا۔ "تم بھی سمجھتی ہو میں نے گوپال کو قتل کیا ہے؟"

"کیا مطلب؟" مایا ٹھٹھکی۔ "تم نے گوپال کو قتل نہیں کیا؟" وہ شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھے گیا۔

"بدر! مجھے بتاؤ' تم نے گوپال کو قتل نہیں کیا؟ اگر ایسا ہے تو تم یہاں کیوں ہو؟"

وہ خاموش تھا' سلاخیں خاموش تھیں' دیواریں خاموش تھیں۔

"خدارا' مجھے بتاؤ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" وہ سلاخیں پکڑ کر التجا کرنے لگی' وہ تب بھی چپ رہا۔

"بدر! بولو' کس نے مارا ہے گوپال کو؟"

"نادر شاہ نے۔"

مایا کے ہاتھ سلاخوں پر سے گر گئے۔

"تھانے دار نے؟ مگر کیوں؟"

"کیا تم میرا یقین کرو گی؟"

”تمہیں لگتا ہے میں نہیں کروں گی؟“

اور پھر وہ اسے بتاتا گیا' ہر بات' ہر شے' ہر لمحہ گنواتا گیا۔

”میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ مت جاؤ' مگر۔۔۔“

”مجھے بس ایک بات بتاؤ۔ کیا زہرہ ٹھاکروں کی حویلی گئی تھی؟“

”ہاں وہ آئی تھی مگر میرے سامنے۔ وہ مجھے باتیں سنانے آئی تھی' نیچے گئی تو بڑے ٹھاکر نے شربت کے لیے روک لیا' اسی وقت نادر شاہ بھی آگیا' وہ تو گواہ تھا سارے معاملے کا' اسی کے سامنے تو زہرہ واپس گئی تھی اور گوپال تو نادر شاہ کے بھی جانے کے بعد آیا تھا۔ اس نے تم سے جھوٹ بولا ہے۔ وہ تو سارے معاملے کا خود گواہ تھا۔“

”اور تم نے بھی مجھے نہیں بتایا؟“

”میں کیوں بتاتی؟ تاکہ تم اس پہ گرجو برسو؟ وہ پہلے ہی مجھے قصوروار سمجھتی ہے۔ میں کتنی بری بنوں اس کی نظروں میں؟“

”نادر نے ایسا کیوں کیا؟“ وہ تھک سا گیا تھا۔

”کیا تم ابھی تک نہیں سمجھے؟“

”کیا؟“ وہ چونکا۔

”اس کی نظر زہرہ پہ ہے۔ اسی نے اس عورت کو تمہارے گھر بھیجا ہو گا' گوپال ایسی ہمت نہیں کر سکتا' وہ تو جب سے اسے علم ہوا تھا کہ زہرہ تمہاری منگیتر ہے اس نے اس کو تنگ نہیں کیا تھا۔ نادر تمہیں اس کیس میں پھنسا کر زہرہ کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔“

”تم۔۔۔۔ تم ایک کام کرو۔“ وہ سلاخوں کے قریب آیا اور مایا کے ہاتھ تھام لیے' آواز مدھم سرگوشی میں بدل گئی ”تم قبرستان کے بھوت کو ڈھونڈو۔ وہ گواہ ہے' اس نے سب دیکھا تھا۔“

”کیا؟“ وہ بھونچکی رہ گئی۔ ”تم نے بھوت ڈھونڈ لیا؟“

”نہیں' مگر میں نے اس وقت اسے درختوں کے پار دیکھا تھا۔ وہ جانتا ہے میں نے قتل نہیں کیا ہے۔ وہ اصل گواہ ہے۔“

”بدر! اصل گواہ تم ہو کہ قتل نادر شاہ نے کیا ہے۔ تم فکر نہ کرو' ہم تفتیش کو اوپر تک لے جائیں گے' میں کسی سے بات کرتی ہوں' شہنشاہ برطانیہ کے راج میں بھلے تم لوگوں کو غلامی ملے مگر ناانصافی نہیں ملتی' یہ تم بھی جانتے ہو اور میں بھی جانتی ہوں اور جو بھوت خود کو چھپا چھپا کر رکھتا ہے' وہ کیوں بھری عدالت میں گواہی دے گا؟ کیا نادر شاہ کا وکیل اس سے یہ نہیں پوچھے گا کہ وہ اس وقت خود وہاں کیا کر رہا تھا' خیر تم فکر نہ کرو' میں کچھ کرتی ہوں۔“

”شکریہ۔“ وہ تشکر سے کہہ اٹھا تو وہ پھیکا سا مسکرائی۔

”کس بات کا؟“

”جو تم کر رہی ہو اس کا۔“

”تمہارے لیے تو نہیں کر رہی۔ اس محبت کے لیے کر رہی ہوں جو مجھے تم سے اور تمہیں مجھ سے ہے نا بدر۔“

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ملاقات کا وقت ختم ہونے والا ہے' ”میں چلتی ہوں پھر آؤں گی۔ تم پریشان نہ ہونا' وہ چلی گئی اور وہ دور تک نگاہوں سے اس کا تعاقب کرتا رہا۔

☼ ☼ ☼

”چاچی! بس دو نوالے کھالے' تو نے سویرے سے کچھ نہیں کھایا۔“ وہ صبح سے تیسری دفعہ کھانا اس کے سامنے رکھ چکی تھی' مگر چاچی سر جھکائے بے آواز آنسو بہاتی تسبیح کے دانے گرائے جا رہی تھی۔

”مجھے بھوک نہیں ہے' یہ اٹھالے یا خود کھالے۔“

مگر وہ کیسے بتاتی کہ جب سے بدر کے گرفتار ہونے کی خبر آئی تھی' بھوک تو اس کی بھی اڑ گئی تھی۔ بس ایک گہرا سکوت تھا جس نے حویلی کو اپنے پروں تلے ڈھانپ لیا تھا عجب ویرانی اور وحشت تھی' چاچی بس بیٹھی روتی تسبیح پڑھتی رہتی اور وہ سارے میں بولائی بولائی پھرتی۔

رہتا تو وہ یوں بھی سارا دن گھر سے تھا' فجر کے وقت نکل جاتا دوپہر میں کھانا کھانے کبھی کبھی ہی آتا' واپسی رات میں ہی ہوتی اکثر و بیشتر تو رات بھی باہر آجاتی۔ وہ اور چاچی تنہا ہی ہوتی تھیں مگر ایسی ویرانی تو پہلے نہ تھی جو اس کے گرفتار ہونے کی خبر کے ساتھ ان کے دلوں میں اتر آئی تھی۔ ہر رنگ پھیکا' ہر موسم 'خزاں کا بن چکا تھا۔

"کوئی ملنے گیا ہے اس سے ؟ ارے کوئی تو مجھے بتائے' پولیس نے اسے کیوں پکڑا ہے ؟ میرا بچہ کیسے کسی کا خون کر سکتا ہے۔ تھانیدار تو اس کا پکا یار تھا' پھر اسے کیوں پکڑا۔" وہ آنچل میں منہ چھپا کر پھپک کر رو پڑی اور زہرہ ایک دم چونکی۔

"ہاں' تھانیدار تو بدر کا دوست تھا' یہی تو وہ ہمیشہ سے کہتی آئی تھی' پھر اس نے کیسے پکڑ لیا اسے ؟ کیا اسے جا کر اس سے پوچھنا چاہیے ؟"

"میں چلی جاؤں تھانے ؟"

"نہیں' نہیں تو نہ جا۔ بدر برا مانے گا۔" چاچی نے فوراً" منع کر دیا مگر وہ کسی اور ہی سوچ میں گم تھی۔ چاچی کی بات اس نے سنی ہی نہیں تھی۔

☆ ☆ ☆

"تو پھر کیا سوچا تم نے ؟"

بدر نے سر اٹھایا' سلاخوں کے اس پار نادر شاہ کھڑا تھا' اس کے چہرے پہ وہ مسکراہٹ تھی' جو پہلے اس نے وہاں نہیں دیکھی تھی۔ اس مسکراہٹ میں ان دونوں کی دوستی کی قبر تھی کاش وہ پہلے اس کا کتبہ پڑھ لیتا۔

"کوئی فیصلہ کیا ہے ؟"

وہ اسی طرح دیوار سے کمر ٹکائے بیٹھا سر اٹھا کر اسے دیکھتا رہا۔

"بتاؤ ملک صیب! اقبالی بیان دو گے یا نہیں ؟"

وہ بے تاثر نگاہیں نادر شاہ پر مرکوز کیے ہوئے تھا۔ اس کا چہرہ نیل اور زخموں سے بھرا تھا فقط ایک روز میں ہی وہ کتنا کمزور اور زرد پڑ چکا تھا۔

"دیکھ بدر! تو اقبالی بیان دے ڈال' سب نے تیرے قریب پستول پڑا دیکھا ہے' تیرے جرم کے سب گواہ ہیں' اب تو بچ نہیں سکتا۔ بیان دے ڈال' نہیں تو تیرا معاملہ زیادہ خراب ہو گا۔"

وہ مسلسل چپ رہا تو نادر شاہ کو تاؤ آگیا۔

"تو کیا سمجھتا ہے ؟ تو مجسٹریٹ کے سامنے اقبالی ہونے سے پھر جائے گا تو تیری جان چھوٹ جائے گی ؟"

پھر ایک لمحے کے توقف سے لہجہ بدل کر مخلص دوست کی طرح نرمی سے بولا۔

"تم مجھے کیس ٹھیک کرنے دو' میں تمہارا دوست ہوں' تم ایک دفعہ اقبالی بیان دے دو' میں استغاثہ میں ایسی کمزوریاں رکھ دوں گا' کیس ایسا بناؤں گا کہ تم بس چار پیشیوں میں ہی بری ہو جاؤ گے۔"

"اچھا!" وہ طنز سے ہنسا "نادر! تمہیں لگتا ہے اب میں تمہارا اعتبار کروں گا ؟ میں زندگی میں لوگوں پہ بس ایک بار اعتبار کیا کرتا ہوں' وہ اسے توڑ دیں تو میں دوسرا موقع کبھی نہیں دیا کرتا۔"

"تیری تو۔۔۔" وہ کوئی سخت لفظ کہتے کہتے رکا اور لہجہ ہموار کر کے بولا "ٹھیک ہے' اعتبار نہ کر مگر معاہدہ تو کر سکتا ہے۔"

"کیسا معاہدہ ؟" اس کا ماتھا ٹھنکا۔

"کچھ لو اور کچھ دو کا معاہدہ۔"

"پیسہ چاہیے تجھے ؟"

"اونہوں۔" نادر شاہ مسکرایا۔ "مجھے زہرہ چاہیے تو اسے میرے نکاح میں دے دے تو نے کون سا جیل سے چھوٹ کر اس سے شادی کرنی ہے اور میں تجھے چھوڑ دوں گا۔"

"اور اگر میں ایسا نہ کروں تو ؟" بہت دیر بعد وہ بولا۔

"پھر تو تو پھانسی چڑھے گا ہی' میں تیری اس منگیتر کو ادھر تھانے بلا کر تیرے سامنے اپنے قید میں پڑے اشتہاریوں کے حوالے۔۔۔"

وہ تیر کی طرح اٹھا تھا اور جھپٹ کر سلاخوں سے ہاتھ گزار کر نادر شاہ کی گردن دبوچ لی تھی "آگے ایک لفظ بھی نہ بولنا ورنہ تیرا خون میرے ہاتھوں لکھا جا چکا

نادر شاہ نے اس کے ہاتھوں کو جھٹکا دے کر بمشکل گریبان چھڑایا' اگر سلاخیں بیچ میں حائل نہ ہوتیں تو شاید اب تک وہ اس کو مار چکا ہوتا۔

"میں بھی دیکھتا ہوں' تو کیسے اقبالی نہیں بنتا' تیرا تو باپ بھی اب قبر سے اٹھ کر بیان دے گا۔ تو نے نادر شاہ کو بدکار' بدنام بولا تھا نا' اب پورا ایلی دیکھے گا کہ بدنام کون ہے اور بدکار کون۔" وہ گریبان درست کرتا بلکہ جھٹکتا باہر نکل گیا۔

"اسے انگریزوں کی بیٹھک میں لے جاؤ اور سارا قصہ اگلواؤ۔" اپنے سپاہیوں کو حکم دے کر وہ گہرے سانس لیتا بمشکل غصہ قابو کرنے لگا۔

ہندوستانی تھانیدار جب تشدد کرتے تھے تو فرنگی افسر اس طریقہ کار کو "تھرڈ ڈگری اور ٹارچر سیل کو ڈرائنگ روم کہہ کر پکارنے لگے تھے بعد میں یہ اصلاحات پورے ہندوستان میں رائج ہو گئیں اور اب تک رائج ہیں۔

اسی وقت کھلے دروازے سے سیاہ چادر میں لپٹی زہرہ داخل ہوئی۔ لبوں میں کچھ بڑبڑاتا نادر شاہ ایک دم حیران سا کھڑا ہو گیا۔ اس نے تو تصور بھی نہیں کیا تھا کہ سب کچھ اتنی آسانی سے ہو جائے گا۔

"آؤ' آؤ بیٹھو۔" سارا آشفتا فراموش کر کے بہت نرمی اور عزت سے اس نے کرسی پیش کی۔

وہ جھجکتی پریشان سی بیٹھ گئی۔

"کہو خیریت؟" وہ بظاہر بہت فکر مند سا اس سے مخاطب ہوا۔

"داروغہ جی! چاچی بہت پریشان ہے' بدر کو آپ نے کیوں پکڑا ہے وہ قتل نہیں کر سکتا۔"

"یہی تو میں حیران ہوں' خیر تم فکر نہ کرو' جا کر اپنی چاچی کو تسلی دو' وہ بہت جلد گھر آ جائے گا۔"

"واقعی؟" اس کی سیاہ آنکھیں جگمگا اٹھیں۔ "وہ گھر کب آئے گا؟"

"بہت جلد' تم تسلی رکھو' میں سب سنبھال لوں گا۔"

"میں۔۔۔" وہ انگلیاں موڑ رہی تھی میں اس سے مل سکتی ہوں؟

"ملنا تو قدرے مشکل ہو گا' لیکن میں تمہیں اسے دکھا سکتا ہوں۔"

"ملنا کیوں نہیں؟" وہ بے چین ہوئی۔

"قانونی پیچیدگیاں ہیں۔ خیر تم ادھر آؤ۔" وہ دلی خوشی پر قابو پاتا اسے اپنے ہمراہ لیے اندر آیا۔

وہ اسی طرح سر جھکائے بیٹھا تھا' آہٹ پہ سر اٹھایا تو نادر شاہ کے ساتھ آتی زہرہ کو دیکھ کر ساکت رہ گیا۔

"وہ دیکھو' وہ ادھر بیٹھا ہے۔ اب آ جاؤ۔"

"میں اس سے۔۔۔"

"نہیں' ادھر آؤ۔" اس سے پہلے کہ بدر اٹھتا اور کچھ کہہ پاتا' وہ زہرہ کو واپس لے گیا۔

چند لمحے بعد اس کی تنہا واپسی ہوئی۔

"اب بتاؤ ملک صاحب؟" لبوں پہ وہی مسکراہٹ سجائے وہ سلاخوں کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"نادر! خدا کے لیے اسے جانے دو۔" وہ بے بس سا کھڑا ہوا۔

"تمہاری یہ سندر سی منگیتر اس وقت میرے تھانے میں بیٹھی ہے' میں نے اے ایس آئی کو جو گندر اور شام کو لانے بھیج دیا ہے۔" اس نے چند نامی گرامی غنڈوں کے نام لیے "وہ ایسا تازہ شکار ہاتھ سے کہاں جانے دیں گے' چند منٹ تک وہ تھانے پہنچ جائیں گے' میں تمہارے ہاتھ پاؤں بند ھوا کر ادھر تمہارے سامنے۔"

"بس کرو۔" اس نے نڈھال ہو کر سلاخیں تھام لیں۔ "میں اقبال جرم کرنے کے لیے تیار ہوں مگر تمہارا کوئی بھی اسے ہاتھ نہیں لگائے گا' اسے عزت اور خیریت سے یہاں سے جانے دو' وہ چلی جائے گی تو میرا بیان لکھ لینا۔"

اطمینان و سکون نادر شاہ کی رگ رگ میں اتر گیا۔

"نہیں' پہلے تم بیان دو' پھر میں اسے بھیج دوں گا۔" وہ کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہ تھا۔ بدر کا کیا تھا' وہ زہرہ کے جاتے ہی پھر جاتا' اس جیسا سخت جان تشدد

سے قائل ہونے والا تھا ہی کب۔

"مجھے منظور ہے مگر اسے جانے دو۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے کسی کو آواز دی۔ "اسے باہر لاؤ اور بی بی کو دوسرے کمرے میں بٹھاؤ۔"

☆ ☆ ☆

اور اگلی صبح جب مایا امرتسر سے سیدھی تھانے کے سامنے سواری سے اتری اور اندر آتے ہی نادر شاہ سے بدر کو ملوانے کا کہا تو وہ بہت شائستگی سے مسکرایا۔

"آپ کاہے کو خوار ہوتی پھر رہی ہیں میم صاحب؟ وہ تو اقبال جرم کر چکا ہے۔"

وہ دھک سے رہ گئی۔

"نہیں.... یہ نہیں ہو سکتا۔" وہ ہکلائی۔ "بدر ایسا نہیں کر سکتا' اس نے یہ قتل نہیں کیا تو وہ کیوں کرے گا اقبال جرم؟"

نادر شاہ کو بے ساختہ وہ شام یاد آگئی۔ جب وہ پرچہ کٹوانے آئی تھی۔ اٹھی گردن' تنفر بھری نگاہیں حکمیہ انداز' وہ پُراعتماد سی چال اور اب.... اب بغیر کاجل کے کالی آنکھیں بے پروائی سے چہرے کے اطراف میں بکھری لٹیں' ڈھیلی چوٹی' وہی کل والی سفید ساڑھی خشک سوکھے لب' شاید اس نے تب سے اب تک ٹھیک سے کچھ نہ کھایا تھا۔ اسے لگا تھا جیسے اس کا غرور' تنتنا جھاگ کی طرح بیٹھ گیا ہو اور اب وہ محض ایک کمزور' بے بس سی لڑکی نکلی ہو جس کا چہرہ حرکات پر سپاٹ نہیں رہتا جو بات بے بات پہ پریشان ہو جاتی ہو۔

"وہ جرم کر چکا ہے ظاہر ہے قتل کیا ہے تو اقبال جرم بھی کرے گا۔" وہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے مسرور سا بیٹھا تھا۔

"میں.... میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"ملوائے دیتے ہیں میم صاب۔" اس نے ایک اہلکار کو آواز دی۔

چند ساعتوں بعد وہ اس کے سامنے کمرے میں بیٹھی تھی۔ دونوں کی کرسیوں کے درمیان میز تھی۔

وہ سر جھکائے گود میں رکھے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس لمحے مایا کو اس پہ بے پناہ غصہ آیا تھا۔

"کیوں کیا تم نے اقبال جرم؟" وہ چپ چاپ گردن جھکائے رہا۔

"بدر! میں تم سے پوچھ رہی ہوں۔ تم نے کیوں کیا اعتراف؟ تم نے تو یہ قتل نہیں کیا' تم تو خود گواہ ہو کہ نادر شاہ نے...."

اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔

"میں نے کیا ہے قتل' میں نے ہی مارا ہے گوپال کو۔ کر لیا ہے اعتراف دے دیا ہے میں نے بیان۔ جاؤ تم' مجھے میرے حال پہ چھوڑ دو۔"

"میں کیسے چھوڑ دوں تمہیں تمہارے حال پہ۔" اس نے بے اختیار بدر کے میز پر رکھے ہاتھوں پہ اپنے ہاتھ رکھ دیے.... اس نے سرعت سے اپنے ہاتھ نکال لیے وہ خالی ہاتھ رہ گئی۔

"بدر! ایسے مت کرو۔"

"تم جاؤ...."

"میں نہیں جاؤں گی۔"

"خدا کے لیے جاؤ۔ مت آیا کرو میرے پیچھے تم سب مزید مسائل کھڑے کرنے۔" وہ جیسے تھک گیا تھا۔ مایا نے دیکھا اس کی گردن کے زخم کا خون جم چکا تھا۔

"میں تمہیں بہت مضبوط اعصاب کا مالک سمجھتی تھی مگر تم اتنے سے تشدد سے ہار گئے؟"

"یہ بات نہیں ہے۔" تیزی سے کہتے کہتے وہ ایک دم چپ ہو گیا۔

"پھر کیا بات ہے؟ کس طرح کروایا ہے تم سے انہوں نے اقبال جرم؟"

"وہ زہرہ کو بیچ میں لے آیا تھا۔" وہ بہت دیر بعد بولا تو اس کی آواز میں صدیوں کی تھکن تھی۔ "زہرہ تھانے میرا پتہ کرنے آئی تھی' نادر نے کہا وہ اسے میرے سامنے بے عزت کرائے گا اگر میں نے اقبال جرم نہ کیا تو۔"

"اور تم نے یقین کر لیا؟ تم اتنے بے وقوف تو نہ تھے بدر! جس عورت کو حاصل کرنے کے لیے وہ یہ

ب کر رہا ہے؟ اسے ہی کسی اور کے ہاتھ میں دے دے گا؟ ارے کسی اور کو دینا ہوتا تو تم برے تھے کیا؟ وہ یہ سب کرتا ہی کیوں؟ بیلی کا کون سا مرد ہے جو اپنی عورت پہ کسی دوسرے کی نگاہ بھی برداشت کرے اور اگر زہرہ اتنے آرام سے تھانے آگئی تو یقیناً" پہلے بھی آتی رہی ہو گی، تم نے نہیں سوچا، وہ کیوں آتی ہے؟ کیونکہ نادر شاہ نے اس کے سامنے خود کو اس کا سچا ہمدرد ظاہر کیا ہو گا۔ کیا وہ زہرہ سے بدسلوکی کر کے خود کو اس کی نظروں میں گرائے گا؟"

بدر متذبذب سا اسے دیکھے گیا۔

"بدر! اس وقت بیلی کی وہ واحد عورت جس کی عزت کی حفاظت نادر شاہ خود کرے گا وہ زہرہ ہی ہے پھر تم نے کیوں کیا اقبال جرم؟ تم کوئی اور نہیں... اگر اس نے خود زہرہ کے ساتھ کچھ......"

"تاکہ ساری عمر کے لیے زہرہ کو خود سے نفرت کرنے پہ مجبور کر دے۔ ہمدردی اور خلوص وہ اس کے دل میں جگہ بنانے کے لیے ہی تو دکھا رہا ہے۔"

اس نے سر جھکا لیا، شاید اسے مایا کی بات پہ یقین آ گیا تھا۔

"تم نے میرا انتظار تو کیا ہوتا۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ گلہ کر گئی۔ "مجھ پہ اعتبار تو کیا ہوتا۔"

"تم کیا کرو گی؟"

"میں کر چکی ہوں، نتیجہ تم جلد دیکھ لو گے۔" پھر جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "کل تک مجھے امید ہے کہ سی آئی ڈی کو یہ معاملہ تفتیش کے لیے دے دیا جائے گا اور صبح تمہاری مجسٹریٹ کے سامنے پیشی ہے۔"

"ہاں، مجھے بیان دینا ہے۔"

"بدر! خدا کا واسطہ ہے، تم اقبالی بیان سے پھر جانا اور کہنا کہ پولیس کے دباؤ میں آ کر لکھوایا گیا ہے۔ کل تک سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ تاکید کر کے چلی گئی اور وہ اس کے جانے کے بعد بھی اس کی تھکان بھری سنہری آنکھوں کو اپنے اردگرد محسوس کرتا رہا، بہت عرصے بعد اسے لگا تھا کہ وہ فرنگی شہزادی اپنے خول سے باہر آ رہی ہے۔

مگر وہ کیا تھی، وہ کبھی بھی نہ سمجھ سکا۔ جانے بعض لوگ اتنے پیچیدہ کیوں ہوتے ہیں۔ انہیں برسوں جان لو پھر بھی ہر دفعہ ملنے پہ وہ مختلف لگتے ہیں۔

☼ ☼ ☼

اس نے وہی کیا جو مایا نے کہا تھا، وہ مجسٹریٹ کے سامنے اقبالی ہونے سے پھر گیا تھا۔

"نادر شاہ کے ذہنی دباؤ اور تشدد کی وجہ سے مجبور ہو کر میں نے اقبالی بیان پہ دستخط کیے تھے، اس نے دھمکی دی تھی کہ وہ میرے گھر کی عورتوں کو بیچ چوراہے پہ بے عزت کرے گا، میں مجبور ہو گیا تھا۔"

کیس سی آئی ڈی کے پاس چلا گیا۔ سی آئی ڈی کے دو افسران جن میں ایک انگریز انسپکٹر اور دوسرا مسلمان تھا، کیس کی تفتیش کے لیے بیلی راجپوتاں آ گئے، نادر شاہ کو فی الحال کام کرنے سے روک دیا گیا۔ کمدار جس کو نادر نے بدر کو بلوانے کے لیے پیغام دلوایا تھا اور بی چھمن کے بیان نئے سرے سے لکھوائے گئے۔ تفتیش از سر نو شروع ہوئی تو دوسرے ہی روز جب ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا، مگر بدر ضمانت پر رہا ہو گیا۔

وہ جب تھانے اسے لینے آئی تو اسے وہ پہلے سے قدرے بہتر لگا تھا۔

"تم کیوں آئیں؟ کسی ملازم کو بھجوا دیا ہوتا۔"

وہ دونوں ایک ساتھ باہر نکلے تھے۔

"ملازم کس کا؟ تمہارا یا میرا، تمہارا تو علم نہیں مگر اپنی تو ساری حویلی خالی پڑی ہے۔"

"کیوں؟ بڑے ٹھاکر کہاں گئے؟"

"وہ..." مایا نے رنجیدہ سی گہری سانس لی "ان کی طبیعت خراب رہنے لگی ہے، جو گڑھا انہوں نے تمہارے لیے کھودا تھا، وہ گھاس کا ڈھکن اوڑھ ان کے قدموں تلے آ گیا۔ اب حویلی میں میں ہوتی ہوں یا چند خادمائیں، بڑے ٹھاکر تو کمرے میں بیمار ہی پڑے رہتے ہیں بے چارے۔ خیر اگر کبھی آنا چاہو تو آ جانا۔"

"مایا.....!" دور فصلوں کو دیکھتے اس نے پکارا "تم

نے یہ سب کیسے کیا؟"

"میں نے ایک اعلا افسر سے بات کی تھی۔"

"کس افسر سے؟" وہ خاموش رہی تو بدر کو اپنا سوال دہرانا پڑا۔

"جان کارلس سے۔"

"پاپا؟" وہ دنگ رہ گیا۔ وہ ناخن کھرچتی نیچے دیکھ رہی تھی۔

"جان کارلس نے میرے لیے اتنا کچھ کیوں کیا؟"

"میں نے اس سے کہا تھا' میں شیکھر کا کیس بھول جاؤں گی' مگر وہ تمہیں رہائی دلائے۔"

"تم نے..." وہ شدید حیرت کے باعث بول نہیں پارہا تھا۔ "تم شیکھر کے قاتلوں کو بھول جاؤ گی؟"

"تمہارے لیے؟" اس نے ہاتھ سینے پہ باندھ کر سنجیدگی سے اسے دیکھا "ہاں بھول جاؤں گی چلو' شام ڈوبنے کو ہے۔"

وہ آگے چل دی تو وہ... اس کے پیچھے چلنے لگا۔ جانے اس کے کتنے اور روپ ابھی اس نے دیکھنے تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ گھر واپس آیا تو خزاں آلود حویلی میں جیسے عید اتر آئی تھی۔

سارے میں چراغاں ہوا' دیگیں پکیں' خیرات بٹی' کئی روز تک لنگر چلتا رہا' قرآن خوانی اور درس کی محفلیں سجتی رہیں مگر چاچی تھکتی نہیں تھی۔

وہ بار بار اس کے سر کا صدقہ دیتی' کبھی دودھ میں ہلدی ڈال کر پلاتی تو کبھی زخموں کی ٹکور کرتی۔

"کیا حال کردیا ہے ظالموں نے میرے بچے کا۔" وہ اس شام اس کی ٹکور کرتے ہوئے دکھی سی کہہ رہی تھی۔ "میں نے تو کبھی سخت ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ جا زہرہ اسے گرم کرکے لے آ۔" اس نے کٹوری دروازے سے لگی زہرہ کی طرف بڑھادی تو وہ جھجکتے ہوئے اندر آئی۔

وہ جب سے آیا تھا' اس سے کوئی بات نہیں کررہا تھا' بس کبھی کبھی ایک خاموش مگر سنجیدہ نگاہ ڈال لیتا' لبوں سے کچھ نہیں بولتا۔

اب بھی جب وہ کٹوری لے رہی تھی تو بس ایک نظر اس پر ڈالی پھر رخ پھیر لیا۔

"کتنی خدمت کرتی ہے بے چاری' آدھی رہ گئی تیری فکر میں۔" اس نے چوکھٹ پار کی ہی تھی کہ چاچی بولی' دروازے کے دوسری جانب اس کے قدم رک گئے۔ "تیرے پیچھے رو رو کر ہلکان ہوگئی تھی۔ اب تو کرلے قدر اس کی بدر' اب نہ دیکھنا اس میم کی طرف۔ ارے' جس دن اس نے اپنا قدم رکھا تھا حویلی میں اس دن سے ہی برا وقت آیا ہے ہم پر۔"

"برا وقت تیری اس چہیتی کی وجہ سے آیا ہے نہ کہ میم صاحب کی وجہ سے۔" وہ جیسے پھٹ پڑا تھا۔

"اس؟ کیا کہہ رہا ہے؟"

"اماں! پوچھ زہرہ سے کہ یہ کیوں گئی تھی ٹھاکروں کی حویلی؟ نہ یہ جاتی ادھر' نہ وہ کمینہ تھانے دار اسے دیکھتا' نہ وہ چھمن کو رشتہ دے کر بھیجتا اور ذلیل کرکے نکالنے پہ مجھ سے بدلے کی خاطر مجھے کیس میں پھنساتا اور یہ بے وقوف لڑکی' پھر تھانے چلی گئی۔" وہ بولتا گیا۔ چاچی حق دق سنتی رہی اور زہرہ' اس کے تو جسم سے جیسے سارا لہو نچڑ گیا تھا۔

"پاپا نے کبھی مجھ سے شکایت نہیں کی کہ زہرہ حویلی آئی تھی اور یہ پاپا ہی تھی جس نے صاحب لوگوں سے بات کرکے میری ضمانت کروائی ہے۔ مت کوسنے دیا کرو اسے اماں! وہ اتنی بری نہیں ہے جتنی تم دونوں اسے سمجھتی ہو۔"

اس نے "دونوں" کہا تھا' شاید اسے علم تھا کہ زہرہ تک آواز جارہی ہے' چاچی بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔ اور وہ اٹھ کر باہر نکل گیا۔ زہرہ کو بت بنا دیکھ کر رکا بھی نہیں بس باہر چلا آیا۔

☼ ☼ ☼

روز وہ تھانے جاتا تھا' تفتیش شروع تھی' نادر شاہ کو حراست میں لے لیا گیا تھا مگر معاملہ ابھی دبا نہیں تھا

بدر ابھی تک مشتبہ تھا کہ اس کی گوپال سے پرانی دشمنی تھی۔ صرف اور صرف ایک شخص اس قصے سے اس کی گلوخلاصی کروا سکتا تھا اور وہ تھا قبرستان کا بھوت۔

وہ پچھواڑے آگیا۔ دیوار کے ساتھ ایک کونے میں اس کا شکاری کتا شیرو بندھا تھا۔ زنجیر سے وہ اپنے پاؤں اور دم کو چاٹے جا رہا تھا۔

"رکھے۔۔۔ رکھے!" بدر نے ملازم کو آواز دی۔

رکھا دوڑتا ہوا آیا۔

"جی مالک۔" اس گیلے ہاتھ قمیص کے دامن سے پونچھے۔

"یوں کرو مہری۔۔۔۔"

اسی پل شیرو نے رکھے کو دیکھتے ہی بے تحاشا بھونکنا شروع کر دیا۔ بدر نے بات روک کر اسے دیکھا۔ "کیا ہوا؟"

"گوشت ڈال رہا تھا دیگ کے لیے۔ ہاتھ دھو لیے تھے پھر بھی اس کو بو آجاتی ہے۔" وہ جیسے جھنجلا کر شیرو کو دیکھنے لگا "بڑی ناک ہے اس کی' دور سے ہر شے سونگھ لیتا ہے۔ اچھی قسم کا گوشت ہو تو زیادہ بھونکتا ہے۔" رکھا کہہ رہا تھا اور وہ جیسے خواب سے جاگا۔

"اوہ خدایا! میں نے پہلے کیوں دھیان نہیں دیا اس بات پر۔"

"یوں کرو اس کا گوشت وغیرہ ساتھ لو اور اسے بھی ساتھ لے کر چلو جلدی سے۔" وہ تیزی سے ہدایت دیتا اصطبل کی طرف بڑھ گیا۔

اور جب وہ تینوں پرانے قبرستان پہنچے تو رکھا ڈر کے پیچھے ہٹا "صاحب! میں اندر نہیں جاؤں گا۔"

"اندر جانا بھی نہیں ہے۔" وہ چڑ کر بولا اور زنجیر اس کے ہاتھ سے لے لی۔

"پھر کیا۔۔۔۔؟"

"شیرو کو ادھر باندھ رہا ہوں' صبح کھول دیں گے۔"

"مگر کیوں صاب یہ تو۔"

"میرے باپ مت بنو۔" اس نے جھڑکا' پھر شیرو کی زنجیر خستہ حال پھاٹک کے ساتھ ایک جگہ سے باندھ دی۔ "اب جو بھی اندر جائے گا' اسے شیرو کو پھلانگ کر جانا ہوگا اور ایسے میں اس کی بو تو وہ پا ہی لے گا۔" وہ اس کو کھلا بھی چھوڑ سکتا تھا مگر اس صورت میں شیرو شاید اس بھوت کا قیمہ ہی کر دیتا' جبکہ بدر یہ نہیں چاہتا تھا۔

کتے کو باندھ کر اس نے ایک الوداعی نگاہ پرانے قبرستان پہ ڈالی۔ تباہ حال قبریں' ٹوٹے پھوٹے کتبے' ان پہ جھکا سایہ کرتا برگد کا وہ بوڑھا اداس درخت اور قبرستان کی خاموش پراسرار فضا۔۔۔۔ ان دیکھی سفید لبادوں میں ادھر ادھر اڑتی روحیں۔۔۔۔ گو۔ وہاں کچھ بھی نہ تھا مگر اس کا تخیل اسے دور لے گیا۔

"شیرو میری بات سنو' کسی کو اندر نہیں جانے دینا' مارنا بھی مت مگر اندر مت جانے دینا۔" وہ اسے سمجھاتا گیا اور شیرو دم ہلاتا پہ مارتا زمین پہ بیٹھ گیا۔

☼ ☼ ☼

"ملک صاب۔۔۔۔ ملک صاب!" کسی نے صبح سویرے اس کا دروازہ پیٹ ڈالا تھا۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔

رکھا اس پکارنے کے ساتھ ساتھ دروازہ زور زور سے بجا رہا تھا۔ وہ تیزی سے پلنگ سے اترا اور دروازہ کھولا۔

"سب خیر تو ہے؟"

"خیر نہیں ہے ملک صاب۔۔۔۔" جو اس بات سے رکھے کا سانس پھولا ہوا تھا۔

"ہوا کیا ہے؟"

"شیرو کو کسی نے قتل کر دیا ہے' اس کی لاش پرانے قبرستان کے باہر پڑی ہے۔"

وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔ شاید وہ کچھ کہنے کے قابل ہی نہ رہا تھا۔ صدمہ بہت شدید تھا۔

"یوں لگتا ہے کہ زبردست مارا ماری ہوئی ہے' ای شیرو جوان منڈا تھا' شاید جم کر مقابلہ کیا تھا مگر ظالموں نے ٹوکے سے گردن ہی کاٹ دی اس کی۔"

"چلو!" اس نے قمیص کے بٹن بند کیے' جوتی پہنی اور باہر نکل آیا۔

"بدر.... ناشتہ تو کرلے۔" اماں پکارتی رہ گئی مگر وہ تقریباً "بھاگتا ہوا باہر جارہا تھا۔

ویران پڑے قبرستان کا پھاٹک بند تھا' پھاٹک کی طرف شیرو کی لاش پڑی تھی۔ وہ پہلو کے بل گرا پڑا تھا' گردن پہ کسی تیز دھار آلے کا نشان تھا شاید کلہاڑی کے دو چار وار کیے گئے تھے' قریب ہی ڈھیر سارا خون پڑا تھا۔

اس کے قدم سست پڑگئے۔ دل میں ڈھیروں دکھ اتر آیا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا شیرو کے قریب آیا اور پنجوں کے بل زمین پر بیٹھا دکھ سے اسے دیکھے گیا۔

وہ اس کا بہت پرانا بہت وفادار دوست تھا۔ وہ ہمیشہ اس کے لیے بہترین گوشت' بہترین دودھ منگواتا تھا۔ وہ بہت خونخوار تھا' مگر بدر کی آنکھ تک کا اشارہ سمجھتا تھا۔ اسے یاد تھا جب وہ اسے ادھر باندھ کر گیا تھا' تو اس کی ہدایت سن کر وہ کتنی سمجھ داری سے بیٹھ گیا تھا جیسے واقعی وہ کسی کو اندر نہیں جانے دے گا۔

وہ ایک دم چونکا' اسے یاد آیا' اس نے شیرو کو قبرستان کے باہر باندھا تھا تاکہ وہ کسی کو اندر داخل نہ ہونے دے' اسے اندازہ تھا کہ قبرستان کا بھوت پھاٹک کھول کر اندر داخل ہوتا تھا' وہ چاہتا تو چھوٹی سی چار دیواری کو پھاند بھی سکتا تھا' مگر جانے کیوں وہ پھاٹک استعمال کرتا تھا۔ اس نے اس لیے کتے کو باندھا تھا جبکہ اب اس کی زنجیر کھلی پڑی تھی۔ جیسے کسی نے ہاتھ سے کھولی ہو تاکہ شیرو۔۔۔ والی ہو۔ قریب ہی تازہ مٹی کی کھدائی کا نشان تھا۔

بات کچھ سمجھ میں نہ آتی تھی۔ کیا وجہ تھی کہ کتے کو بھوت نے کھول دیا تھا؟

اس نے بغور دیکھا۔ شیرو کی لاش سے چند قدم دور گوشت کا ایک ٹکڑا پڑا تھا۔ اس کے ساتھ ایک فاختہ اور دو گلہریاں مری پڑی تھیں۔ بات اس کی سمجھ میں آنے لگی۔

چغہ پوش کو یقیناً "کتے کی بابت علم ہوگیا تھا' سو وہ زہر آلود گوشت ساتھ لایا تھا' اس نے یقیناً "اس کے سامنے گوشت پھینکا تھا' شیرو گوشت کو دیکھ کر تڑپ کر آگے بڑھا ہوگا اور گوشت کو شاید اس نے سونگھا بھی ہو مگر جیسے ہی چغہ پوش نے اندر داخل ہونا چاہا ہوگا اپنے مالک کی ہدایت کے پیش نظر وہ لپک کر اس کو روکنے لگا ہوگا۔ تو اپنے دفاع میں بھوت نے اسے مار ڈالا ہوگا۔ گوشت پڑا کا پڑا رہ گیا اور گلہریاں اور فاختہ اس کا شکار بن گئیں۔

"پھر یہ مٹی؟ اور کھلی زنجیر؟" وہ غور سے مٹی کو دیکھنے لگا۔

پھاٹک کے قریب مٹی کی چھوٹی ڈھیری تھی' ساتھ کھدائی کا نشان تھا۔ جسے پچھلی رات تازہ کھدائی کی گئی ہو یعنی کہ بھوت نے کتے کو مارنے سے پہلے کھدائی بھی کی اور جب کتا بھونکنے لگا اس کے پیچھے پڑ گیا تو اس نے جاتے جاتے کتے کا کام تمام کرنا مناسب سمجھا مگر کیوں؟ اسے کتے سے کیا خطرہ تھا؟ وہ آرام سے دیوار پھاند کر بھی تو جا سکتا تھا' اس نے کتے کو مارنا کیوں ضروری سمجھا؟ شاید اسے ڈر ہو کہ کتا اس کی بو پا گیا ہے' اس نے کتے کو زہر آلود گوشت سے مارنا چاہا اور کتے نے حملہ کردیا ہو تو اس نے اپنے بچاؤ میں کتے کو قتل کر ڈالا ہو۔

وہ ادھر ادھر زمین پہ غور سے دیکھتا پھاٹک تک واپس آیا۔ چیونٹیاں شیرو کی لاش کے اردگرد رینگ رہی تھیں۔ شیرو کی گردن پہ خون جم چکا تھا۔ اس نے جھک کر شیرو کا منہ کھولا۔ کچھ معلوم نہ ہوتا تھا کہ اس نے چغہ پوش کو کاٹا ہے یا نہیں۔ کیا کرے؟ اور پھر وہ ٹھہر گیا۔

شیرو کے پنجوں پہ ناخنوں کے اندر گوشت کے ریشے پھنسے تھے اور معمولی خون بھی جما تھا۔ یعنی شیرو نے بھوت پہ پنجوں سے حملہ کیا تھا اور یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ خون رس کر شیرو کے پنجوں پہ بھی لگ گیا تھا۔ یہ خون اس کا اپنا خون نہ تھا کہ اس کے ساتھ ریشے بھی تھے۔ یعنی اس وقت چغہ پوش کے جسم پہ کتے کے کاٹے کا نشان موجود تھا۔

وہ ادھر ادھر پھر سے دیکھنے لگا۔ اس کے نوکروں کے قدموں نے کھرے تباہ کر ڈالے تھے ورنہ اسے امید

تھی کہ اس صورتحال کے بعد چغہ پوش کو کھرے مٹاتا نہیں رہے ہوں گے۔ پھاٹک کے باہر دائیں طرف بالآخر اسے تین قطاروں میں کھرے نظر آ گئے۔ اس کے آگے پیچھے کے کھرے تباہ ہو چکے تھے۔

وہ غور سے انہیں دیکھنے لگا۔ وہ قدموں کے کھرے تھے' جوتی کے نہیں دائیں پاؤں کا کھر اصاف تھا' بائیں پاؤں کا کھرا آدھا تھا جیسے چغہ پوش بس ایڑی پہ زور دے کر پنجہ اٹھائے چل رہا ہو۔ کیا وہ لنگڑا تھا؟ مگر نہیں لنگڑا کر چل رہا تھا' یقیناً "شیرو نے اس کی ٹانگ پہ زخم دیا تھا اور وہ زخم یقیناً" ٹانگ کے خاصے نچلے حصے پہ یا پاؤں تھا کیونکہ بائیں کھروں پہ خون کے تین چار قطرے گرے نظر آ رہے تھے۔ زخم شدید تھا یا وہ کھرا کس کا تھا؟ یہ صرف کوئی کھوجی بتا سکتا تھا مگر کھوجی پولیس کا آدمی تھا۔ وہ نادر شاہ کے اب کسی بندے پہ بھروسہ نہ کر سکتا تھا۔

بہرحال مرتے مرتے بھی شیرو اپنا کام کر گیا تھا۔ اسے اب گاؤں میں کسی ایسے شخص کو ڈھونڈنا تھا جس کے پاؤں یا پنڈلی پہ تازہ زخم ہو' یا جو لنگڑا کر چلتا ہو۔ شیرو نے مرتے مرتے بھی وفاداری نبھا دی تھی۔

☼ ☼ ☼

"حکیم جی اندر ہیں ماسی؟"

اس نے سب سے پہلے ماسی نذیراں کا دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔ دروازہ کھولا اور آنکھیں ملتے ہوئے اسے دیکھا' شاید وہ ابھی سو کر اٹھی تھی۔

"بدر بابو؟" وہ حیران ہوئی' وہ بہت کم ادھر آیا کرتا تھا

"ہاں' حکیم جی اندر ہیں' آؤ اندر آؤ۔"

وہ اسے بیٹھک میں لے آئی۔

"بیٹھو ملک صاب۔" وہ کپڑے سے جگہ جھاڑنے لگی "خیر تال آئے ہو؟"

"ہاں جی۔" وہ سوچتے ہوئے بیٹھ گیا۔ "بس حکیم جی سے کام تھا۔"

ماسی نذیراں دروازے تک جاتی ٹھٹک کر پلٹی "کیسا کام؟"

"ایک مریض کا پوچھنا تھا' وہ ادھر آیا تھا شاید۔"

"کس ویلے؟"

"کل رات۔"

"کل رات؟" وہ حیران سی سوچ میں پڑ گئی۔ "رات تو بس مولوی غفور کی بیوی آئی تھی بچے کی دوائی لینے' اسے یرقان تھا۔"

"تم حکیم جی کو بلاؤ' شاید انہیں علم ہو۔" اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

وہ ادھر اس لیے آیا تھا کیونکہ بستی میں حکیم جی کتے کاٹے کا علاج کرنے والے واحد حکیم تھے۔ اگر چغہ پوش بھوت کو شیرو نے کاٹا تھا تو وہ یقیناً" ادھر ہی آیا ہو گا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ وہ شہر چلا جاتا' وہ یہ بھی کر سکتا تھا۔ لیکن اگر وہ بھوت جوگی شیکھر ہی تھا تو لازماً" ادھر ہی آتا۔

دروازہ کھلنے کی آہٹ ہوئی تو وہ بے اختیار کھڑا ہو گیا۔

حکیم جی اندر داخل ہوئے۔ پچاس سے اوپر کا سن تھا' ڈھلکے کندھے' سر پہ ٹوپی اور شانے پہ صافہ' لاغر سا استخوانی وجود۔ اسے دیکھ کر گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔

"کیسے آئے پتر؟" پھر بیٹھتے ہوئے بولے "نیک بخت بتا رہی تھی کہ کسی مریض کا پوچھنا تھا۔"

"ہاں جی۔" وہ بے چینی سے بولا۔ "کل رات کوئی شخص کتے کے کاٹے کا زخم پنڈلی یا پاؤں پہ لیے آیا تھا۔"

"کل رات؟" وہ حیران ہوئے "نہیں۔ ہرگز نہیں"

"پھر سے سوچ کر بتایئے۔" اسے ڈر تھا کہ اس نے رشوت دے کر حکیم کا منہ بند نہ کر دیا ہو۔

"نہیں' کل رات تو کوئی نہیں آیا۔ بس چاچی غفور کے بچے کو یرقان۔۔۔۔"

وہ پوری بات سنے بغیر اٹھ کھڑا ہوا۔

"شکریہ حکیم جی' چلتا ہوں۔" حکیم جی "ہیں ہیں" کرتے رہ گئے وہ تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

اگر وہ حکیم جی کے پاس نہیں آیا تو یقیناً" اس کے

پاس خود کوئی توڑ ہو گا یا وہ شہر گیا ہو گا۔ یہ بھی ممکن ہے جوگی شیکھر کے پاس توڑ ہو، وہ دوا دینے کا کام بھی کرتا تھا، لیکن اگر وہ شہر گیا ہے تو وہ جان کارلس ہو سکتا تھا۔ جانے کیوں باربار ــ اس کا ذہن بھٹک کر جان کارلس کی طرف جاتا تھا۔ وہی تھا جو شیکھر کے قتل میں ملوث تھا، وہی تھا جو اس رات قبرستان میں تھا۔ اسی نے بابا کو دھمکی دی تھی اور یہی دھمکی بھوت نے بھی دی تھی۔

اسے اب ان دونوں افراد کو از سرِنو چیک کرنا تھا۔

جوگی واپس آ کر اس نے ایک رقعہ لکھا۔

"میں قبرستان کے بھوت تک پہنچ چکا ہوں۔ شام تک ــ حاضر ہو کر بتاؤں گا" رقعہ ملازم کو دے کر ایلا کی طرف روانہ کیا۔

اب اس کا رخ جوگی شیکھر کی کٹیا کی طرف تھا۔

☼ ☼ ☼

آج پھر اس کا چیلا باہر بیٹھا تھا۔ وہ اس کے قریب گیا۔

"بابا سے ملنا ہے۔"

"یہ عمل کا وقت ہے، منگل کو آنا۔" چیلے نے رعب سے ڈپٹا۔

"منگل تو کل گزر گیا۔" اس نے کہتے ہوئے سکے نکالے اور انہیں ایک ہتھیلی سے دوسری ہتھیلی پر منتقل کیا۔ سکے کھنک اٹھے۔ چیلے نے بے اختیار ادھر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔

"تو اگلی منگل کو آ جاؤں؟"

"نہیں، نہیں، تمہارے لیے وقت نکل سکتا ہے۔"

"بہت بہتر۔" اس نے سکے اس کی جھولی میں ڈالے اور اندر کی جانب بڑھ گیا۔

خیمے میں آج بھی وہی تعفن پھیلا ہوا تھا، کپڑے کی دیواروں پہ الٹے سیدھے حروف لکھے تھے۔ ایک کونے میں ہنڈیا جل رہی تھی، جانے اندر کیا پک رہا تھا۔

شیکھر بابا چوکڑی مارے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے آنکھیں موندے بیٹھا تھا۔ وہ ایک نظر اس کے خیمے کے اندر ڈال کر پیچھے پاؤں ڈال کر مؤدب سا بیٹھ گیا۔

"بول کیا مانگتا ہے۔"

"اپنی بیوی کو حضور کے پاس علاج کے لیے لانا چاہتا ہوں۔ اس دن لایا تھا، اگر سرکار کو یاد ہو۔" جوگی نے آنکھیں کھولیں اور اگلے ہی پل اسے پہچان گیا۔ اس کی لال انگارہ آنکھوں میں رمق سی دوڑ گئی۔

"ہاں ہاں یاد ہے۔ آگے بول۔" پھر اس کے پیچھے خیمے کے دروازے کو دیکھا "بیوی کہاں ہے؟"

"وہ نہیں آتی، وہ آپ سے علاج کروانے سے ہچکچاتی ہے حضور۔"

اب کے جوگی نے آنکھیں سکوڑ کر اسے دیکھا۔

"سرکار۔" وہ قدرے آگے کو ہوا "میری بیوی کہتی ہے میں جسم کو دوانے والے سے اپنا علاج کیونکر کروا سکتی ہوں؟"

"کیوں؟ ہم اپنا جسم نہیں گدواتے!"

"پر سرکار! وہ کہتی ہے کہ اس نے خود دیکھا تھا، آپ نے اپنی بائیں ران گدوا رکھی ہے، وہ کہتی ہے جب تک اسے تسلی نہ ہو جائے کہ ایسا نہیں ہے، وہ نہیں آئے گی۔ اسے وہم ہوتے ہیں۔"

"نہیں ــ کدھر؟" جوگی نے پریشان سا ہو کر چغہ ہٹا کر اپنی سوکھی سڑی بائیں پنڈلی۔ سامنے کی بدرنے بے اختیار گردن اونچی کر کے دیکھا۔

اس کی پنڈلی بالکل صاف تھی نہ کتے کے کاٹے کا کوئی زخم تھا، نہ ہی گدوانے کا نشان (Tattoo)

"ٹھیک ہے سرکار۔" وہ جیسے نتیجے پہ پہنچ گیا تھا "میں اسے شام کو لے آؤں گا، اجازت دیجیے۔"

تو اس کا اندازہ ٹھیک تھا، وہ چغہ پوش کوئی اور نہیں، بلکہ جان کارلس تھا اب اسے صرف اور صرف اپنے شک بلکہ یقین کی تصدیق چاہیے تھی۔

☼ ☼ ☼

آج شاید قسمت اس کا ساتھ دے رہی تھی، وہ جیسے ہی گھوڑے پہ سوار گاؤں سے نکلنے لگا، جان

کارلس اپنے گھوڑے پہ سوار سامنے کچی سڑک سے آتا دکھائی دیا۔ بدر کو لگا آج ساری گتھی سلجھ جائے گی۔

"آہ۔۔۔ ڈی سی بہادر۔۔۔" اس نے گھوڑا روک لیا اور مسکرا کر اس کا استقبال کیا "یقین کیجیے مہاراج! میں ابھی آپ سے ملاقات کے لیے ہی جا رہا تھا۔"

"ویلکم ملک! کوئی خاص کام تھا۔" جان کارلس نے بھی گرم جوشی دکھائی۔

وہ دونوں کچی سڑک کے وسط میں آمنے سامنے گھوڑوں پہ تھے' اطراف میں بیلی کے درخت سر اونچا کیے کھڑے تھے۔

"آپ کو کچھ دکھانا تھا مہاراج!" اس نے ذرا کی ذرا نگاہ جان کارلس کی پتلون میں چھپی بائیں ٹانگ پہ ڈالی پاؤں میں بوٹ اور جرابیں تھیں اور اوپر کوٹ اور سر پر ہیٹ۔

"ارے وہ کیا؟" کارلس متجسس ہوا۔

"نہر میں مجھے کچھ دکھائی دیا ہے' تھا نیدار پہ بھروسہ نہیں ہے سو آپ کو زحمت دوں گا' یوں لگتا ہے جیسے کسی واردات کا سراغ مل گیا ہو۔ آپ میرے ساتھ چلیے۔" وہ بار بار ایک چور نگاہ اس کی ٹانگ پہ ڈالتا تھا۔

"کیوں نہیں۔" کارلس تیار ہو گیا۔ "ابھی چلو۔"

وہ دونوں اپنے گھوڑے آگے پیچھے نہر کے قریب لے آئے۔ کارلس متلاشی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"شما کیجیے مہاراج! آپ کو زحمت ہو گی' مگر آپ کو اترنا پڑے گا۔"

"ہاں کیوں نہیں۔" کارلس ہیٹ سنبھالتا گھوڑے سے اتر آیا۔ اس کی چال سے کچھ ظاہر تو نہ ہوتا تھا' مگر اصل اندازہ اس کی پنڈلی دیکھ کر ہی کیا جا سکتا تھا۔

"ادھر آئیے۔" بدر نہر میں اتر آیا اور پانی میں ہاتھ مارنے لگا جیسے کچھ ڈھونڈ رہا ہو۔ کارلس متذبذب سا کنارے پہ کھڑا رہا۔

"آجائیے مہاراج' مجھے یہاں خون نظر آیا تھا' یقیناً" کوئی لاش قریب ہی ہے۔" اس سے آگے کارلس کو کچھ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ "اچھا" کہہ کر وہ پانی میں اترنے کے لیے تیار ہو گیا۔

بدر پانی میں ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگا' اسے معلوم تھا کہ جان کارلس جیسا فرنگی بہادر پتلون اوپر چڑھا کر ہی پانی میں اترے گا اور یہی اسے دیکھنا تھا۔

کارلس جھکا اور پتلون اوپر موڑنے لگا۔ دائیں پنڈلی سامنے آئی' اب وہ جوتے اتار کر بائیں طرف کی پتلون اوپر تہہ کر رہا تھا۔

بدر ہاتھ روکے دم سادھے اسے دیکھتا رہا اور پھر اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ کارلس کی سرخ و سفید ٹانگ بالکل صاف تھی۔ ہلکے سے سنہری بالوں کے روئیں کے علاوہ کسی قسم کا کوئی نشان نہ تھا۔

اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

پھر وہ کون تھا؟؟؟

کارلس اب پانی میں اتر رہا تھا۔ بدر کو ایک دم ہی وہ بے حد معصوم نظر آنے لگا۔ وہ تو بے قصور ہی تھا۔ بھوت تو کوئی اور تھا اور یقیناً" اب تک گاؤں سے بھاگ چکا تھا۔ اب وہ مایا کو کیا بتائے گا' اس نے تو بھوت پکڑنے کا دعوا کر دیا تھا۔

شدید شرمندگی' زک اور مایوسی نے اسے ایک آن گھیرا۔ وہ پھر سے وہیں کھڑا تھا جہاں پہلے دن تھا۔ کوئی سراغ' کوئی سرا' کوئی نشان اس کے ہاتھ نہ تھا۔

بہت مشکل سے کارلس سے جان چھڑا کر وہ راجپوتوں کی حویلی آیا تھا۔ حویلی خاموش اور ویران پڑی تھی۔ اس کے مکین اندھی دشمنیوں اور سازشوں کی نذر ہو چکے تھے۔ اس لمحے اس عالی شان حویلی کے سامنے کھڑے اسے ٹھاکر رگھو ناتھ پہ بے پناہ ترس آیا تھا۔

کتنی ہی دیر وہ بڑے پھاٹک کے سامنے کھڑا رہا' یہ دہلیز اس نے کبھی پار نہ کی تھی' پھر آج کیسے کرتا؟

اور تب اسے بالکونی میں وہ سوگوار سی اجلی سنہری بالوں والی لڑکی نظر آئی۔ وہ بالکونی میں کرسی ڈالے گود میں اون کے گولے لیے سلائیوں پہ کچھ بُن رہی تھی' یکبارگی نگاہ اٹھا کر نیچے دیکھا تو چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔

زور زور سے وہ کسی کو آواز دینے لگی اور پھر مسکرا کر بدر کو دیکھا۔ وہ جواباً "مسکرا بھی نہ سکا۔ اسے عجیب سی خفت ہو رہی تھی۔ وہ مایا کو کیا جواب دے گا؟

روپ وتی بھاگتی ہوئی آئی اور پھاٹک کھولا۔

"میم صاب آپ کو اوپر بلاتی ہیں۔"

اور اس سے انکار نہ ہو سکا۔ وہ کسی معمول کی طرح چلتا ہوا روپا کے پیچھے اندر آ گیا۔

حویلی ویران ہو گئی تھی' فضا سوگوار اور در و دیوار ماتم کناں تھے۔ کبھی یہ مہاراجہ بلدیو سنگھ کا محل ہوتی تھی' اب بس ایک حویلی رہ گئی تھی مگر مہاراجہ کی عظمت اور شان و شوکت آج بھی اس کے میناروں کے کنگروں سے ٹپک رہی تھی۔

وہ سیڑھیاں عبور کر کے مایا کے کمرے تک آیا تو روپا واپس پلٹ گئی۔

دھیرے دھیرے چلتے کمرہ عبور کر کے وہ بالکونی تک آیا۔ سلائیاں ابھی تک مایا کے ہاتھ میں تھیں' وہ اس کے استقبال کے لیے اٹھ کر کھڑی ہوئی تو اون کا گولا زمین پہ گر گیا۔

"آؤ بیٹھو۔" وہ یقیناً" اس کے آنے سے خوش تھی۔ بدر بمشکل مسکرا پایا' پھر وہیں منڈیر سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

"کیسے ہو؟" وہ واپس کرسی پہ بیٹھ گئی' اون کا گولا جھک کر زمین سے اٹھا کر گود میں رکھا' سلائیاں بھی چھوڑ دی تھیں۔

"ٹھیک ہوں؟" اس نے سر جھکا لیا۔ وہ اسے کیا جواب دے گا؟

"تم نے بھوت کا سراغ لگا لیا؟" وہ بے صبری سے پوچھنے لگی۔

"میں نے پیچھا تو کیا' مگر۔۔۔" وہ سر جھٹک کر منڈیر کے اس پار دیکھنے لگا۔

دور کھیتوں کے اوپر سورج کی سرخ سی گیند نیلے آسمان پہ واضح تھی' چڑیوں کے غول اڑ کر اپنے آشیانوں کو واپس پلٹ رہے تھے۔ وہ اڑتی چڑیوں کو دیکھے گیا۔

"مگر کیا؟ تم نے کس کا پیچھا کیا؟ شیکھر کا؟"

"ہاں مگر میں جان کارلس سے بھی ملا۔" وہ اب بھی دور ہوتی چڑیوں کو دیکھ رہا تھا۔

"تو کیا وہ بھوت کارلس ہے۔" وہ بے صبری سے کھڑی ہوئی تو اون کا گولا زمین پہ لڑھکتا چلا گیا۔ دھاگہ کھلتا گیا' مایا نے جھنجلا کر اسے پکڑنا چاہا مگر گولا دور جا رہا تھا۔

"ٹھہرو۔" وہ گولے کے پیچھے گئی جو بالکونی کے کونے پہ جا کر رکا تھا اور جھک کر اسے اٹھایا۔ بدر گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

"ہاں' تم کیا کہہ رہے تھے؟" وہ گولا اٹھا کر واپس آ رہی تھی اور بدر بھول گیا کہ وہ کیا کہہ رہا تھا' وہ کیا کہنے آیا تھا وہ سارا دن کیا کرتا رہا تھا' اسے سب کچھ بھول گیا تھا' وہ بس یک ٹک سامنے کا منظر دیکھے گیا۔

مایا اون کا گولا اٹھائے اس کے قریب آ رہی تھی۔ بدر نے دیکھا' وہ لنگڑا کر چل رہی تھی' دائیں پاؤں پہ زور دیتی' بایاں پاؤں قدرے ٹیڑھا رکھ کر چلتی وہ واپس کرسی پہ بیٹھی' گولا پھر سے گود میں دھرا اور ٹانگ پہ ٹانگ رکھی تو تائی قدرے اوپر ہو گئی' اس کی بائیں پنڈلی جھلکی جہاں ٹخنے سے ذرا اوپر پٹی بندھی تھی۔

وہ جیسے پتھر کا ہو کر رہ گیا۔

"ہاں۔۔۔ کیا کہہ رہے تھے؟ کون ہے وہ بھوت؟" وہ اسی طرح عام سے انداز میں پوچھ رہی تھی اور۔۔۔ ساری گتھیاں سلجھ گئی تھیں۔

"بدر۔۔۔!" اس نے پکارا تو وہ جیسے خواب سے جاگا۔

"وہ بھوت تم ہو مایا! وہ جغہ پوش تم ہو۔ تم ہو جو روز رات کو جاتی ہیں پرانے قبرستان۔ وہ جغہ تمہارا ہے' تم تھیں جس نے منگل سنگھ کو مرتے دیکھا تھا' اسے اگر زندگی موقع دیتی تو وہ مجھے بتا دیتا کہ وہ بھوت در اصل شیکھر کی میم صاب ہے مگر وہ کہہ نہ سکا۔ وہ تم تھیں مایا' وہ ہمیشہ سے تم ہی تھیں۔ تم نے کل رات شیرو کو مارا اور یہ بھی جانتی ہو کہ شیکھر کو کس نے مارا ہے۔ تم جانتی تھیں کہ وہ بھوت نہ گوپال ہے اور نہ ہی جوگی مگر

تم نے مجھے غلط راستے پہ لگایا تاکہ میں تم پہ شک نہ کر سکوں اور اس رات جب گوپال کا خون ہوا تو وہ تم تھیں مایا جس نے نادر شاہ کا جرم دیکھا تھا، وہ تم تھیں مایا۔"

اس کا دماغ ابھی تک سائیں سائیں کر رہا تھا اتنا بڑا دھوکا!!

وہ خاموشی سے اس کا کہا گیا ایک ایک لفظ سنتی رہی پھر گہری سانس لے کر بولی "تو تمہیں جان کارلس نے سب کچھ بتا دیا؟"

وہ کارلس سب جانتا تھا، مگر وہ یہ سوچ کر حیران نہیں ہوا اب کوئی چیز اسے مزید حیران نہیں کر سکتی تھی۔

"جان کارلس تمہارا کیا لگتا ہے؟" وہ بولا تو اس کی آواز میں عجیب سی شکستگی اور اجنبیت تھی۔ مایا نے ہولے سے استہزائیہ سر جھٹکا۔

"وہ خبیث بڈھا میرا باپ ہے!" اور وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

سامنے کھڑی عورت کون تھی، وہ نہیں جانتا تھا۔ وہ کبھی جان ہی نہ سکا تھا۔

"تم کون ہو مایا؟ تم کون ہو؟"

وہ اسی طرح سامنے کھیتوں کو دیکھ رہی تھی۔ نارنجی بادلوں کے سامنے سے اکا دکا پرندے اڑ رہے تھے۔

"تم جانتے ہو میرے بارے میں بدر؟" وہ بہت دیر بعد بولی تو آواز میں صدیوں کی تھکن تھی۔

"یہی کہ تمہارا نام مایا فرینڈس ہے تم ..... تم فرنگی شہزادی ہو، اور اور تم شکھر کی محبت میں ہندوستان آئیں۔" مایا نے آہستہ سے چہرہ اس کی طرف موڑا۔

"نہ میں شہزادی ہوں، نہ ہی میں شکھر کی محبت میں ہندوستان آئی تھی اور نہ میرا نام مایا فرینڈس ہے۔" اس کی سنہری آنکھوں میں بے پناہ تھکاوٹ تھی۔ "میں تو لندن کے تھیٹر کی ایک اداکارہ ہوں بدر! میں نے تو بکنگھم کا شاہی محل آج تک اندر سے نہیں دیکھا۔"

وہ پھر سے سامنے دیکھنے لگی تھی۔

"میں، میرین جان کارلس عرف مایا وتی کون ہوں، ہندوستان کیوں آئی ہوں، یہی تم سے چھپانے کے لیے میں نے تمہیں ہر ممکن طریقے سے غلط راستے پہ لگایا، اس لیے نہیں کہ مجھے تم سے خطرہ تھا، یقین کرو تم میرا کچھ نہ بگاڑ سکتے تھے۔" وہ مایوسیت سے مسکرائی، بدر کو لگا اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

"بلکہ صرف اس لیے کہ میں جانتی تھی جس دن تم جان جاؤ گے، میں تمہارا اعتبار کھو دوں گی پھر بھلے تمہیں اپنی محبت کا کتنا یقین دلاؤں، تم کبھی نہیں مانو گے کہ اتنے عرصے سے تمہارے ساتھ اداکاری کرنے والی لڑکی کو واقعی تم سے محبت ہے۔"

اس نے اضطراری انداز میں بالوں میں انگلیاں چلائیں، موتیوں کی لڑی سے ہاتھ ٹکرایا تو اس نے چونک کر اسے انگلیوں کے بیچ تھاما اور کرب سے مسکرائی۔

"میں نے بہت چھوٹی عمر میں چاقو دکھا کر لندن کی ایک سنسان گلی میں ایک امیر کبیر عورت سے یہ موتیوں کی مالا لوٹی تھی بعد میں مالا توڑ کر اسے بالوں میں پرو دیا۔ چوریاں ..... ہاں بہت چوریاں کی ہیں میں نے۔"

وہ پھر سے وہی ٹوٹی بکھری، عام سی سادہ سی لڑکی لگنے لگی تھی جو اس روز جنگل میں درخت کے کٹے تنے پہ بیٹھ کر رو رہی تھی۔ شہزادیوں کا نقاب جو اس نے چڑھا رکھا تھا، جانے کدھر کھو گیا تھا۔

"تم میری کہانی سننا چاہو گے؟" وہ جیسے خود پہ ہنسی۔ بھیگی سی ہنسی۔ آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر چہرے پہ پھسلتا گیا۔

وہ چپ چاپ اسے دیکھے گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے مگر ایک بات طے تھی، اسے اب اس کے کسی آنسو کا اعتبار نہیں رہا تھا۔

اس کی خاموشی پہ وہ خود سے کہنے لگی۔

"میرا نام میرین جان کارلس عرف مایا وتی ہے۔ میرین کے نام سے میرا بپتسمہ ہوا تھا، یہ نام مجھے میرے باپ جان کارلس نے دیا تھا اور مایا وتی میری ہندوستانی ماں نے۔ ہندوستان میں فرنگیوں کی ہندوستانی عورتوں سے اولادوں کے دو نام ہوتے ہیں۔ میری ماں کارلس

کی بیوی نہیں تھی، وہ صرف اس کی "بی بی" تھی کارلس میرا باپ نہیں ہے، یہ کارلس کو بہت دیر سے علم ہوا۔

میری ماں اپنے حقوق کے لیے ساری عمر کارلس کی منت کرتی رہی کہ وہ اس سے شادی کرلے، انگریز سرکار کی عدالت میں، مگر کارلس نے ایسا نہ کیا، پھر جب اس کی پوسٹنگ واپس برطانیہ ہوئی تو وہ مجھے ساتھ لے گیا۔ میری ماں پیچھے روتی رہی، بلکتی رہی، اور پھر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرگئی۔ اسے جگر کا سرطان تھا، اس نے پیچھے سے کارلس کو بہتیرے خط لکھے مگر وہ واپس نہ آیا، نہ اس نے مجھے میری ماں کے حوالے کیا۔ حالانکہ فرنگیوں کے حرم میں داخل ہونے والی ہر بی بی کی طرح میری ماں بھی جانتی تھی کہ اس کی اولاد کبھی اس کی نہیں رہے گی مگر اس وقت دولت کی ہوس میں وہ اتنی اندھی تھی کہ اس نے یہ نظر انداز کردیا۔ جب کارلس واپس نہ آیا تو اس نے اسے ایک آخری خط لکھا جس میں بہت سی گالیوں کے علاوہ یہ بھی بتایا کہ میں کارلس کی اولاد نہیں بلکہ اس کے ایک فرنگی دوست کی اولاد ہوں جو اکثر ہمارے گھر آیا کرتا تھا۔ اس خط کے پہنچنے کے تیسرے روز میری ماں مرگئی۔

تب میں نو برس کی تھی۔ جب کارلس کو یہ علم ہوا، اس نے مجھے ایک بوجھ کی طرح پالا۔ وہ مجھے دن رات میری ماں کے طعنے دیتا تھا، مگر کبھی کبھی اسے لگتا تھا کہ میری ماں نے آخری وقت یہ جھوٹ اس لیے بولا تاکہ وہ تنگ آکر مجھے ہندوستان واپس اس کو دے آئے، مگر پھر جب وہ میرے نین نقش دیکھتا تو اسے لگتا میں اس کی بیٹی نہیں ہوں۔ اس کے لیے میں بوجھ تھی۔ بہت بڑا بوجھ۔

وہ مجھے بورڈنگ میں داخل کرا کے دوبارہ ہندوستان چلا گیا۔ سال میں ایک آدھ بار جانے کس جذبے کے تحت ملنے آتا تھا، میں کبھی نہ جان سکی۔ میں یتیموں کی طرح بڑی ہوتی گئی۔ نہ میں پڑھائی میں اچھی تھی، نہ کھیل کود میں، میری شکل بھی معمولی سے ذرا اچھی تھی۔ میں غریب لڑکی تھی، یہاں تک کہ وہ دن آن پہنچا جب میری سر ایڈمنڈ سے پہلی ملاقات ہوئی۔"

وہ اتنا کہہ کر چپ ہوگئی۔ نارنجی بادل شام کی گہری نیلاہٹ میں بکھرتے جا رہے تھے۔ اس کے لبوں پہ مغموم سی مسکراہٹ تھی۔ وہ یہاں نہیں تھی، وہ کہیں دور بہت دور، بہت پیچھے کہیں کھوئی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک منظر جھلملا رہا تھا۔ اسکول کی ایک راہداری میں سے گزرتا وہ کوٹ اور ہیٹ میں ملبوس ادھیڑ عمر شخص جو ساتھی ٹیچر سے مصروف انداز میں بات کرتا ایک دم راہداری کے سرے پہ ٹھٹک کر رک گیا تھا۔

"سر ایڈمنڈ تھیٹر کے بہت بڑے اداکار و ہدایت کار تھے، ان کی میرے اسکول کے ایک استاد سے دوستی تھی، اس سے کسی کام کے سلسلے میں وہ اسکول آئے تو راہداری میں سے گزرتے انہوں نے میری آواز سنی۔ میں دوسری طرف سیڑھیوں پہ بیٹھی اپنے خرگوش سے باتیں کررہی تھی، کبھی بلی کی آواز نکالتی، کبھی شیر کی، کبھی ہاتھی تو کبھی طوطے کی، کبھی ممی بن کر ڈانٹتی، کبھی ڈیڈی بن کر بہلاتی، تو کبھی سٹھیائی ہوئی بوڑھی لینڈ لیڈی بن کر کرایہ مانگتی......

میں خرگوش سے عادتاً "کھیل رہی تھی، وہ بھلا کہاں سمجھتا تھا، مگر سر ایڈمنڈ نے سمجھ لیا۔ وہ لپک کر میرے پاس آئے اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ میں نے یہ فن کہاں سے سیکھا ہے۔ میں ڈر گئی۔ میں نے کہا میں نہیں جانتی۔ انہوں نے مجھ سے میرے ماں باپ کے متعلق سوالات کیے تو میں نے بہت مہارت سے پے در پے جھوٹ بولے۔ وہ سن کر، سمجھ کر چلے گئے اور بعد میں میرے کاغذات نکلوائے تو تمام معلومات اس کے برعکس نکلیں۔ وہ واپس میرے پاس آئے، غصہ کرنے نہیں بلکہ یہ بتانے کہ میں ایک دن تھیٹر اور فلم کی ایک بہت بڑی اداکارہ بنوں گی اور یقین مانو میں نے ان کا اعتبار نہیں کیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر مجھے تھیٹر میں کبھی چانس چاہیے ہو تو ان کے پاس آجاؤں، میں نے ان کا پتہ لے لیا۔ اس وقت میں چودھویں برس میں تھی۔ مجھے معلوم تھا میں ان کے پاس کبھی

نہیں جاؤں گی۔"

وہ رک کر ہولے سے ہنسی، پھیکی، نامکمل سی ہنسی۔

سورج اب ڈوب رہا تھا، سرخی مائل روشنی میں بدر دیکھ سکتا تھا اس کی آنکھوں کے گوشے ابھی تک بھیگے ہوئے تھے۔

"اور پورے دو برس بعد میں ان کے تھیٹر کے باہر کھڑی تھی۔ مجھے اسکول سے خارج کر دیا گیا تھا، میرے پاس کھانے کو پھوٹی کوڑی نہ تھی، تب میں نے پہلی دفعہ چوری کی اور یہ موتی چرائے۔

پھر بھی کچھ ہاتھ نہ آیا تو میں نے سرایڈمنڈ کے تھیٹر چلی گئی۔ وہاں کسی نے مجھے داخل نہ ہونے دیا۔ معلوم ہوا کہ سرایڈمنڈ کو تو مرے ڈیڑھ سال ہو چلا تھا۔ میں نے کئی مہینے تھیٹروں اور اسٹوڈیوز کے چکر لگائے، مگر وہاں کوئی مجھے اندر داخل تک ہونے نہ دیتا تھا۔ کارلس بھی واپس ... چھوٹی موٹی چوریوں پہ گزارا کرتی رہی۔ پھر ایک روز مجھے ایڈگر ملا۔ لوئی ایڈگر۔ وہ فرانسیسی ماں کا بیٹا تھا۔ تھیٹر کا بہت بڑا نام۔ میں روز اس کو دیکھتی تھی، پھر ایک دن میں نے اس کے گھر تک اس کا پیچھا کیا، اور رات دیر تک انتظار کرتی رہی، پھر جب چوکیدار ادھر ادھر ہوا تو میں دیوار پھاند کر اندر گئی اور سوئے ہوئے لوئی کی گردن پہ چاقو رکھ کر اسے اٹھایا۔

وہ بہت بڑا اداکار تھا، بالکل نہ گھبرایا، پرسکون سا مجھے دیکھنے لگا۔

اس نے مجھ سے پوچھا، "مجھے کیا چاہیے؟" میں نے کہا، "مجھے اپنے ساتھ ڈرامے میں رول دلوائے۔" لوئی نے ہامی بھری اور ایک رقعہ مجھے دیا کہ اسے لے کر کل اسٹوڈیو آجاؤں۔ میں خوشی خوشی چلی گئی اور اگلے روز اسٹوڈیو آگئی، مگر رقعے کے باوجود جب دو دن تک کسی نے مجھے داخل نہ ہونے دیا تو مجھے احساس ہوا کہ لوئی نے مجھے محض بہلاوا دے کر جان چھڑائی تھی۔ اگلی رات میں پھر اس کے گھر چلی گئی۔ اس دفعہ میں نے اسے نہ جگایا، بلکہ اس کی ایک قیمتی ہیرے کی گھڑی جو میں نے پہلے بھی اس کے گھر دیکھی تھی، اٹھائی اور اس کی جگہ وہی رقعہ رکھ دیا۔

وہ گھڑی لوئی کو اس کی محبوبہ نے دی تھی، وہ اس کا دیوانہ تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح مجھے ڈھونڈتا رہا، اسے وہ گھڑی واپس چاہیے تھی، اس نے پولیس کو نہ بتایا کہ وہ جانتا تھا، میں اداکاری کی دیوانی اس کی گھڑی تباہ کر دوں گی۔ ہفتے بھر بعد میں تھیٹر گئی اور گھڑی لوئی کو لوٹا دی، اس روز مجھے اپنا پہلا کردار مل گیا۔"

بادل سیاہ پڑ گئے تھے، نیلے آسمان پہ تارے جگمگانے لگے تھے، شام کب ڈھلنے کو تھی۔

"میں چند برسوں میں لندن کے تھیٹر کی کامیاب اداکاراؤں میں سے ایک ہو گئی۔ میں نے بہت سے کردار کیے، ایتھنز کی جادوگرنی کا کردار، پاگل عورت کا کردار۔ میں نے کون سا کردار نہیں کیا۔ ہر کردار میں خود کو ڈھالا، یہاں تک کہ تین برس پہلے جب میں نے ایک اطالوی شہزادی کا کردار کیا تو ناٹک دیکھنے والوں میں کھڑے ہو کر تالیاں بجانے والا جان کارلس بھی تھا۔ اس نے مجھے پہچان لیا تھا، میں تو خیر اسے برسوں سے پہچانتی تھی۔ وہ کھیل کے بعد مجھ سے ملا مگر میں نے اس سے رکھائی برتی، وہ مایوس سا چلا گیا۔ جانے وہ کس رشتے کے تحت آیا تھا؟ پھر وہ اکثر چلا آتا، میں اس کے ساتھ بے رخی برتتی، مگر وہ برا نہ مانتا۔ اس نے مجھے اپنا پتہ دے رکھا تھا مگر میں کبھی اس سے ملنے نہیں گئی۔ مجھے جان کارلس سے ذرا بھر بھی دلچسپی نہ تھی۔"

وہ یاد کر کے بول رہی تھی، بہت سی الجھی یادوں کے سرے ایک دوسرے میں پھنسے تھے، وہ جیسے ٹھہر ٹھہر کر انہیں سلجھا رہی تھی۔

"میں جب کردار کرتے کرتے تھک گئی تو سوچتی تھی کہ کبھی تو ایک دن ایسا آئے گا جب میں کوئی ایسا کردار کروں گی جو صدیوں تک امر ہو جائے گا اور وہ کردار اسٹیج پر نہیں عام انسانوں کے بیچ پرفارم ہو گا۔ اس کے داد دینے والے، اس کو سراہنے والے، اس کے لیے تالیاں بجانے والے اردگرد کے لوگ ہوں گے۔ میں برسوں اس کردار کی تلاش میں رہی اور پھر

ایک شام کارلس نے مجھے وہ کردار دکھا ہی دیا۔ تب میری سمجھ میں آیا وہ کیوں میرے پاس پلٹ پلٹ کر آتا تھا۔

"اسے تلاش تھی ایک ایسی چیز کی جس کے بارے میں جاننے والی ہندوستانی نسلیں کب کی مرکھپ گئی تھیں، مگر وہ برسوں ہندوستان میں رہا تھا' اسے یہاں کے بہت سے غیر سرکاری رازوں کا پتہ تھا' جانے کہاں سے اس کے ہاتھ ایک خط کا آدھا ٹکڑا لگا تھا جس میں "ماہ ملکہ" کا ذکر تھا' وہ جو چاند سے زیادہ خوب صورت ہے اس کا ذکر تھا' مگر وہ خط کس نے کس کو لکھا تھا' وہ جانتا نہ تھا اور سراغ رسانی اس کی طبیعت میں نہ تھی۔

اس خط میں مہاراجہ بلدیو سنگھ کا ذکر تھا جس نے "ماہ ملکہ" کو گاؤں کے پرانے قبرستان میں ایک لکڑی کی چھوٹی سی ناند میں کوئلوں کے بیچ رکھ کر دفن کر دیا تھا۔ مہاراجہ بلدیو سنگھ کون تھا' نہ وہ جانتا تھا نہ میں اور میں تو تب یہ بھی نہ جانتی تھی کہ یہ "ماہ ملکہ" کیا ہے۔ میں نے تو جھٹ کارلس کو انکار کر دیا تھا کہ میں ہندوستان جا کر اس فضول قصے کہانیوں کے پیچھے خوار نہیں ہو سکتی۔ وہ چاہتا تھا میں اس کی مدد کروں' مگر میں نے توجہ نہ دی یہاں تک کہ کئی مہینے گزر گئے اور جب میرے کیریر پہ برا وقت آنے لگا۔ پیسے کی تنگی ہوئی اور کرداروں کی کمی' تو میں نے کارلس کی مدد کرنے کی حامی بھرلی اس شرط پہ کہ "ماہ ملکہ" میں آدھا حصہ میرا ہو گا۔

دو برس میں نے برٹش لائبریری اور بعد میں ہندوستان آ کر یہاں کی لائبریریوں اور کاغذات کو کھنگالنے میں گزارے۔ شاید دو برس سے بھی زیادہ گزر گئے میں کھوجتی رہی' سر کھپاتی رہی اور پھر مجھے علم ہوا کہ مہاراجہ بلدیو سنگھ کو مرے عرصہ بیت چکا ہے' وہ اٹھارویں صدی کے وسط میں دشمنوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا' اس کا تعلق بیلی راجپوتاں نامی گاؤں سے تھا' جواب ایک مختلف سرکاری نام سے موجود ہے۔ میں نے اور کارلس نے مہاراجہ بلدیو سنگھ کے جانشینوں کو کھوجنے میں عرصہ گزارا' یہاں تک کہ ہمیں شیکھر مل گیا۔

ٹھاکر شیکھر راج بھی بیلی کے دوسرے لوگوں کی طرح "ماہ ملکہ" کے وجود سے لاعلم تھا' وہ اسے ایک فرضی داستان گردانتا تھا۔"

"وہ فرضی داستان ہی ہے مایا!" بدر کہہ اٹھا "ماہ ملکہ ایک myth ہے' ایک فرضی لیجنڈ اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ مہاراجہ بلدیو سنگھ کی پگڑی میں جو ہیرا جڑا تھا' وہ ایک عام سا ہیرا تھا' اس میں کوئی خاص بات نہ تھی۔ بعد میں لوگوں نے اسے "ماہ ملکہ" کا نام دے کر اس سے کہانیاں منسوب کر ڈالیں۔"

وہ کرب سے مسکرائی "کاش کہ ایسا ہوتا۔"

پھر اندر کمرے میں چلی آئی۔ دیوار پہ وہ قد آدم تصویر آویزاں تھی۔ وہ بوڑھا مہاراجہ بہت تمکنت سے سامنے دیکھ رہا تھا۔ اس کی پگڑی میں بڑا سا ہیرا جڑا تھا' جس سے شعاعیں سی پھوٹ رہی تھیں۔ نیچے وہ شبیہ لکھا تھا۔

"شبیہہ حقیقی مہاراجہ بلدیو سنگھ۔"

"کاش ایسا ہوتا جیسے تم کہہ رہے ہو ہندوستانی نیزہ باز! مگر ایسا نہیں ہے۔ "ماہ ملکہ" کے بارے میں بہت کم لوگ جانتے ہیں' میں نہیں جانتی کہ یہ مہاراجہ بلدیو سنگھ کے پاس کیسے آیا' مگر شاید تم نے آندھرا پردیش کے علاقے سے نکلنے والے اس دوسرے ہیرے کے متعلق سنا ہو جسے دنیا کوہ نور کے نام سے جانتی ہے' جو کبھی مغلوں کے پاس رہا تو کبھی رنجیت سنگھ کے پاس اور جب کمپنی بہادر نے ہندوستان پہ قبضہ کیا تو یہ ہیرا ملکہ عالیہ کے تاج کی زینت بنا۔ اسی غار سے نکلنے والا دوسرا ہیرا "ماہ ملکہ" مہاراجہ بلدیو سنگھ کی ملکیت میں آیا۔

میں نے تم سے کہا تھا نا' مجھے شیکھر میں وہ نظر آیا تھا جس کی قیمت تم ایک بلند و بالا چار دیواری کو ہیروں جواہرات سے بھر کر بھی پوری نہیں کر سکتے۔ قدیم کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر کوئی تنومند آدمی اپنے چاروں اطراف چار پتھر پھینکے اور ریاضی کی کسی تصویر کی طرح ان چار کونوں کو ملا دے' اور اس قطعے کو

ہیرے، جواہرات سے بھر دے تب بھی وہ کوہ نور کی
قیمت پوری نہیں کر سکتے، اور آندھرا پردیش کے غار
سے نکلنے والے پتھروں پہ وہ Curse ہے جس کے
باعث کارلس کو میری مدد لینی پڑی۔
جانتے ہو کوہ نور کو برطانیہ کے شاہی خاندان کی
عورتوں کو ہی کیوں دیا جاتا ہے؟ کیونکہ مقدس کتابوں
میں درج ہے، کوہ نور کو صرف عورت پہن سکتی ہے یا
بھگوان۔ یہ مرد کے لیے مناسب نہیں ہوتا، یہ اسے
برباد کر دیتا ہے۔ اس کے ٹوین ڈائمنڈ "ماہ ملکہ" نے
مہاراجہ بلدیو سنگھ کو اتنا تباہ کیا کہ وہ جب دشمن کی یلغار
سے گھبرا کر بھاگا تو اس منحوس ہیرے کو قبرستان میں
دفن کر کے بھاگا۔"

"ہیرے محض پتھر ہوتے ہیں لیڈی شیکھر!" وہ
اجنبیت سے بولا۔ "مہاراجہ پہ برا وقت اس کی حرکتوں
اور غداروں کے باعث آیا تھا، میں مسلمان ہوں، اور
ہم پتھروں کی کرامات کو مانتے ہیں نہ پتھر کے بتوں کی مگر
"ماہ ملکہ" کی داستان وہ فرضی کہانی ہے جو بیلی کے ہر
بچے کو بچپن میں ہی سنا دی جاتی ہے تاکہ وہ اپنے گاؤں
سے نکلے اور بڑے ہو کر اس کو علم ہوتا ہے کہ وہ ہیرا
محض ایک عام سا ہیرا تھا جو جانے کہاں کھو گیا، کسی کو
نہیں ملا۔"

"ایسا نہیں ہے بدر!" مضمحل لہجے میں
بولی۔

"یہ مہاراجہ کا خوف تھا جس نے اسے ایسی کہانیاں
عام کرنے پہ مجبور کیا تھا، مگر جب بیلی کی ریاست اس
کے قبضے سے نکل گئی اور وہ وہاں سے ہزاروں میل دور
کسمپرسی کے عالم میں ایک کٹیا میں مرا تو اس کی بیوی
نے اپنی موت سے قبل اپنے بیٹے کو خط لکھا جو بیلی میں
غلام بنا لیا گیا تھا کہ وہ "ماہ ملکہ" کو قبرستان سے نکال
لے۔ اس کے بیٹوں نے بعد میں بغاوت کی اور
ریاست واپس ہتھیالی، مگر وہ خط ان تک نہ پہنچ سکا۔
کئی سال بعد وہ خط جان کارلس کے ہاتھ لگا اور وہاں
سے کارلس نے ایک منصوبہ بنایا۔ "ماہ ملکہ" کے
حصول کا ایسا بے جھول منصوبہ جس کے ذریعے ہم
دونوں دنیا کے سب سے امیر کبیر لوگ بن سکتے تھے۔"

آنسو اسی طرح بے آواز اس کے گالوں پہ لڑھک
رہے تھے۔

"شیکھر اور میں نے انگلستان میں شادی نہیں کی
تھی، ہم انگلستان میں کبھی نہیں ملے تھے۔ ہماری
ملاقات دہلی میں ہوئی تھی۔ میں بطور ایک فرنگی
شہزادی اس دعوت میں گئی تھی، جو کمپنی کے ایک افسر
نے اپنے بنگلے پہ منعقد کر رکھی تھی، اور بھلا مجھے بطور
شہزادی متعارف کروانے والا وہ فرنگی افسر اور کون ہو
سکتا تھا سوائے کارلس کے، اسے جب سے علم ہوا تھا
کہ شیکھر کا تعلق مہاراجہ بلدیو سنگھ کے خاندان
سے ہے، اس نے اس سے شناسائی پیدا کر لی تھی۔
شیکھر سے میرا تعارف بھی اسی نے کرایا تھا۔
شیکھر برا آدمی نہیں تھا، وہ بس قدرے عیاش تھا۔
مگر میں نے اسے کبھی جج نہیں کیا۔ مجھے یاد ہے اس
روز وہ مجھ سے بہت دیر تک باتیں کرتا رہا تھا۔ میں
میرین کارلس عرف مایا وتی سے اس کے لیے محض
میرین فرینڈس عرف مایا فرینڈس بنا دی گئی تھی۔
فرینڈس اس برطانوی شہزادی کا آخری نام تھا جو کچھ
عرصہ قبل روپوش ہو گئی تھی، غالباً کسی کے ساتھ
بھاگ گئی تھی۔ میں وہی شہزادی بن کر شیکھر سے ملی۔

میری اداکاری، اور اس خول کے باعث جو میں نے
خود پہ چڑھا رکھا تھا، وہ بہت جلد چاروں شانے چت ہو
گیا۔ ہم دونوں نے کلکتہ جا کر شادی کی، اس نے دنیا
والوں کے سامنے یہ ظاہر کیا کہ ہماری شادی انگلستان
میں ہوئی تھی۔ کارلس بطور ہمارے فیملی فرینڈ شیکھر
کے آس پاس ہی رہتا۔ ہمارا منصوبہ شیکھر کے
ذریعے مگر اسے آگاہ کیے بغیر "ماہ ملکہ" حاصل کر کے
واپس انگلستان بھاگ جانا تھا۔ سو جب وہ مجھے بیلی لایا تو
میں ہر رات اسے نیند کا شربت دے کر وہ سیاہ چغہ پہن
کر قبرستان چلی جاتی تھی اور ایک ایک جگہ کو کھودتی۔
وہ سیاہ چغہ میں خود کو اندھیرے میں گم کرنے کو پہنتی
تھی، مگر آہستہ آہستہ مجھے احساس ہوا کہ بیلی کے توہم
پرست لوگ مجھے بھوت سمجھنے لگے ہیں۔ سو جب بھی

کوئی قبرستان کے قریب سے گزرتا' تو میں عجیب و غریب آوازیں نکالتی' نتیجتاً" لوگوں نے قبرستان کے نزدیک آنا بھی چھوڑ دیا اور اس کی کھدائی کے لیے مجھے یہی چیز درکار تھی۔ لوگ ڈرنے لگے' طرح طرح کی باتیں بنانے لگے' یہاں تک کہ شیکھر کے کانوں میں بھی یہ بات پڑ گئی۔

یہ اس کی موت سے چند دن پہلے کی بات ہے' وہ اس روز گھر آیا تو بہت چپ چپ تھا' میں نے پوچھا مگر اس نے جواب نہ دیا۔ میں اس وقت تو نہ جان سکی مگر مجھے بعد میں علم ہوا کہ اسے کسی نے بتا دیا تھا کہ یہ جو شہزادی اس کی بیوی ہے' وہ جان کارلس کی بیٹی اور لندن کے تھیٹروں میں کام کرنے والی ایک اداکارہ ہے۔ اس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا' اس نے کارلس کو خط لکھا کہ وہ اس سے ملے۔ جس دن ملاقات طے ہوئی' اس نے مجھے ایک سرکاری کام سے امرتسر بھیج دیا۔ میں چلی گئی اور پیچھے وہ اور کارلس شام میں ملے۔ یہ اس کی موت سے ایک دن پہلے کی بات ہے۔ روپا نے اسے اس روز کچے راستے پہ دیکھا تھا۔ وہ کچے راستے سے ہو کر جنگل تک گیا تھا' اس نے کارلس کو کہا کہ وہ مجھے طلاق دے رہا ہے اور یہ کہ میں اسے سب کچھ بتا چکی ہوں۔"

"ماہ ملکہ کے بارے میں بھی؟" کارلس پوچھ بیٹھا' اور شیکھر جیسے ذہین آدمی نے ساری کڑیاں ملا لیں۔ یقیناً "ماہ ملکہ" پرانے قبرستان میں دفن ہے' تب ہی تو وہ چغہ پوش اُدھر پھرتا تھا' اس نے گھر جا کر میرا سامان تلاشا تو چغہ اسے مل گیا۔ اگلی صبح وہ کارلس سے قبرستان میں ملا' اور اسے اس کا سارا منصوبہ کھول کرتا دیا۔ کارلس چکرا کر رہ گیا۔"

وہ جیسے تھک کر خاموش ہو گئی اور کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

"شیکھر کو لالچ نے گھیر لیا۔ اس نے کارلس سے "ماہ ملکہ" میں اپنا حصہ مانگا' دونوں کا جھگڑا ہوا اور شیکھر جب بلتا جھلتا واپس گھر آیا تو کارلس نے بہت مہارت سے اسے قتل کر دیا۔

دو چیزیں ہمارے منصوبے کا حصہ نہیں تھیں' ایک شیکھر کا قتل اور ایک۔۔۔ بدر عازان۔"

وہ آنکھیں بند کیے آہستہ آہستہ بولتی جا رہی تھی۔ رات ڈھل چکی تھی' آسمان تاروں سے چمکنے لگا تھا۔

"دو روز قبل ہی کارلس نے اپنا تبادلہ منصوبے کے مطابق اس علاقے میں کرایا تھا' شیکھر کا قتل ہوا اور مجھے علم تک نہ ہو سکا۔ میں جب تک واپس آئی' اس کی چتا جلائی جا چکی تھی۔ مجھے راجپوتوں پہ شک تھا' مگر ان کے خلاف گاؤں میں خبریں میں نے اس شک کے باعث نہیں پھیلائی تھیں۔ وہ تو ہمارے منصوبے کا حصہ تھا۔ مجھے اپنے حوالے سے ٹھاکروں کو اتنا بدنام کرنا تھا کہ وہ مجھے روک ہی نہ سکیں' آخر ایک روز تو مجھے "ماہ ملکہ" لے کر واپس انگلستان بھاگ جانا تھا نا! سو ایک طرف تو میں نے ٹھاکروں کو بدنام کیا اور دوسری طرف خود سے ہر ممکن شک ہٹانے کے لیے خود ہی اس بھوت کا سراغ لگانے کی ٹھانی۔ نوکروں کے سامنے' تمہارے سامنے' ہر کسی کے سامنے خود کو اس بھوت کی سب سے بڑی دشمن ثابت کیا' مگر پھر' منگل سنگھ کا قتل ہو گیا۔

وہ مجھے دیکھ چکا تھا' اور میں مطمئن تھی کہ وہ جلد ہی مر جائے گا' مگر اگلی صبح روپا نے یہ بتا کر میرے ہوش اڑا دیے کہ وہ بھوت کا ذکر تم سے کر چکا ہے۔ میرے دل میں چور تھا' سو میں نے روپا پہ ظاہر کیا کہ مجھے تم پر شک ہے' اور وہ یقین کر بیٹھی۔ مجھے معلوم تھا اگر کوئی اور بھوت کا سراغ لگانے نکلے گا تو یہ خبر اس کے کانوں تک ضرور پہنچے گی کہ بدر عازان ہی وہ بھوت ہے' روپا کے پیٹ میں بات کہاں رہتی تھی۔ لیکن یہ بے چینی کہ منگل سنگھ نے تمہیں کیا بتایا ہے' مجھے تمہارے پاس کھینچ لائی۔ تمہارا رویہ مبہم تھا' میں اندازہ نہ کر سکی کہ تم کیا جانتے ہو' مگر اس روز میں نے تمہارا اعتماد لینے کے لیے تمہیں گوپال والا قصہ بتایا۔ اس کے اپنے کمرے میں آنے سے مجھے یہی ڈر تھا کہ وہ میرا چغہ نہ دیکھ لے' جو اس وقت پلنگ کی پائنتی کے ساتھ پڑا تھا' تب مجھے شیکھر بہت یاد آیا تھا۔ وہ میرے لیے ایک

ایسی ڈھال تھا، جس کی اوٹ میں میں اپنا کام با آسانی کر سکتی تھی۔

میں نے تم سے کالی چادر والے شخص کے متعلق جھوٹ بولا تاکہ تم مجھے کچھ تو بتاؤ، اور جب تم نے شیکھر کا نام لیا تو ایک لمحے کو تو میں چکرا کر رہ گئی۔ مجھے لگا وہ واقعی زندہ ہے۔ میں کچھ دن تو متذبذب رہی کہ معاملہ کیا ہے اور خوش گمان بھی کہ چلو وہ زندہ ہے۔ نوکروں کو بھی خوب جتایا، مگر جب عقل سے کام لیا اور سوچا کہ آخر منگل سنگھ نے اس کا نام کیوں لیا ہو گا، تو خیال آیا کہ وہ یقیناً "شیکھر کی میم صاحب" کہنا چاہ رہا ہو گا۔ تب میں پھر سے تذبذب میں پڑ گئی۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر تم ذرا سا بھی دماغ استعمال کرو گے تو جان جاؤ گے، سو مجھے تمہاری توجہ کسی اور طرف مبذول کرانی تھی۔

اتفاق سے اسی روز مجھے تمہارے اور شیکھر کے ایک تازہ ... کا علم ہوا۔ پہلے تو میں حیران ہوئی کہ مجھے یہ پہلے پتا کیوں نہیں چلا اور مجھے کھیلنے کو ایک اور پتا مل گیا۔ میں اس چیز کو بنیاد بنا کر تم پہ مقدمہ کرنے ہی والی تھی کہ میں نے جوگی شیکھر کا نام سنا۔ میرا کام اور آسان ہو گیا۔ نہ صرف میں تمہیں یہ سوچنے پہ مجبور کر سکتی تھی کہ وہ شیکھر ہی جوگی ہے، بلکہ تمہیں کچھ عرصے کے لیے کہیں اور مصروف بھی کر سکتی تھی۔

نادر شاہ کو تہہ خانے میں دیکھ اور پہچان کر مجھے اندازہ ہوا کہ بیلی کے ڈاکوؤں کو کوئی کیوں نہیں پکڑتا، تب مجھے پہلی دفعہ شیکھر کی موت کا معمہ حل ہوتا نظر آیا۔ مجھے شک گزرا کہ تم ہی لوگوں نے اسے مارا ہے۔ سو میں نے پرچہ کٹوا دیا۔ مگر جب میں نے کھوجی کو تمہارا کھرا دکھایا اور اس نے تصدیق کی کہ یہ وہ کھرا نہیں تھا، جو شیکھر کے ساتھ قبرستان سے ملا تھا تو مجھے تم بے قصور لگے۔

میں "ماہ ملکہ" ڈھونڈنے کے ساتھ ساتھ شیکھر کے قاتل کو بھی ڈھونڈ رہی تھی اور مجھے کچھ بھی نہیں مل رہا تھا۔ یہاں تک کہ میں نے پورا قبرستان کھود ڈالا مگر مجھے وہ نہ ملا۔ تب مجھے اپنی ڈھائی برس کی ریاضت رائیگاں جاتی دکھائی دی۔

دوسری جانب تم ہاتھ دھو کر بھوت کے پیچھے پڑے تھے۔ میں نے ایک اور پتا کھیلا۔ تمہارے نام قبرستان میں رات ٹھہرنے کا رقعہ لکھ کر روپا کو دے دیا۔ مجھے علم تھا وہ گوپال کو دکھائے گی اور گوپال اپنی فطرت کے باعث میرا پیچھا کرتا قبرستان تک آئے گا اور تمہیں یقین ہو جائے گا کہ بھوت گوپال ہی ہے اور ایسا ہوا بھی مگر گوپال کی بزدلی نے سارا معاملہ خراب کر ڈالا۔

دوسری جانب کارلس میرے اور تمہارے تعلق سے بے زار تھا۔ وہ سمجھتا تھا میں کام پہ توجہ نہیں دے رہی اور تمہارے ساتھ عشق بگھار رہی ہوں۔ ہم اکثر جنگل میں ملتے تھے، وہ مجھے بار بار دھمکی دیتا کہ اگر بیلی راجپوتاں کی ملکہ (یعنی ماہ ملکہ) اسے نہ ملی تو وہ مجھے بھی پرانے قبرستان میں دفن کر دے گا اور یقین کرو بدر! وہ ایسا ہی کرے گا۔

میں اپنے تئیں پوری کوشش کر رہی تھی مگر اس روز تو جیسے میرا تاش کے پتوں کا گھر زمین پہ آن گرا جب کھوجی نے مجھے وہ کھرا دکھا دیا، جو شیکھر کے ساتھ ملا تھا اور جب میں نے اس کھرے کے آگے چلتے کارلس کو دیکھا تو زمین آسمان میری نگاہوں کے سامنے گھومنے لگے۔ کیا میرے ساتھ بھی کوئی گیم ہو رہا تھا؟ میں یہی سوچتی رہی اور اس رات جب وہ خبیث بڈھا قبرستان آیا تو مجھے یقین آ گیا کہ وہ میرے ساتھ ڈبل کراس کر رہا ہے۔ قبرستان کا معاملہ مجھے سنبھالنا تھا مگر وہ خود بھی چپکے چپکے "ماہ ملکہ" ڈھونڈنے آ جاتا تھا۔

میں جانتی تھی اگر اسے بیلی کی ملکہ ملی تو وہ اسے لے کر خود ہی واپس بھاگ جائے گا مجھے چھوڑ کر اور اگر میرا مجھے پہلے ملا تو وہ شاید مجھے مار کر اسے لے کر چلا جائے۔ اس شخص کا لالچ کبھی ختم نہیں ہو سکتا میں جانتی ہوں۔"

"صرف اس کا کیوں مانا؟" وہ سرد مہری سے اسے دیکھ رہا تھا۔ "تمہارا لالچ بھی تو اس میں شامل تھا۔ شیکھر کا قتل تم لوگوں نے اسی لیے تو کیا تھا۔"

"بدر!" اسے جیسے دھکا لگا تھا۔ "ایسے مت کہو۔ میں کبھی نہیں چاہتی تھی کہ شیکھر قتل ہو' وہ تو بہت..." کر بولی۔

"میں اگر راہزنی کی واردات کرتا ہوں تو وہ صرف..."

"اگر ایسا ہے تو تم کارلس کے خلاف رپٹ کیوں نہیں کراتیں؟" وہ تیزی سے بولا۔

"میں نے اسے یہ دھمکی دی تھی' جب اس نے جنگل میں مجھے یہ سب بتایا تھا' مگر تم جانتے ہو میں نے تمہارے لیے....." مگر اس کی ہر دلیل ضائع جا رہی تھی وہ کچھ بھی نہیں سننا چاہتا تھا۔

"تم نے میرے لیے کچھ نہیں کیا مایا!" وہ ایک دم زور سے چلایا۔ "تم نے سب کچھ اپنے لیے کیا۔ میری ماں ٹھیک کہتی تھی۔ تم فرنگی ہوتے ہی چور' غاصب اور لٹیرے ہو۔"

"نہیں بدر!" وہ اٹھ کر اس کے سامنے آئی اور بے قراری سے اس کے بازو کو پکڑ کر اس کا رخ اپنے سامنے کیا۔ "ایسے تو مجھے جج مت کرو۔ تم مجھے یوں کس طرح جج کر سکتے ہو؟ میں نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہے' میں نے تو کچھ نہیں چھپایا۔"

"تم نے یہ سب تب بتایا ہے۔ جب میں خود ہی جان گیا تھا کہ تم وہ بھوت ہو۔" وہ زہر خند ہوا۔

"مگر اس سے زیادہ تو تم کچھ بھی نہ جانتے تھے' میں نے تمہیں "ماہ ملکہ" کے بارے میں خود بتایا ہے' نہ بھی بتاتی تو تم کیا کر لیتے۔ مجھے تو "ماہ ملکہ" مل گیا۔ کل رات تمہارے کتے نے ہی مجھے وہ ڈھونڈ کر دیا ہے۔ وہ قبرستان کے باہر دفن تھا بلکہ دفن تو قبرستان کے احاطے میں ہی تھا' مگر یہ چار دیواری تو چند برس پہلے ادھر بنی ہے' ایسے کہ وہ مدفن ناند بھاٹک کے قریب ہی باہر کی طرف تھا۔ شیر و اس جگہ کو کھودنا چاہ رہا تھا' میں اسے مارنا نہیں چاہتی تھی مگر جب اس نے مجھ پر حملہ کیا تو مجھے اسے مارنا ہی پڑا' پھر وہ جگہ کھودی اور ناند نکال کر۔"

"مجھے تمہاری کہانیاں نہیں سننی۔" وہ تلخ ہوا۔ "میں صرف یہ جانتا ہوں کہ تم ایک چور ہو' فرنگی چور۔"

"تو کیا تم نہیں ہو؟ ہاں؟ تم ڈاکو نہیں ہو؟" وہ تلملا

"کس مقدس کتاب میں لکھا ہے بدر غازان کہ بغاوت میں ڈاکے ڈالنا جائز ہوتا ہے ہاں؟ کدھر لکھا ہے؟ چوری تو بس چوری ہوتی ہے۔ میں چور ہوں تو تم کیا ہو؟ مگر میں نے تو تمہیں کبھی اس طرح جج نہیں کیا۔"

"تمہاری ہر دلیل بے کار ہے مایا' میں بس چاہتا ہوں کہ تم اپنا یہ ناپاک وجود لے کر یہاں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلی جاؤ۔" وہ کہہ کر جانے لگا۔ وہ تیزی سے اس کے سامنے حائل ہوئی۔

"نہیں بدر!" مایا نے اسے کہنی سے پکڑ کر روکا۔ "تم یوں مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے' میں تم سے محبت کرتی ہوں' بہت زیادہ اور تم بھی مجھ سے محبت کرتے ہو نا' میں "ماہ ملکہ" کارلس کو دے دوں گی' میں اسے نہیں رکھوں گی' کیا تب ہم دونوں ایک ہو سکتے ہیں۔"

"تم میرا اعتبار کھو چکی ہو' مجھے اب تم سے کوئی سروکار نہیں ہے' میرا راستہ چھوڑ دو۔"

"تم ایسے نہیں جا سکتے۔ تم..... تم تو مجھ سے محبت کرتے تھے' تم تو مجھ سے شادی کرنا چاہتے تھے۔" بدر نے دیکھا' وہ رو رہی تھی' آنسوؤں سے' ہچکیوں سے' مگر اس کا دل نہیں پگھلا۔ وہ اسے ہٹا کر جانے لگا۔

"نہیں بدر!" اس نے بے اختیار دونوں ہاتھوں سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "دیکھو میری بات سنو' میں مانتی ہوں میں نے لالچ میں یہ سب کیا' مگر میں یہ بھی اعتراف کرتی ہوں کہ یہ غلط تھا۔ میں اپنے عمل کو اگر Justify نہیں کر رہی تو یہ بھی نہیں چاہتی کہ تم مجھے جج کرو۔ میں..... میں اب..... اب میرے لیے وہ ہیرا کوئی حیثیت..... نہیں بدر! پلیز' دیکھو..... اس طرح مجھے مت چھوڑو۔"

اور اس طرح بھیگا چہرہ لیے اس کی منت کرتی وہ فرنگی لڑکی اسے کہیں سے بھی تو بیلی کی وہ ملکہ نہیں لگ رہی تھی' جسے وہ جانتا تھا' لیکن وہ بیلی کی ملکہ تھی ہی

ب؟ وہ اسے جب بھی بیلی کی ملکہ کہتا تھا تو اس کے
ذہن میں ہمیشہ "ماہ ملکہ" کی اس کہانی کا تصور آتا تھا جو
گاؤں کے بڑے بوڑھے سنایا کرتے تھے۔ بیلی کی اصل
ملکہ تو وہ پتھر تھا۔

"تم نے میرے ساتھ فریب کیا ہے مایا! تم نے مجھے
دھوکے میں رکھا ہے۔"

"کیا دھوکا کیا ہے میں نے؟ ماہ ملکہ تمہاری ملکیت تو
نہیں تھا، تمہارے بزرگوں کی میراث تو نہ تھا، وہ
شیکھو کی میراث تھا اور شیکھو اپنی جائیداد میرے
نام کر کے مرا ہے۔ گوپال بھی مر چکا ہے بدر! میں اس
ہیرے کی قانونی وارث ہوں۔ تمہارے ساتھ تو کوئی
دھوکا نہیں ہوا۔"

وہ جواب دیے بنا آگے بڑھ گیا، مایا نے تڑپ کر
اسے روکنا چاہا مگر وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر اسے پرے
دھکیلتا کمرے سے باہر چلا گیا۔

"بدر.... بدر!" وہ اسے پکارتی دیوار سے لگی نیچے
بیٹھتی چلی گئی مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔ وہ سننے کی حد سے
باہر جا چکا تھا۔ اسے لگا اب وہ کچھ بھی نہیں سننا چاہے
گا۔

وہ اسی طرح زمین پہ بیٹھی روتی رہی۔

☼ ☼ ☼

"خیر تو ہے پتر....!" چاچی اس کے پاس آئی جو
برآمدے میں چارپائی پہ نیم دراز تھا، سر گاؤ تکیے پہ رکھے
وہ بے تاثر نگاہوں سے چھت کو گھور رہا تھا۔

"بدر....! میں کیا خیر تو ہے، بکاول کہہ رہا تھا صبح
سے تین دفعہ میم صاب تیرا پوچھنے آئی ہے، پر تو نے
کہلوا دیا ہے کہ تو گھر پہ نہیں ہے۔" وہ پریشان سی
چارپائی کی پائنتی پہ بیٹھ گئی۔

"میں کسی میم صاب کو نہیں جانتا۔" وہ اسی طرح
چھت کو گھور رہا تھا۔

"پر ہوا کیا ہے؟"

"کیا ہونا ہے؟"

"تو اس کو کیوں نہیں مل رہا؟"

وہ جھلا کر اٹھ بیٹھا۔ "جب ملتا تھا تب بھی تجھے یہی
اعتراض تھا، اب چھوڑ دیا ہے، تب بھی تو پریشان ہے،
میں کدھر جاؤں اماں؟"

"ہائے نہیں میرا پتر....!" چاچی بوکھلا گئی۔ "ہاں
صدقے واری تو نے اسے چھوڑ دیا، چنگا کیا پتر، تجھے
اسے چھوڑ دینا چاہیے تھا.... اب تو جب کہے گا میں
تیری شادی کر دوں گی۔ دیر سویر کی کوئی چنتا نہیں پتر!
جب تیری مرضی ہوگی۔"

"پھر اسی جمعہ کر دے اماں" وہ اٹھ کر تیزی سے
باہر نکل گیا۔

چاچی ہکا بکا بیٹھی رہ گئی، پہلے تو اسے یقین ہی نہ آیا
کہ وہ کیا کہہ گیا ہے، پھر ذرا حواس واپس آئے تو وہ
خوشی اور فکر مندی کی ملی جلی کیفیت میں نوکروں کو
آوازیں دینے لگی۔

"رکھی بخشے....! ارے.... سنتے ہو کوئی؟"

"کیا ہوا چاچی؟" زہرہ بھاگتی ہوئی برآمدے میں آئی
اس نے آستینیں اوپر چڑھا رکھی تھیں اور ہاتھوں پہ
گیلا آٹا لگا تھا۔

"جا، جا کر صندل سے ہاتھ منہ دھو اور آرام کر۔ یہ
کام جھنتے کو دے دے۔ اب تیرے یہ کام کرنے کے دن
نہیں ہیں۔" خوشی اور جوش چاچی کے چہرے سے
پھوٹ رہا تھا۔

"پر ہوا کیا ہے چاچی؟" وہ قدرے پریشان سی ہو گئی۔

"بدر شادی کے لیے مان گیا ہے، اس جمعہ کو کہتا ہے
کہ بیاہ کر دو، چلو اچھا ہے، مگر پنڈی سے رشتے داروں کو
نہ بلا پائیں گے، مگر خیر ہے ولیمہ بعد میں دے دیں گے،
اب مانا ہے تو ہم بھی اس کی مانیں۔"

"اور.... اور میم صاب؟" اس نے خود سے
منصوبے بناتی چاچی کو قدرے ہراساں آواز میں چونکایا۔

"ارے وہ چھوڑ آیا ہے اسے، کہتا ہے میں اسے
نہیں جانتا۔ اچھا ہی ہوا تو جا کر آرام کر۔ جھنتے! اری او
جھنتے!"

وہ جنتے کو بلاتی رسوئی کی طرف بڑھ گئی۔ اور زہرہ اسی طرح آٹے میں لتھڑے ہاتھ لیے متذبذب سی برآمدے میں تنہا کھڑی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ مضطرب سی دالان میں ادھر اُدھر ٹہل رہی تھی۔ بار بار بند پھاٹک کو دیکھتی، پھر کلائی پہ بندھی گھڑی کو۔ سنہری بال ڈھیلے سے جوڑے میں باندھ رکھے تھے اور سفید ساڑھی کا پلو گھاس کو چھو رہا تھا۔

اسی پل پھاٹک کھلا، چرچراہٹ کی آواز پہ وہ فوراً رک کر ادھر دیکھنے لگی۔

روپ وتی ساڑھی کے پلو سے سر ڈھکے تیزی سے اس کی طرف آ رہی تھی۔ مایا کی نگاہیں بے اختیار اس کے ہاتھوں پر ٹک گئیں جن میں وہی رقعہ دبا تھا، جو اس نے اسے دے کر بھیجا تھا۔

اس کا دل ڈوبنے لگا۔

"وہ حویلی میں نہیں ہیں میم صاب! ملازم یہی بتاتے ہیں، پیغام بھی نہیں لیتے۔" روپا نے قدرے شرمندگی اور تاسف سے بند رقعہ اس کی جانب بڑھایا۔ اس نے آہستہ سے اسے تھاما۔

"ملازم کہہ رہا تھا کہ ملک صاب یہ پیغام دے کر گئے ہیں کہ۔۔۔"

وہ ہچکچا کر رکی تو مایا چونکی۔

"کیسا پیغام؟"

"یہی کہ۔۔۔" وہ پھر متذبذب سی رکی۔

"ہوں؟"

"یہ کہ مایا دیوی سے کہو، اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ بیلی راجپوتاں سے چلی جائے اس سے پہلے کہ اسے انگریز سرکار کو خط لکھنا پڑے، آخر انگریز سرکار ملکہ عالیہ کے تاج کو مزید سجانے کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہے۔"

"اچھا۔" ایک مغموم مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔ وہ جانتی تھی کہ بدر کی بات ایک طرح کی دھمکی تھی کہ اگر وہ نہ گئی تو وہ ہیرے کے متعلق سرکار کو بتا دے گا اور سرکار اسے گرفتار کر کے ہیرا ملکہ کے تاج میں سجا دے گی۔

"یہ چھوٹا ملک ایسا کیوں کر رہا ہے؟" روپا خود کو روک نہ سکی۔

مایا نے شانے اچکا دیے۔

"اسے انسانوں کی اچھائیوں برائیوں کو تول کر بھاری پلڑے کے مطابق فیصلہ کرنے کی عادت ہے روپا! اور یوں انسانوں کو جج کرتے وقت وہ یہ بھول جاتا ہے کہ ابھی وہ دن بہت دور ہے، جب انسان جج کیے جائیں گے۔ خیر جانے دو۔" وہ سر جھٹک کر افسردہ سی اندر کی جانب بڑھ گئی۔

"چھوٹے ملک کی شادی ہو رہی ہے۔"

"کیا؟" وہ بے یقینی سے پلٹی۔

"جی میم صاب!" روپا قریب آ گئی۔ "زہرہ مالیوں بیٹھ گئی ہے، جمعہ کو نکاح ہے اور پچھلی رات مہندی۔ پوری کلر حویلی سجائی جا رہی ہے، قمقمے، فرشی، فانوس، چھت گیر قندیلیں، بتیاں، دیے اور ایسی ایسی رنگ برنگی کلیاں شہر سے منگوائی ہیں چھوٹے ملک نے۔ خوب چراغاں ہو گا۔ صرف حویلی نہیں، پورا علاقہ سجا رہے ہیں۔"

روپا کہہ رہی تھی اور اس کا رنگ سفید پڑتا جا رہا تھا۔ وہ اسے ایسی سزا دے گا اسے کب اندازہ تھا۔ دلسوزی کی وہ ڈھلتی شام اس کی انگلیوں سے جانے کب ریت کی طرح پھسل گئی تھی اسے خبر ہی نہ ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ اپنی سنگھار میز کے سامنے بیٹھی آئینے میں خود کو دیکھ رہی تھی۔

پیلا انگرکھا، نیچے پائجامہ اور سر پہ بڑا سا گوٹہ کناری سے بھرا پیلا دوپٹہ، سیاہ لمبے بالوں کا پراندہ دائیں شانے پہ پڑا تھا اس میں موتیا کے پھول ٹانکے گئے تھے۔ کلائیوں میں بھر بھر کر کانچ کی زرد چوڑیاں تھیں اور ماتھے پہ موتیے کے پھول کا ننھا سا ٹیکا۔

ایک آسودہ مسکان اس کے لبوں کو چھو گئی۔

کیا کوئی اتنا بھی خوب صورت لگ سکتا تھا؟ جتنی آج وہ لگ رہی تھی تین دن سے وہ مایوں بیٹھی تھی۔ کسی کی نظر تک اس پہ نہ پڑی تھی۔ بدر نے بھی نہ دیکھا تھا ہو کہ اس کا دل چاہا تھا کہ وہ ایک نظر تو اسے دیکھے، بس وہ ایک نظر ڈالے اور پھر وہ اس کا مبہوت ہونا دیکھ سکے۔ اے کاش کہ ایسا ہو سکتا۔

وہ یہ سوچ کر غمگین ہو گئی مگر یہ کوئی بڑا مسئلہ تھوڑی تھا؟ بس دو دن بعد وہ اس کا ہو جاتا تھا، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پھر کوئی میم صاب ان دونوں کے درمیان نہ آتی تھی۔ ویسے یہ میم صاب گئی کہاں؟ وہ ابھی تک اس بات پہ حیران تھی کہاں وہ اس کے لیے دیوانہ ہوا جا رہا تھا اور کہاں وہ اب اس سے ملتا تک نہ تھا، اس نے سنا تھا وہ روز کتنے ہی چکر حویلی کے لگاتی مگر بدر اس سے نہ ملتا۔ پھر ۔۔۔ ان دونوں کی شادی کا شور اٹھا، ڈھولک بجنے لگی، اس دن کے بعد میم صاب حویلی نہیں آئی۔ اچھا ہی ہوا، جو بھی ہوا۔

وہ خوش تھی، مطمئن تھی، بے فکر تھی۔ اس کی کل کائنات بدر ہی تو تھا، وہ اسے مل رہا تھا اسے اور کیا چاہیے تھا بھلا۔

وہ چاندی کی منقش پرات میں پاؤں ڈالے بیٹھی تھی جو عرق گلاب سے بھری تھی اور سطح پہ گلاب کی پتیاں بکھری تھیں، اتنی کہ ٹخنے سے نیچے اس کے پاؤں پتیوں سے ڈھک گئے تھے۔ وہ ہولے ہولے گلاب کے پانی میں انگلی سے لکیر کھینچتی تو زرد چوڑیاں کھنک اٹھتیں۔ ان کی کھنک کے دوران ہی اسے دروازے پہ ہونے والی دستک سنائی دی تھی۔

وہ چونک کر سیدھی ہوئی۔ رات کے اس پہر اس کے دروازے پر کون آ سکتا تھا؟ چاچی؟ مگر وہ تو عشاء کے فوراً بعد سو جایا کرتی تھی۔ تو کیا بدر ۔۔۔؟

اس کا دل یکبارگی زور سے دھڑکا۔ دعائیں ایسے بھی قبول ہو جاتی ہیں، اسے اندازہ نہ تھا۔

وہ آنچل سر پہ درست کرتی، گیلے پاؤں پرات سے نکال کر بھاگتی ہوئی گئی اور دروازہ کھولا۔

وہاں کوئی نہ تھا۔

زہرہ نے سر نکال کر حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ راہداری سنسان پڑی تھی، سامنے برآمدہ تھا، اس کے آگے دالان، وہ بھی خالی پڑا تھا۔ پھر دروازہ کس نے کھٹکھٹایا؟

وہ چوکھٹ پہ کھڑی پریشانی کے عالم میں اِدھر اُدھر دیکھ ہی رہی تھی، جب اسے برآمدے میں ستون کے ساتھ ٹیک لگائے کوئی کھڑا نظر آیا۔ سیاہ بڑا سا لبادہ جس میں چہرہ تک واضح نہ تھا۔ وہ ڈر کر پیچھے ہٹی، اسی پل اس نے دیکھا، وہ جو کوئی بھی تھا، اسے اشارے سے اپنی جانب بلا رہا تھا۔

وہ گھبرا کر واپس اندر ہونے لگی۔ چاچی نے اسی لیے تو حاجراں سے کہا تھا کہ اس کے ساتھ رہے، ورنہ مایوں بیٹھی دلہن کو جن بھوت ستانے لگتے ہیں، مگر حاجراں کی ماں بیمار تھی، سو وہ شام کو ہی چلی گئی تھی۔

"شش ۔۔۔ اِدھر آؤ ۔۔۔" سیاہ لبادے میں سے آواز آئی، ساتھ ہی اس نے چہرے پر سے سیاہ ٹوپی اوپر اٹھا کر سر کے پیچھے پھینک دی اور وہ جو خوف زدہ سی ہو کر دروازہ بند کرنے لگی تھی، ساکت رہ گئی۔

"میم صاب ۔۔۔ آپ؟"

وہ آہستہ آہستہ چلتی اس کے قریب آئی، زہرہ حیران سی اسے دیکھنے لگی۔ اس نے لمبا سا سیاہ چغہ پہن رکھا تھا اور سنہری بال کچھ چغے کے اندر اور کچھ باہر تھے۔ چہرہ ہر طرح کے سنگھار سے بے نیاز اسے قدرے کمزور اور زردی مائل سا لگا تھا، وہ تمکنت، وہ سحر سب غائب تھا، یہ تو کوئی عام سی لڑکی تھی۔

"اچھی لگ رہی ہو۔" وہ زہرہ کا چہرہ اور پیلا جوڑا دیکھ کر مغموم مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "تم اتنی حسین ہو کہ کوئی تمہارے لیے قتل ہو بھی سکتا ہے، اور کر بھی سکتا ہے۔ ایسے ہی تو کل نادر شاہ نے پھانسی کی سزا نہیں سنی۔"

"اسے پھانسی ہو گئی؟"

"ابھی نہیں ہوئی مگر جرم تو ثابت ہو ہی چکا ہے، سزا بھی جلد ہی مل جائے گی۔"

اس نے گہری سانس لی۔ "شادی کب ہے تمہاری؟"

"دو روز بعد جمعہ کو۔ آپ آؤ گی میم صاب؟" وہ سادگی سے پوچھ رہی تھی۔ اسے اب وہ اپنے لیے ذرہ برابر بھی خطرہ نہیں لگ رہی تھی۔

"نہیں۔ میں کل کلکتہ جا رہی ہوں' وہاں سے انگلستان چلی جاؤں گی۔ تم سناؤ' تم خوش ہو؟"

زہرہ کو لگا اس کی آواز آنسوؤں سے رندھی ہوئی ہے۔

"جی۔" وہ بہ دقت مسکرائی۔

"اور بدر' وہ خوش ہے؟"

اس نے یونہی اثبات میں سر ہلا دیا' حالانکہ وہ تو تین روز گزرے اس سے ملی بھی نہ تھی۔

"اچھا۔" وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔ "بدر سے اب کب ملو گی۔"

"معلوم نہیں۔" وہ جھجکی۔

"ہوں۔" وہ خاموش ہو گئی۔

"آپ اس طرح رات کو کیوں آئی ہیں؟" زہرہ دل میں مچلتا سوال زبان پہ لے آئی۔

"دن میں تمہارے ملازم کہاں آنے دیتے ہیں زہرہ بتول؟" وہ غم زدہ سا مسکرائی۔ زہرہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"تم میرا ایک کام کرو گی؟"

"جی... بتایئے۔"

"بدر کو میرا ایک پیغام دے دو گی؟"

زہرہ کے دل کو کچھ ہوا۔ اب جب وہ اس کا ہونے جا رہا تھا' اب بھی وہ....؟ مگر وہ انکار نہ کر سکی۔

"بتایئے۔"

"تم فکر نہ کرو' میں اسے تم سے چھین نہیں رہی۔ وہ تمہارا ہی ہے' تمہارا ہی رہے گا۔ بس اس سے کہنا' مایا اس کی شادی سے اگلی رات ادھر اس جہاز پہ اپنے باپ سے ملے گی۔" اس نے ایک چٹ اس کی طرف بڑھائی' جس پہ انگریزی میں دو تین الفاظ لکھے تھے۔

"اچھا۔" زہرہ نے ناسمجھی کے عالم میں چٹ پکڑی۔

"اور اس سے کہنا' انسانوں کو جج نہیں کیا کرتے' ان سے محبت کیا کرتے ہیں' اگر تم لوگوں کو جج کرنے لگ جاؤ گے تو ان سے محبت نہیں کر سکو گے' بس اس کو کہنا' وہ کبھی تمہارے ساتھ وہ نہ کرے' جو میرے ساتھ کیا ہے۔" وہ زخمی سا مسکرائی۔ "جب کسی سے محبت کی جاتی ہے تو دل میں ایک قبرستان بھی بنایا جاتا ہے' اس میں اپنے محبوب کی تمام خامیاں دفن کر دی جاتی ہیں اور پھر ان کے کتبے نہیں لگائے جاتے۔ بس اس کو یہی کہہ دینا۔"

زہرہ کچھ سمجھ پائی اور کچھ نہیں' مگر الجھی الجھی سی سر ہلا دیا۔

"اور کچھ؟"

"ہاں۔" ایک آنسو اس کی آنکھ سے ٹوٹ کر گرا۔ "یہ اسے دے دینا' اس کی شادی کا تحفہ ہے۔"

اس نے ایک سرخ مخملیں پوٹلی زہرہ کے ہاتھ پہ رکھی' جس کا منہ سنہری ڈوری سے بند تھا۔

"دے دوں گی اور کچھ میم صاب؟"

"نہیں زہرہ!" اس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ "میرے پاس دینے کو اور کچھ نہیں ہے۔" اس نے چغے کی ٹوپی سر پہ ڈال لی اور پلٹ کر بھاگتی ہوئی باہر چلی گئی۔

زہرہ شش و پنج میں مبتلا کبھی برآمدے کے اس ستون کو دیکھتی اور کبھی اپنے ہاتھ میں پکڑی پوٹلی کو۔ وہ بہت ہلکی نہ تھی تو زیادہ بھاری بھی نہ تھی۔ جانے اندر کیا تھا۔

وہ واپس آئی اور سنگھار میز کے ایک خانے میں اسے رکھ کر تالا لگا دیا۔

اس کا دل عجیب سا ہو رہا تھا۔ ساری خوشی ہوا ہو گئی تھی۔ جانے کیوں اسے میم صاحب بری نہیں لگ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"میں کچھ کروا دوں میم صاب؟"

اسے کپڑے صندوق میں رکھتے دیکھ کر روپا جھٹ آگے بڑھی۔

"نہیں روپا! میں نے اپنے لیے یہ سارا پھیلاوا خود ہی اکٹھا کیا تھا' اسے مجھے ہی سمیٹنا ہے۔" وہ مغموم سا مسکرائی۔

سامنے پلنگ پہ جس کے پردے ایک طرف نفاست سے بندھے تھے' کپڑوں کا ایک ڈھیر پڑا تھا' مایا ست روی سے ایک ایک کپڑا اٹھا کر تہہ کر کے صندوق میں رکھ رہی تھی۔

"یہ ساڑھی بہت خوب صورت ہے میم صاب! آپ پہ بہت سندر لگتی ہے۔"

وہ سرخ ساڑھی اٹھا کر تہہ کرنے لگی تو روپا کہہ اٹھی۔ مایا نے ایک نظر ہاتھ میں پھسلتی ریشمی سرخ ساڑھی کو دیکھا اور دوسری نظر گردن موڑ کر دیوار پہ ٹنگی اپنی اور شیکھر کی شادی کی تصویر پہ ڈالی۔

"کاش! شیکھر نہ مرتا۔" وہ تو ایسا ہرگز نہ چاہتی تھی۔

"اس تصویر کو یہاں سے ہٹا دینا روپا! اور سنو' یہ ساڑھی بھی تم رکھ لو۔"

"ہیں؟" روپا حیران رہ گئی۔ دعائیں ایسے بھی قبول ہوتی ہیں کیا؟ ابھی تو وہ سوچ رہی تھی کہ اپنے سے کہہ کر امرتسر سے اپنے لیے بھی ایسی ہی ریشمی ساڑھی منگوائے گی' چاہے اس کے لیے اسے کانوں میں پڑی بالیاں ہی بیچ ڈالنی پڑیں۔

"ہاں' تم اسے پہننا اور پہن کر مجھے یاد کرنا۔ چلو کوئی تو مجھے بھی یاد کرے۔" اس نے کپڑے رکھ کر صندوق کا منہ بند کیا۔

"اسے تالا لگا دوں جی؟"

"رہنے دو' میرے پاس کھونے کو کچھ بھی نہیں ہے۔"

"راستے میں بیلی کا جنگل ہے' وہاں ڈاکو روک لیتے ہیں مایا دیوی!"

اور وہ روپا کو دیکھ کر رہ گئی۔

"کاش! کہ وہ مجھے روک لیں' روپا!" پھر اداسی سے سر جھٹک کر دوسرے صندوق کو بھرنے لگی۔

"آپ واپس کیوں جا رہی ہیں مایا دیوی؟ کیا۔۔۔ کیا چھوٹا ملک آپ سے اس لیے خفا ہے؟" جھجکتے ہوئے وہ پوچھ بیٹھی۔

"کاش! کہ وہ اسی لیے خفا ہوتا۔ یہ صندوق گاڑی میں رکھوا دو۔ رام ناتھ سے کہو' تیار ہو جائے' میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔"

وہ آئینے کے سامنے کھڑی بال بنا رہی تھی' روپا نے سمجھ کر سر ہلا دیا اور باہر چلی گئی۔

اس نے سنہری آنکھوں میں کاجل ڈالا' بال سنوارے' گردن سے چپکا نازک سا ہیروں کا ہار درست کیا اور آئینے کے سامنے سے ہٹ کر اس بڑی سی تصویر کے سامنے آئی۔

"شبیہہ حقیقی' مہاراجہ بلدیو سنگھ۔"

بوڑھا مہاراجہ ہمیشہ کی طرح مسکرا رہا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔

"اے راجوں کے مہاراجہ! تمہیں لگتا تھا کہ تمہارے اوپر ساری مصیبتیں اس پتھر کے باعث آئیں' سو تم نے اسے قبرستان میں دفن کر دیا تاکہ کبھی کوئی اسے قبر سمجھ کر نہ کھودے' تم جانتے تھے' کوئی قبرستان کی حرمت پامال نہیں کرے گا' سو وہ منحوس مگر دنیا کا سب سے قیمتی پتھر ہمیشہ کے لیے مٹی میں دفن رہے گا' نہ کوئی اسے کھودے گا' نہ وہ کسی کو ضرر دے گا' مگر اے راجوں کے مہاراجہ! پتھر تو پتھر ہوتے ہیں۔ وہ جسے تم مرد کے لیے تباہی مگر عورت کے لیے خوش بختی کی علامت سمجھتے تھے' وہ جس دن میری دسترس میں آیا' مجھے تباہ کر گیا۔ کاش! تم نے وہ پتھر دفنانے کے بجائے تباہ کر دیا ہوتا اور کاش! میں لالچ نہ کرتی۔"

وہ سر جھٹک کر باہر آئی اور سیڑھیاں اترنے لگی۔

نیچے روپ وتی اس کا سامان ملازموں سے اپنی نگرانی میں اٹھوا رہی تھی۔ وہ ٹھٹھک کر رگھوناتھ کے کمرے کی طرف آئی۔

دروازہ نیم وا تھا' مایا نے آہستگی سے اسے دھکیلا۔

سامنے پلنگ پہ وہ نحیف' کمزور سا بوڑھا ٹھٹھرا کر لیٹا

تھا۔

وہ دھیرے دھیرے چلتی ان کے پلنگ کے قریب آئی۔

"بڑے ٹھاکر۔۔۔!"

اس نے آہستہ سے پکارا تو انہوں نے آنکھیں کھولیں۔

"کون؟ گوپال؟" وہ اٹھنے لگے تو اس نے اشارے سے انہیں روکا۔

"میں ہوں ملیا!"

"ملیا۔۔۔؟" وہ نڈھال سے واپس لیٹ گئے۔ "جیسے آج تم آئی ہو گیا کبھی وہ ایسے نہیں آئے گا۔"

"چھوڑ کر جانے والے واپس نہیں آتے بڑے ٹھاکر! میں نے سمجھوتہ کر لیا ہے' آپ بھی کر لیں۔" وہ اداسی سے بولی۔

"اتنا چھوٹا سا تھا جب وہ کہتا تھا میں اسے گھوڑا لے کر دوں۔ گھوڑے کے لیے وہ شیکھر سے لڑتا بھی تھا۔" وہ چھت کو تکتے کہہ رہے تھے "مگر اس نے شیکھر کو نہیں مارا' وہ تمہیں قید کر کے بھی نہیں رکھنا چاہتا تھا' گاؤں والے جھوٹی باتیں کہتے ہیں۔"

"میں جانتی ہوں۔" اس نے گہری سانس لی۔ "میں آپ کو الوداع کہنے آئی تھی' میں جا رہی ہوں۔"

"کاش تم نہ آتیں ملیا۔۔۔! جب تم آئیں تو شیکھر بھی مر گیا اور پھر گوپال بھی۔۔۔ میرا گوپال بھی۔۔۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے تھے۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ صحیح کہہ رہے تھے۔ شیکھر بھی اس کی وجہ سے مرا تھا' گوپال کی موت بھی اس کی وجہ سے ہی ہوئی تھی۔

وہ انہیں روتا چھوڑ کر تیزی سے باہر نکل آئی۔ بگھی اس کے انتظار میں کھڑی تھی۔

وہ آہستہ سے چلتی قریب آئی' رام ناتھ نے سیڑھی بگھی کے ساتھ لگائی' وہ دھیرے دھیرے زینوں پہ قدم رکھتی اوپر چڑھنے لگی۔ اس کی سفید چوٹی کے سنہری پکھراج شام کی مدھم روشنی میں ماند پڑ گئے تھے۔

اس نے بگھی کا دروازہ کھولا' پردہ ہٹایا' اندر بیٹھی ایک آخری نگاہ حویلی پہ ڈالی۔ ریپا کو ہاتھ ہلایا اور پردہ گرا دیا۔ رام ناتھ نے دروازہ بند کر دیا اور اپنی نشست سنبھال لی۔

روپ وتی بگھی کو دور ہوتے دیکھتی رہی' اس کا ہاتھ فضا میں بلند رہ گیا تھا۔

بگھی درختوں کے بیچ گھری سڑک پہ دوڑتی جا رہی تھی۔ وہ بیلی کے جنگل کے درخت' اونچے' اتنے گھنے کہ روشنی گھاس کو چھو نہ پاتی تھی۔

اندھیرا ڈھلنے لگا تھا جب بیچ سڑک پہ بگھی کا راستہ چند گھڑسواروں نے روک لیا۔ رام ناتھ نے سرعت سے لگام کھینچی' گھوڑے ہنہنائے اور بگھی رک گئی۔

"نیچے اترو۔" تین گھوڑوں سے سوار اتر کر پیدل رام ناتھ کے سامنے آئے۔ رام ناتھ تذبذب سے ایک نظر پیچھے دیکھ کر نیچے اترا۔

"ساتھ کون ہے؟" برچھیت اپنی برچھی بلند کیے غرایا۔

"میم صاب ہیں' شہر جا رہے ہیں۔" اسے پچھلا تجربہ یاد تھا سو فر فر کہنے لگا۔

"ہوں۔" برچھیت نے دستی بردار کو دیکھ کر آنکھ سے اشارہ کیا۔ پھر رام ناتھ کی طرف متوجہ ہوا۔ "میم صاب سے بولو اپنا زیور اتار کر ہمارے حوالے کر دے۔"

اسی پل بگھی کا دروازہ اندر سے کھلا' اس مرمریں ہاتھ نے پردہ ہٹایا اور گہرے ہوتے اندھیرے میں اس کا چہرہ مدھم سا نظر آیا۔

"کون ہے رام ناتھ؟"

"راہزن ہیں مالکن۔ کہتے ہیں زیور اتار دیں۔" رام ناتھ بے بس سا کھڑا تھا۔

ملیا کے لبوں پہ مغموم سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ گردن کے پیچھے لے جا کر اپنے ہار کا ہک کھولا اور اسے گردن سے علیحدہ کر کے رام ناتھ کی طرف بڑھایا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور ہار لے لیا۔

اسی پل وہ سفید گھوڑا گاؤں کے رستے سے بھاگتا ہوا ان تک آیا جس کو ملیا کی عادت پڑ گئی تھی۔

ٹھہرو۔ رکو۔" آنے والے نے چہرہ سیاہ ڈھاٹے میں چھپا رکھا تھا اور انداز میں تلخی تھی۔ اس نے ایک نظر بل بان کے ہاتھ پہ ڈالی جس میں ہار تھا اور دوسری خشمگیں نگاہ اپنے ساتھیوں پہ۔

"یہ اپنی مالکن کو واپس کر دو۔" وہ سامنے دیکھ کر سخت لہجے میں بولا تو مایا کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"تم مجھے کیا کیا واپس کرو گے بدر غازان؟ تمہارے اوپر میرے بہت سے قرض ہیں، بہت سی امانتیں ہیں۔ کس کس کو لوٹاؤ گے؟"

"میں عورتوں سے سر نہیں کھپاتا۔ تم جا سکتے ہو گاڑی بان۔" وہ گھوڑے کا رخ موڑ کر کھڑا ہو گیا۔

رام ناتھ نے تذبذب سے مایا کو دیکھا، وہ استہزائیہ مسکراہٹ سے اس کی پشت کو دیکھ رہی تھی۔

"تم پہ میرے بہت سے قرض ہیں بدر! کاش کہ تم ان کو چکا سکو۔"

"آپ کو جانے دے رہے ہیں، یہی عنایت بہت ہے ہماری۔ ہم جانتے ہیں۔ آپ کدھر جا رہی ہیں۔ سنا ہے ڈی سی بہادر بھی استعفیٰ دے کر کب کے نکل چکے ہیں۔ اب آپ بھی ان کے پیچھے ہو لیجیے۔ چلو۔" وہ طنزیہ کہتا اپنے ساتھیوں کو اشارہ کرتا گھوڑا بھگا کر لے گیا اور وہ بے بسی سے ہونٹ کاٹتی رہ گئی۔

"چلو رام ناتھ ہم بھی چلیں۔" اس نے تھک کر سر نشست کی پشت سے لگا دیا۔ رام ناتھ اپنی باہر کی نشست پہ بیٹھا۔

"سنو رام ناتھ!"

"جی مالکن!" وہ مؤدب بھی تھا اور قدرے افسردہ بھی۔

"میری ایک بات مانو گے؟"

"کہیے مالکن!" اس نے گھوڑوں کی لگام کو جھٹکا دیا بگھی سست روی سے چل پڑی۔

"اگر میں ہندوستان میں ہی مر جاؤں تو مجھے بیلی کے اسی پرانے قبرستان میں دفنانا جہاں ایک بھوت پھرا کرتا تھا۔ کچھ پتا چلا وہ بھوت کون تھا؟"

"سایہ تھا وہ مالکن! ہوائی چیز تھا۔ ابھی تک قبرستان میں ہے۔"

"ہاں۔" وہ دکھ سے ہنسی "وہ شاید قبرستان میں ہی رہ گیا ہے۔"

"آپ ایسی باتیں نہ کریں مالکن! آپ تو دو دن بعد ہندوستان سے جا رہی ہیں، پھر ادھر مرنے کی باتیں کیوں کرو ہو؟"

"دو دن میں بہت سے گھنٹے ہوتے ہیں رام ناتھ! کچھ علم نہیں ہوتا کس گھڑی میں کیا بیت جائے، بس کیا تم میری بات مانو گے۔"

"میرے بس میں کچھ نہیں ہے مالکن! وہ مسلمانوں کا قبرستان ہے اور آپ عیسائی ہو۔ مسلمان ایسا نہیں کرنے دیں گے۔"

"کتنے ظالم ہو تم بیلی والے، کسی کی آخری خواہش کا احترام بھی نہیں کرتے، مگر جانے دو، تم بھی ٹھیک ہی کہتے ہو۔ مجھے قبرستان کے پھاٹک کے باہر دفنا دینا۔"

اس کی آواز اتنی آہستہ تھی کہ وہ بمشکل ہی سن پا رہا تھا۔

بگھی اب سرعت سے کچی پکی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ بالکونی میں منڈیر پر ہاتھ رکھے جھکا کھڑا نیچے حویلی کے دالان کو دیکھ رہا تھا۔ حویلی کی دیواریں، منڈیریں، چھت اور نیچے درخت، روشن قمقموں، بتیوں اور دیوں سے سجائے گئے تھے۔ اندھیری رات میں روشنیاں آسمان پہ بکھرے تاروں کی مانند لگ رہی تھیں۔

اس نے ایک لمحے کو اپنے کمرے میں حجلۂ عروسی میں بیٹھی زہرہ کے بارے میں سوچا، جو جانے کب سے اس کا انتظار کر رہی تھی، پھر اسی طرح نیچے مہمانوں کی چہل پہل کو دیکھنے لگا۔

کچھ لوگ اندر جا اور آ رہے تھے، کچھ رشتے دار بچے بھاگتے پھر رہے تھے۔ ایسے ہی اس کے ذہن میں یادیں بھاگتی پھر رہی تھیں۔

ڈلہوزی کی ایک ڈوبتی شام جب درختوں کے بیچ شاخیں اِدھر اُدھر ہٹاتی، پتوں پہ پاؤں رکھتی، وہ سنہری بالوں والی لڑکی اس کی طرف چلی آرہی تھی۔

"یہ شاہی خاندانوں کا دستور ہوتا ہے کہ جس نے جس پہ ہاتھ رکھا وہ اسے دے دیا جاتا ہے۔"

"یہ لڑی میری تیرھویں سالگرہ پہ مجھے کوئین مدر نے دی تھی۔"

"تم ایک شہزادی کو ایک نو آبادی کے اس باغ کی قیمت گنوا رہے ہو؟"

"جھوٹ!" اس نے دکھ سے سر جھٹکا۔ "سب جھوٹ، سب اداکاری تھی۔ وہ ہر پل، ہر وقت اداکاری کرتی رہی اور میں اس کے تھیٹر کا تماشائی بن کر اسے سراہتا رہا۔ وہ تو اول روز سے ہی اداکارہ تھی، میں کیوں بے وقوف بنتا رہا۔"

اسے اس سے نفرت نہیں ہوتی تھی، اسے اس پہ غصہ آتا تھا۔ یا شاید زیادہ غصہ اسے اپنے بے وقوف بننے پہ تھا، یا شاید اپنے اتنے لاعلم رہنے پہ۔ چوٹ اس کی انا پر پڑی تھی۔ جانے مایا کتنی قصوروار تھی اس سب میں۔

رات ڈھلنے لگی تھی۔ نیچے کی گہما گہمی ماند پڑنے لگی اور سب اپنے اپنے کمروں میں دبک کر سونے لگے، تو وہ سست روی سے چلتا اپنے کمرے کے دروازے تک آیا۔

ہولے سے اس نے دروازہ دھکیلا۔ وہ کھلتا چلا گیا۔ باہر راہداری تاریک تھی، وہ اندھیرے میں کھڑا تھا، دروازہ کھلا تو روشن کمرے سے روشنی آنے لگی۔ یہاں تک کہ پورا دروازہ کھل گیا اور وہ روشنی میں نہا گیا۔

اس کا پلنگ تازہ سرخ گلاب کی لڑیوں سے سجایا گیا تھا۔ پلنگ کے عین وسط میں، گھونگھٹ چہرے پہ گرائے وہ بیٹھی تھی۔ سرخ گھونگھٹ کے کنارے پہ سنہری تاریں لگی تھیں اور وہ خاصا نیچے تک گرا تھا، اتنا کہ اس کی گردن بمشکل دکھائی دیتی تھی۔ گھٹنوں کے گرد اس نے بازوؤں کا حلقہ بنا رکھا تھا، آستین کہنی تک ختم ہو جاتی تھی اور آگے کلائی تک سونے کی چوڑیاں، کنگن بھرے تھے۔ ہاتھوں کی پشت پہ مہندی کے بیل بوٹے بنے تھے۔ بدر کی نگاہ اس کے پیروں پہ جھک گئی، وہاں بھی ایڑیوں تک مہندی کے نقش دمک رہے تھے۔

وہ بہت حسین تھی، یقیناً۔ "وہ دونوں ہنسی خوشی ساتھ نباہ کرلیں گے۔" اس نے دل کو تسلی دی۔ "اور محبت کا کیا ہے، یہ تو بعد میں بھی ہو جاتی ہے۔"

وہ دھیرے دھیرے چلتا پلنگ کے قریب گیا، ہاتھ سے پھولوں کی لڑیاں ایک طرف کیں اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"کیسی ہو؟" اس نے گھونگھٹ الٹا تو وہ حسین بناؤ سنگھار سے آراستہ چہرہ سامنے آیا۔

"میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہو؟" وہ قدرے جھجکتے ہوئے بولی۔

"میں اچھا ہوں زہرہ!" اس نے اس سے زیادہ خود کو تسلی دی تھی۔ "امید ہے تم پچھلی باتوں کو بھلا دو گی، اور ہم نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کریں گے۔"

اس کا حنائی ہاتھ اپنے گرم ہاتھوں میں لے کر وہ میکانکی انداز میں کہہ رہا تھا۔ "اور ہاں۔" یاد آنے پہ اس نے شیروانی کی جیب سے ایک ڈبیا نکالی۔

"تمہاری رونمائی کا تحفہ۔" اور زہرہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیتے دیتے چونکی۔

"تحفہ؟" اس کے لبوں سے پھسلا۔ "میم صاب نے کچھ دیا تھا آپ کے لیے وہ......" وہ یکدم چپ ہو گئی۔ شادی کی پہلی رات اور رونمائی کا تحفہ ملنے سے بھی قبل وہ ایک دم ساری جھجک اور حیا بھلا کر پرانے انداز میں بولنے پہ قدرے شرمندہ ہوئی۔

"کیا دیا تھا؟" وہ تیزی سے بولا۔

"معلوم نہیں۔ سرخ پوٹلی تھی، نیچے کمرے میں رکھی ہے۔ لے آؤں؟"

"ہاں جاؤ۔" وہ بے چین سا کھڑا ہو گیا۔

زہرہ ایک لمحے کو جھجکی، پھر پلنگ سے پاؤں نیچے اتارے، جوتی کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھا، پھر اپنے

ننگے پاؤں چلتی کمرے سے باہر راہداری میں آئی۔

پوری حویلی خاموشی اور نیم تاریکی میں ڈوبی تھی۔ وہ دونوں اطراف سے سرخ کامدار غرارہ ہاتھوں میں پکڑے وہ تیزی سے ننگے پاؤں سیڑھیاں اترنے لگی۔ ہر بار زیور کی چھن چھن ہوتی اور چوڑیاں کھنکتیں۔

وہ نیچے اتر کر راہداری میں تقریباً "دوڑتی ہوئی" ایک ہاتھ سے غرارہ پکڑے، دوسرے سے ڈھیلا ہوتا دوپٹہ سنبھالے اپنے کمرے میں آئی' بستر کے تکیے کے نیچے سے چابی نکالی اور تیزی سے سنگھار میز کا تالا کھولنے لگی۔

چند لمحے بعد وہ بدر کے روشن کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو رہی تھی۔

"[illegible] تھا۔" اس نے سرخ پوٹلی اس کی طرف بڑھائی۔ [illegible] سنہری ڈوری سے بندھا تھا۔

بدر نے تیزی سے پوٹلی تھامی اور سنہری ڈوری کی گرہ کھولی۔ سرخ کپڑا کھل کر ہتھیلی پہ پھیل گیا۔ اس کے اوپر ایک بڑا سا ہیرا جگمگا رہا تھا۔

"یہ ہیرا ہے؟" زہرہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

وہ ایک ٹک ہیرے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اتنا چمک دار تھا اور اس [illegible] ایسی نگاہوں کو خیرہ کر دینے والی روشنی پھوٹ [illegible] آنکھیں چندھیا جاتی تھیں۔

"یہ [illegible] دیا تھا اس نے۔" کچھ دیر بعد وہ بولا تو آواز کپکپا رہی [illegible]۔

"[illegible] روز پہلے۔۔۔ [illegible] نے [illegible] کے سامنے [illegible] منع کیا تھا تو اسی [illegible] سکی ساتھ یہ کاغذ بھی دیا [illegible] کہہ رہی تھیں کہ انہیں اپنا خواب [illegible] سے اوھر ملتا ہے شاید کل رات۔۔۔ یا پرسوں رات [illegible] کسی جہاز پہ۔۔۔"

اس نے مٹھی میں دبا کاغذ دینا چاہا تو بدر نے جھپٹ کر وہ کاغذ پکڑا اور کھول کر پڑھا۔

اس پہ ایک جہاز کا نام اور جگہ کا پتہ لکھا تھا۔ وہ تیزی سے لرزتی انگلیوں سے کاغذ تھامے پڑھ رہا تھا۔ ذہن میں دور ایک آواز گونج رہی تھی۔

"وہ مجھے مار دے گا بدر! اگر اسے ہیرا نہ ملا تو وہ مجھے مار ڈالے گا۔" اس نے بے اختیار مخملیں سرخ کپڑے پہ پڑے ہیرے کو دیکھا۔

ماہ ملکہ۔۔۔ بیلی راجپوتوں کی ملکہ۔۔۔ وہ تو اس کے پاس تھی' پھر پاپا کارلس کو کیا دے گی؟

"تم مجھے کیا کیا واپس کرو گے بدر غازان؟"

اس نے تیزی سے پوٹلی کی گرہ پھر سے لگائی' اسے جیب میں ڈالا اور کاغذ اسی طرح مٹھی میں دبائے باہر کی طرف لپکا۔

"میں جلد آجاؤں گا' فکر نہ کرنا۔" بس ایک فقرہ اس کے لیے چھوڑ کر وہ باہر نکل گیا اور وہ پلنگ کے پائے کے ساتھ بیٹھتی چلی گئی۔

وہ مہارانی پھر سے دونوں کے درمیان آگئی تھی۔ اگر اسے علم ہوتا کہ بدر اس کا تحفہ دیکھ کر یوں دیوانہ وار باہر بھاگے گا تو وہ اسے کبھی وہ تحفہ نہ دیتی۔ کیوں کر دیا اس نے ایسا؟

وہ گھٹنوں پہ سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اسے معلوم تھا اب اسے بہت سے دن اور رات انتظار کرنا ہوگا اور تب بھی شاید ہمیشہ کا سکون اسے نہ ملے۔ وہ جو سمجھتی تھی کہ شادی کر کے بدر اس کا ہو جائے گا اور وہ اسے باندھ لے گی' اس پہ آج ادراک ہوا تھا کہ زور زبردستی سے کسی کو اپنا کب بنایا جا سکتا ہے؟

اس کی بلند ہوتی ہچکیاں روشن کمرے میں لگی پھولوں کی سیج سے ٹکرا رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

اس کو اپنی منزل مقصود کی طرف جاتی جو پہلی ٹرین ملی تھی' وہ اس میں سوار ہو گیا تھا۔

ٹھنڈا یخ لوہے کا راڈ پکڑے وہ ایسے ہی گم صم سا کھڑا رہا' ہلا تک نہیں' نہ ہی بیٹھا۔ اس کا ذہن کہیں بہت دور کھویا ہوا تھا۔

"میرے بہت سے قرض ہیں تم پر۔۔۔ تم کس کس کو چکاؤ گے۔"

وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔
"مایا۔! مجھے ڈائمنڈ دو۔"
اس نے قریب رکھی ایک سیاہ مخملیں پوٹلی اس کی ہتھیلی پہ رکھی جس کا منہ سفید چمکیلی ڈور سے بندھا تھا۔
کارلس نے پوٹلی کو مضبوطی سے تھاما اور ڈوری کھولی۔
اندر وہ بڑا سا ہیرا پڑا جگمگا رہا تھا۔
کارلس نے اسے اٹھایا، انگلی اور انگوٹھے کے درمیان رکھ کر اوپر کیا اور غور سے دیکھا۔
"اس تالاب میں یہی تھا۔" وہ بغور کارلس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لے رہی تھی۔
کارلس نے ہیرا واپس اس کی ہتھیلی پہ رکھ دیا۔
"مجھ سے دھوکا مت کرو۔ میں قیمتی پتھروں کو دور سے پہچان جاتا ہوں۔ یہ نقلی ہے۔"
مایا کا رنگ فق ہو گیا۔
"بابا۔۔۔"
"میں تمہارا باپ نہیں ہوں۔ مجھے ہیرا چاہیے مایا! ہیرا۔ بری ڈائمنڈ!" وہ دبی دبی آواز میں غرایا۔
"مجھے تالاب سے یہی ملا تھا، تم دوبارہ دیکھو یہ شاید۔"
"جسٹ اسٹاپ اٹ۔" کارلس نے سبز برساتی کی جیب سے پستول نکالا اور اس کی ٹھنڈی نال مایا کی پیشانی پہ رکھ دی۔
"اب بتاؤ ہیرا کہاں ہے؟"

☼ ☼ ☼

اس نے دور بحری جہازوں اور کشتیوں کی قطار کو دیکھ کر ایک نظر اپنے ہاتھ میں پکڑی پوٹلی پہ ڈالی۔ سرخ مخملیں پوٹلی جو خاصی وزنی تھی یا وہ اس کے دل پہ پڑا بوجھ تھا اور قطار میں کھڑے آخری جہاز کی طرف بھاگا۔
وہ آخری جہاز کسی حادثے کا شکار ہو کر آدھا ٹوٹ چکا تھا اور عرصے سے ادھر کھڑا تھا۔ اس کا عرشہ دن میں

ویران ہوتا تھا اور رات میں عموماً جواری یا نشئی ادھر محفل جماتے تھے۔

وہ تیزی سے دوڑتے ہوئے جہاز کی طرف بڑھ رہا تھا۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ وہاں کیوں آیا تھا، بس وہ مایا کو کارلس سے بچانا چاہتا تھا۔ وہ اس سے نفرت کہاں کر سکتا تھا؟ اس پراسرار سی مہارانی کو وہ بھلا بھی نہ سکتا تھا۔

وہ جہازوں کے قریب ہی تھا، جب اس نے گولی چلنے کی آواز سنی۔ یکے بعد دیگرے تین گولیاں چلیں۔

وہ پتھر کا ہو کر رہ گیا۔

اس کا دل بیٹھنے لگا تھا۔ وہ آوازیں اس آخری تباہ شدہ جہاز سے ہی آرہی تھیں۔

"نہیں، وہ اسے بچالے گا، وہ اسے مرنے نہیں دے گا، وہ اسے کارلس سے بچالے گا۔" وہ یہی سوچتا دیوانہ وار بھاگتا گیا۔

جہاز کی سیڑھیاں خستہ حال اور ٹوٹی پھوٹی تھیں۔ وہ تیزی سے دو دو سیڑھیاں پھلانگتا، بھاگتا ہوا راہ میں آئی رکاوٹیں عبور کرتا جس وقت عرشے پہ پہنچا اسی وقت "تڑتڑتڑ" کی آواز کے ساتھ بہت سے موتی اس کے قدموں سے ٹکراتے اِدھر اُدھر بکھر گئے۔

اس نے جھک کر دیکھا۔ وہ سفید موتی خون میں لتھڑے سرخ پڑ گئے تھے، اور ادھر ادھر بکھرتے سرخ لکیریں بناتے جارہے تھے۔ اسی پل کسی وزنی شے کے پانی میں گرنے کی آواز آئی۔

وہ بے اختیار آگے بڑھا۔

سامنے خون کا ایک تالاب پڑا تھا، اور خون کے نشانات تھے جیسے کسی لاش کو گھسیٹ کر ابھی ابھی پانی میں پھینکا گیا ہو۔

"لاش؟ مایا ....." اس کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجی۔

وہ دوڑ کر عرشے کی دوسری طرف آیا اور اسی پل اسے لگا، کسی نے سمندر میں چھلانگ لگائی ہے۔ سبز برساتی اور بڑے سے ہیٹ کی ایک ہلکی سی جھلک وہ دیکھ سکا تھا، اور اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھ کر جھک کر پانی کو دیکھ پاتا، پانی میں ڈبکی لینے کی آواز آئی اور سکوت چھا گیا۔

وہ دھیرے دھیرے شکست خوردہ قدموں سے چلتا واپس خون کے تالاب اور موتیوں تک آیا۔

موتی ابھی تک اِدھر اُدھر بکھر رہے تھے۔

وہ تھکا ماندہ ادھر گر سا گیا۔ خون اس کے ہاتھوں اور کپڑوں پہ لگ گیا مگر وہ اِدھر اُدھر دوڑتے موتیوں کو پکڑنے کی سعی کرنے لگا۔ پھر تھک کر سر گھٹنوں پہ رکھ دیا۔

"وہ کبھی جو تم اس لڑی کو ٹوٹ کر بکھرتے دیکھو تو جان لینا کہ یا تو مایا نے دل ہار دیا۔ یا جان ہار دی۔"

وہ ٹھیک کہتی تھی۔

بیلی راجپوتاں کی ملکہ نے جان ہار دی تھی۔

اس نے جیب سے سرخ پوٹلی نکالی اور کھولے بغیر اسے پوری قوت سے دور پانی میں پھینک دیا۔

پوٹلی نے غوطہ کھایا اور پھر سمندر کے تاریک پانی میں گم ہو گئی۔ فساد کی وہ جڑ ہمیشہ کے لیے ڈوب چکی تھی۔

وہ ہمیشہ اسے کچھ دے کر جاتی تھی، اب کی بار وہ جاتے جاتے اسے زندگی بھر کا ایک نہ ختم ہونے والا غم دے گئی تھی۔

ایک ایسا پچھتاوا جس سے وہ کبھی جان نہ چھڑا پائے گا۔ کہ وہ ساری زندگی سوچتا رہے گا، کاش! کہ وہ اسے بچا پاتا۔

☼ ☼ ☼

بحری جہاز گھنٹہ بھر ہوئے رُک چکا تھا۔ مسافر اپنا سامان اٹھائے، اپنے بچوں کو سنبھالتے، شور کے باعث ایک دوسرے سے بلند آواز میں بات کرتے سمندر کی حدود سے باہر آرہے تھے۔

بہت سے مسافروں کے درمیان ایک مسافر نے

بہت تھکے تھکے انداز میں اپنا بیگ زمین پہ رکھا تھا۔ اس نے سبز برساتی پہن رکھی تھی اور سر پہ بڑا سا ہیٹ تھا۔

وہیں سمندر کے کنارے اپنے بیگ کے ساتھ ہی بیٹھ کر اس نے سر نیچے جھکا لیا اور تھکاوٹ سے کنپٹیوں کو انگلیوں سے دبایا۔ ہندوستان سے انگلستان تک کا بحری سفر خاصا تھکا دینے والا تھا۔

لوگوں کی چہل پہل جاری تھی' گہما گہمی اپنے عروج پہ تھی۔ اس نے چند لمحے خاموشی سے گردن ادھر ادھر گھما کر دیکھا' پھر اپنے سر پہ رکھا وہ بڑا سا بانس کے تنکوں سے کا بنا ہیٹ اتارا' اسے زور سے سمندر کے پانی پہ اچھال دیا اور لمبے سنہری بال برساتی کے اندر سے نکال کر اور ان میں ہاتھ پھیرتے ہوئے خود کو پُرسکون کرنے لگی۔

دفعتاً اس کی انگلیوں کو بال خالی خالی لگے' تو اس نے بالوں کی اس لٹ کو چھوا جو کبھی موتیوں سے بہت وزنی ہوتی تھی۔

اب وہ لٹ خالی تھی۔

ایک اداس مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر گئی۔

"اسے یاد تھا" اس نے ایک دفعہ بدر سے کہا تھا۔

"اگر جو کبھی تم اس لڑی کو ٹوٹ کر بکھرتے دیکھو تو جان لینا کہ یا تو مایا نے دل ہار دیا' یا جان ہار دی اور اگر مجھے کبھی کچھ ایسا مل گیا جو خوش قسمتی کے ہما کو ہمیشہ میرے سر پہ سایہ کیے رکھ سکے تو میں اسے خود ہی توڑ دوں گی۔"

اور جب اس رات اس نے اپنے سوتیلے باپ کو اپنے دفاع میں مارا تھا جو نہ صرف اس کی ماں پر ظلم کا مرتکب اور اس کی محرومیوں کا ذمہ دار تھا بلکہ شیکھر کا قاتل بھی تھا' تو اس کی لاش کو اس برساتی اور ہیٹ سے ہلکی کر کے سمندر میں دھکیلنے کے بعد اس نے خود ہی وہ لڑی توڑ دی تھی کہ اس کے پاس خوش قسمتی کے ہما کو اپنے سر پہ برقرار رکھنے کے لیے کچھ اور بہت قیمتی اور خاص موجود تھا۔

مایا نے برساتی کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا اور وہ ٹاٹ کی پوٹلی نکالی جسے ربڑ لگا کر باندھا گیا تھا۔ اس نے ربڑ اتارا اور پوٹلی کھولی۔

اندر وہ بڑا سا ہیرا جگمگا رہا تھا' مگر اس کی جگمگاہٹ اس کے ان دو نقلی Replicas کی طرح شوخ اور بے حد تیز نہیں تھی' جو اس نے بدر اور کارلس کو دیے تھے' جو بہت پہلے سے اس نے تیار کر کے رکھے تھے۔ بلکہ "ماہ ملکہ" کی چمک بہت ٹھنڈی' بہت باوقار تھی۔

اس نے مسکرا کر ہیرے کو دیکھا۔ اس ہیرے کے لیے اس نے بہت سے کھیل کھیلے تھے' مگر جس کے ساتھ کھیل نہیں کھیلا تھا' جب اس نے دھتکارا تو اس رات اپنی بالکونی میں روتے ہوئے اس نے عزم کیا تھا کہ بھلے وہ جس سے اس نے واقعتاً "محبت کی تھی' اسے نہ اپنائے' مگر وہ اسے زندگی بھر کا وہ دکھ ضرور دے کر جائے گی' جو اس نے اسے دیا تھا اور اسے علم تھا کہ اس نے عرشے پہ بیٹھ کر وہ موتی ضرور چنے ہوں گے۔

"اے بیلی کے نیزہ باز لڑکے!" اس نے کرب سے مسکرا کر ہیرے کو دیکھا اور واپس احتیاط سے جیب میں رکھ لیا۔ "اسے اپنی ساری کہانی سنائی تھی اور وہ سرخ پوٹلی اس تک بھیجنے سے پہلے بھی بہت دفعہ اسے بتایا تھا' بار بار بتایا تھا' مگر پھر بھی وہ سمجھ نہ سکا اور وہ پھر دیکھتے ہی بھول گیا کہ میں لندن کے تھیٹر کی سب سے کامیاب اداکارہ ہوں۔"

وہ آہستہ سے اٹھی اور اپنا بیگ اٹھائے ایک طرف کو چل دی۔

اس دن کے بعد سے کسی نے اسے لندن کے تھیٹر میں نہیں دیکھا۔